جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت

مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو تحقیقی رسائل کا مجموعہ

بنام

مسجد میں اذان خلافِ سُنّت ہے

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر عربی اردو
منبر کے سامنے ندا کے ادب میں عنبر کی مہک

اَوفی اللُمعة فِی اَذانِ یومِ الجُمعة
جمعہ کے دن کی اذان کے بارے کامل رہنمائی

مع

اَذانٌ مِنَ اللهِ لِقیامِ سُنّتِ نَبیِ الله
شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا حامد رضا خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ

التحقیق الحسان فی احکام الاذان
حضرت مولانا عرفان علی رضوی بیسلپوری رحمۃ اللہ علیہ

تائیدِ ربّانی بر مسئلہ اذانِ ثانی
میثم عباس قادری رضوی

مرتب
میثم عباس قادری رضوی

کتب خانہ امام احمد رضا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	مسجد میں اذان خلافِ سنت ہے
تصنیف	احمد رضا خان فاضل بریلوی
مرتب	میثم عباس قادری رضوی
صفحات	584
قیمت	500 روپے

ملنے کا پتہ

جامع مسجد خوشبوئے مصطفیٰ ﷺ کوٹ قاضی حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ

مکتبہ مجاہد بھیرہ شریف	048-6691763
مکتبہ الفرقان گوجرانوالہ	0333-4264487
مکتبہ قادریہ گوجرانوالہ	055-4237699
اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی	051-5536111
معراج کتب خانہ ملتان	0323-7210125
مکتبہ چشتیہ خانقاہ ڈوگراں	0308-4551988
مکتبہ حسان کراچی	0331-2476512
مکتبہ برکات المدینہ کراچی	0321-3531922
مکتبہ رضویہ کراچی	021-32216464
مکتبہ کنز الایمان کراچی	0315-8269125
مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ	0321-7083119
مکتبہ عطاریہ گوجرہ	0331-6553526
مکتبہ فیضان عطار حیدر آباد	0311-3682626

ہدیۂ تبریک

جمعہ کی اذانِ ثانی کے مسجد سے باہر ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سُنّت، مجددِ دِین وملت، مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃُ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کی علمی وتحقیقی کتاب ''شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر'' عرصۂ دراز تک غیر مطبوعہ تھی۔ ہندوستان میں بحرالعلوم حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی رحمۃُ اللّٰہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تصحیح فرمائی اور اردو ترجمہ بھی کیا۔ اس کتاب کو پہلی بار ۱۴۲۱ ہجری/۲۰۰۰ عیسوی میں ہندوستان سے عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ ''رضا اکیڈمی، بمبئی'' نے شائع کیا۔ پاکستان میں اسی طباعت کا عکس ۲۰۰۲ عیسوی میں ''نوری کتب خانہ، لاہور، پاکستان'' سے شائع ہوا۔ لیکن اس اشاعت میں عربی شامل نہیں کی گئی، اب وہ نسخہ بھی نایاب ہے۔ الحمدُلِلّٰہ، پہلی بار اس کتاب کا عربی متن (مع اردو ترجمہ) پاکستان سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ کتاب جناب مولانا محمد عبدالاحد قادری صاحب کے ذخیرۂ کتب میں موجود تھی، ان کی پُر اِخلاص تحریک پر ہی اس کتاب کو عربی متن کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ پہلے ''شمائم العنبر'' کو ہی شائع کرنے کا ارادہ تھا، لیکن راقم کی تجویز پر مسئلہ اذانِ ثانی کے متعلق اعلیٰ حضرت کی لکھی گئی مزید دو کتب ''أَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ لِقِيَامِ سُنَّةِ نَبِيِّ اللّٰهِ''، ''أَوفی اللمعة فِي أَذَانِ يَوْمِ الْجُمْعَة'' اور (راقم کی) کتاب ''تائیدِ ربّانی برمسئلہ اذانِ ثانی'' کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا۔ ابھی معلوم ہوا ہے کہ مولوی خلیل انبیٹھوی دیوبندی (دیوخانی) کی مسئلہ اذانِ ثانی پر لکھی گئی کتاب ''تنشيط الاذان'' کراچی سے دیوبندیوں (دیوخانیوں) نے شائع کردی ہے (راقم کے پاس اس کا قدیم ایڈیشن بھی موجود ہے)۔ اس کتاب کا جواب خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا عرفان علی بیسلپوری رحمۃُ اللّٰہ تعالیٰ علیہ نے بنام ''التَّحْقِيقُ الْحَسَان فِي أَحْكَام الاذان'' لکھا تھا اور راقم کے پاس موجود تھا۔ اس جواب کو بھی اس مجموعہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ مبارکباد کے مستحق ہیں جناب محترم شیخ سرور اویسی صاحب (مدیر اویسی بک اسٹال، گوجرانوالہ) اور جناب محترم عبدالشکور صاحب (مدیر کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور) جو اس مجموعہ کی اِشاعت کی سعادت حاصل کررہے ہیں، اللہ کریم ان کی اس کاوش کو قبول فرما کر اِن کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ اور دینِ متین کی مزید خدمت کرنے کی توفیق دیے رکھے۔

۳ جنوری ۲۰۱۷ء/۴ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

میثم عباس قادری رضوی، لاہور

باسمہ وحمدہٖ تعالیٰ وتقدس

قد طبع ببرکۃ شیخنا أبی البرکات المفتي الأعظم العلامۃ مصطفیٰ رضا ابن الإمام أحمد رضا رحمہما اللہ تعالیٰ

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

للإمام العلامۃ أحمد رضا القادری البریلوی قدس اللہ سرہٗ

١٢٧٢ھ/١٨٥٦م ـــــ ١٣٤٠ھ/١٩٢١م

تحقیق وترجمہ

بحر العلوم العلامۃ المفتی عبد المنان الاعظمی

طبع علی نفقۃ:

رضا اکادیمي ٢٦، کامبیکر استریت، ممبائی ٣، الہند

فہرست شمائم العنبر

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء مبارکپور ضلع اعظم گڈھ سے پہلی بار فتاوی رضویہ حصہ سوم شائع ہوئی، اس کے ناشر و مہتمم حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب بلیاوی نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ علیہ الرحمۃ نے عرض ناشر کے عنوان سے جو ابتدائیہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں انھوں نے یہ بتایا تھا کہ اس جلد میں شامل دس رسالے دستیاب نہ ہوسکے انھیں رسائل میں **شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر** بھی تھا۔

راقم الحروف غالباً ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں بریلی حاضر ہوا تو حضرت مولانا توصیف رضاخاں صاحب نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے چند رسائل تصحیح و تبییض کی غرض سے دیئے انھیں رسائل میں شمائم العنبر کا ایک ناقص اور بوسیدہ نسخہ بھی تھا۔ اعلیٰ حضرت کی اس تحریر کا ذکر میں بہت سے لوگوں سے سن چکا تھا۔ اس لئے سب سے پہلے اسی پر کام شروع ہوا۔ اور تبییض کے لئے اس کو مولانا سبحان اللہ صاحب علیہ الرحمہ کو دیا۔ انھوں نے جنوری ۱۹۹۱ء میں مبیضہ واپس کیا۔ تو اپنی طاقت و وسعت کے مطابق تصیح و ترجمہ کرکے میں نے گذشتہ عرس رضوی کے موقع پر مسودہ، مبیضہ اور ترجمہ سب کچھ حضرت مولانا توصیف رضاخاں صاحب کی خدمت میں پیش کردیا۔ مولانا نے نہایت سرعت کے ساتھ اس کی کتابت بھی معتد بہ حصہ تک کروائی اور تصیح کے لئے اسے ہمارے عزیز مولانا محمد حنیف صاحب بریلوی رضوی مصباحی کو دیا۔

مولانا الحاج عبدالستار صاحب ہمدانی کی مہربانی سے ان کے پاس مکمل رسالہ کی زیروکس کاپی موجود تھی۔ انھوں نے مکمل رسالہ میرے پاس بھیج دیا کہ بقیہ دو مقالوں کا ترجمہ بھی کر دیا جائے اس طرح اب امید ہو گئی ہے کہ جلد ہی یہ گنج شائیگاں مکمل ہدیہ ناظرین ہوگا۔

رسالہ کا موضوع ۔ اذان خطبہ کا موقع اور محل ہے ۔ اس کی تاریخ یہ رہی ہے کہ عہد رسالت و عہد شیخین بلکہ عہد جملہ خلفائے راشدین اور اس کے بہت بعد تک بھی یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی رہی۔ اور فقہ و فتاویٰ کی متعدد کتابوں میں تصریح ہے۔ کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے ۔ ان عبارتوں میں نہ تو کسی اذان کا استثنار ہے نہ تخصیص۔

لیکن زمانہ مابعد میں نہ معلوم کب سے اس کے خلاف رواج پڑ گیا۔ خطبہ کی اذان خاص مسجد میں منبر کے متصل ہونے لگی، اور پنج وقتہ اذانوں کا رواج بھی عام طور سے مسجد کے اندر ہی ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا استفتار ہوا۔ آپ نے اپنی تحقیق کے موافق جواب دیا "یہ اذان مسجد کے اندر مکروہ اور سنت کے خلاف ہے" بہت سے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی علمائے دیوبند نے اعلیٰ حضرت کا خلاف کیا۔ علمائے اہلسنت میں بھی کئی لوگوں نے آپ کی مخالفت کی لیکن خاص مورچہ بدایوں شریف کے علمائے اہلسنت کی طرف سے قائم ہوا۔ جو اکثر مسائل فرعیہ میں بھی اہل بریلی کے موید اور ان کے موافق تھے۔ طرفین سے بہت ساری تحریروں کا تبادلہ ہوا۔ اہل بریلی کی طرف سے اس رسالہ کے علاوہ سات رسائل کی تو اعلیٰ حضرت نے نشان دہی کی ہے ، اور سمت مخالف میں تو مختلف فرقوں اور مختلف علاقوں کا متحدہ محاذ تھا۔ جتنی تحریریں بھی شائع ہوئی ہوں کم ہیں۔

اس کے بعد بعض اہل بدایوں نے امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کیا کہ مولانا کی فلاں فلاں تحریروں سے ہماری ہتک عزت ہوتی ہے۔

لہذا انھیں قرار واقعی سزا دی جائے، سمن جاری ہوا، اعلیٰ حضرت نے اپنی عادت کے موافق کچہری کی حاضری سے انکار کیا۔ پھر وارنٹ بھی ایشو ہوا، اور ڈر ہوا کہ زبردستی بذریعہ پولیس آپ کو کچہری میں حاضر کرایا جائے۔ تو مسلمانان اہلسنت بریلی نے محلہ سوداگران جانے والے تمام راستوں کا گھراؤ کیا۔ کہ پولیس کسی طرح آپ تک پہونچ نہ سکے۔ پھر آپ کو حاضری کی چھوٹ ل گئی، اور مقدمہ کا فیصلہ بھی آپ کے موافق ہوا۔ جس میں حاکم نے آپ کو باعزت بری کیا۔

اس قضیہ میں جزوی طور پر سادات مارہرہ بھی اعلیٰ حضرت کی حمایت میں رہے۔ ان کی مشکل یہ تھی کہ علماء بدایوں ان کے بزرگوں کے مرید تھے۔ اور خود یہ حضرات علمائے بدایوں کے شاگرد تھے۔ مسئلہ شرعی میں ان کی رائے امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ضرور تھی۔ لیکن ان قدیم علاقوں کی وجہ سے علمائے بدایوں سے مسئلہ اذان میں اختلاف کے باوجود یہ حضرات نہایت معتدل اور محتاط رہے۔ اور اس قضیے میں ان حضرات کی حیثیت ایک غیر جانبدار گواہ کی ہے۔

ذیل میں ہم سند نشین مارہرہ حضور ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن الملقب بہ شاہ جی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب گرامی کا حوالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جس سے اس مسئلہ میں طرفین کے کردار پر تاریخی حیثیت سے بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ اور مسئلہ کی شرعی حیثیت پر بھی ایک بے لاگ نقطہ نظر سامنے آتا ہے۔

مکتوب ۱۹ بنام نواب سید سردار علی صاحب بہادر حیدرآباد دکن مرسلہ ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ مندرجہ اہلسنت کی آواز ص۵۴ تا ص۶۰ جلد ۳ اکتوبر ۱۹۹۶ء

اس معاوضہ عالیہ سے چند باتیں صاف ظاہر ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ۔ اذان خطبہ بیرون مسجد، کے خلاف بریلی کانپور کے وہابیوں اور اہل رامپور کی تحریریں شائع ہو چکی تھیں۔ اہل بدایوں اس قضیہ میں اس وقت شریک

ہوئے۔ جب اس مسئلہ پران کی گفتگو سادات مارہرہ سے ہوئی۔

(۲) اہل بدایوں نے صاحب سجادہ حضور شاہجی میاں صاحب کی کوشش کے باوجود اعلیٰ حضرت سے اس مسئلہ پر بالمشافہ گفتگو کرنے سے انکار کیا۔ (جو عرس نوری کے موقع سے مارہرہ آئے تھے) البتہ بدایوں واپس ہوکر اہل مارہرہ کے حوالہ سے ایک فتویٰ اذان اندرونِ مسجد کی حمایت میں جاری کیا۔

(۳) اولادِ رسول حضرت محمد میاں صاحب قادری علیہ رحمۃ الباری نے مفتی صاحب کو ایک خط کے ذریعہ اسی وقت مطلع کر دیا تھا۔ کہ فتویٰ کی تحریر و اشاعت کا باعث ہمیں قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(۴) اس فتویٰ کا جواب مارہرہ شریف سے شائع ہوا نہ بریلی شریف سے۔ اس کے بعد اہل بدایوں نے دو مزید اشتہار اور رد شائع کئے۔ تب اہل بریلی کی طرف سے اس کا جواب شائع ہوا۔ (اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اہل بدایوں و بریلی میں جو معاہدہ ایک دوسرے کے رد نہ کرنے کا ہوا تھا۔ اس کو پہلے کس فریق نے توڑا۔)

(۵) حضرات سادات مارہرہ کی رائے میں اس قضیہ میں حق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی طرف ہے۔

زیر نظر رسالہ اس تمام بحث کا گویا نچوڑ ہے۔ جو اس موضوع پر برسوں چلتی رہی۔
پہلے آپ نے اپنے دعویٰ کے مندرجہ ذیل دلائل پیش فرمائے۔

(۱) صحیح حدیث میں ہے کہ۔ عہد رسالت وما بعد میں اذان خطبہ منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی تھی، اس روایت کا دار و مدار صاحب مغازی محمد بن اسحاق پر ہے۔ مخالفین نے ان کی تنقید کی کہ یہ قابلِ بھروسہ راوی نہیں ہیں۔ ان پر تشیع کا الزام ہے۔ اور ان پر مرجیہ ہونیکی تہمت بھی ہے۔ اور یہ مدلس بھی ہیں۔ اسلئے یہ روایت قابلِ سند نہیں۔

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس رسالہ کے مقالۂ اولیٰ میں بیس اعلام ائمہ حدیث سے محمد بن اسحاق کی تائید و توثیق نقل کی ان کا ثقہ، ثبت اور حجۃ ہونا پایہ تحقیق کو پہنچایا۔ اور ان پر لگائے گئے الزامون کی بے حقیقتی ظاہر کی ارجاء اور تشیع کی حقیقت واضح کی ہے۔ اور خاص باب تدلیس میں ایسی تحقیق فرمائی کہ اس باب میں علم اصول حدیث کا مزعومہ منظر نامہ ہی بدل گیا۔

اس کے بعد مخالفین نے اس حدیث شریف کو اپنے ظاہر سے پھیرنے کے لئے جو رکیک تاویلیں کی ہیں ان کا پردہ فاش فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ تاویلیں نہیں ہیں طفل تسلیاں ہیں۔ گویا سے

بہلا رہے ہیں اپنی طبیعت خزاں نصیب
دامن پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ بہار کا

دوسرے شمارہ فقہ میں آپ نے بیس ائمہ فقہ واصحاب فتاویٰ کے اقوال پیش کئے ہیں۔ جن میں تصریح ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

ان عبارتوں پر مخالفین نے حد درجہ مضحکہ خیز اعتراضات کئے ہیں۔ مثلاً یہ مسئلہ باب الاذان میں تو تحریر ہے باب جمعہ میں نہیں ۔ یہ عبارتیں عام ہیں خاص اذان خطیب کے بارے میں کوئی نص نہیں۔ یہ روایتیں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی نہیں۔ کسی نے زچ ہوکر کہاہے کہ اذان خطبہ دراصل اعلان ہے یہ اذان نہیں۔ تو حکم اذان میں داخل نہیں۔ کچھ نے کہا کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتاہے۔ تو وہ کیوں مسجد کے اندر ہوتی ہیں۔

اعلیٰحضرت جب ان کج بحثیوں کی گتھیاں کھولتے ہیں تو ہنسی آتی ہے کہ یہ مخالفین علم و دانش سے کس درجہ تہی دامن ہیں۔

پھر آپ نے قرآن وحدیث اور اقوال فقہ کی روشنی میں مسجد کے تین اطلاقات کا ذکر کیاہے

اور مختلف نصوص کے ظاہری تضاد کو دور فرمایا ہے۔
کچھ لوگوں نے اس کا سہارا لیا تھا کہ فقہ کی بعض کتابوں میں اس مسئلہ کو لفظ لا ینبغی سے بیان کیا ہے تو یہ زیادہ سے زیادہ ایک غیر مناسب بات ہوئی تو اس کے خلاف یہ واویلا کیوں؟
اعلیٰ حضرت نے ینبغی کے معنی اور اس کے اطلاقات کی شہادتیں پیش کرنا شروع کیا ہے تو عالم یہ ہے۔

ع وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

تیسرے مقالہ قرآنیہ میں آیات کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ اندرون مسجد اذان دربارِ الٰہی کی بے حرمتی ہے۔ اور مسجد میں آواز بلند کرنا ممنوع اور اس کو زمانہ کے عرف و دستور سے مؤید اور مضبوط فرمایا ہے۔

یوں تو پوری کتاب ہی آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ لیکن اس کا چوتھا شمارہ جس میں مخالفین کے دلائل پر تنقید فرمائی ہے۔ علم و عرفان کا لہریں لیتا ہوا سمندر ہے۔

ایسے نکات جس پر تمام مخالفین متحد ہیں ان کی تعداد آپ نے پانچ بتائی ہے۔

(۱) اذان خطبہ کے سلسلہ میں بین یدیہ کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی سامنے اور متصل منبر ہے۔
(۲) بعض عبارتوں میں عند کا لفظ ہے۔ یہ تو بالکل پاس کیلئے ہی آتا ہے۔
(۳) کچھ عبارتوں میں اذان علی منبر کا لفظ آیا ہے۔ یہ اپنے معنی حقیقی کے لحاظ سے خاص منبر پر اذان ہونے کا مقتضی ہے جو یہاں ناممکن ہے۔ لامحالہ قریب منبر مراد ہے۔
(۴) اذان کے منبر کے پاس مسجد کے اندر ہونے پر دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ہے۔
(۵) اور یہی رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متوارث ہے۔

آپ نے پہلے بین یدیہ کے لغوی معنی کی تحقیق فرمائی ہے۔ پھر قرآن عظیم کے ۳۸ مقامات سے لفظ بین یدیہ کے محل استعمال اور معنی کی تفصیل فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ لفظ بین یدیہ کے

معنی صرف حاضر اور مشاہد کے ہیں۔ اور مختلف محل استعمال کے اعتبار سے قرب و بعد کے مختلف مراتب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

مسئلہ دائرہ میں بحکم شرع اذان جب بیرون مسجد ہونا چاہئے تو بین یدیہ کے وہی معنی مراد لینے ہوں گے جو اس حکم شرع سے متصادم نہ ہو۔

لفظ عند کے لئے بھی لغوی، نحوی، عرفی سارے ہی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کا معنی تو بین یدیہ سے بھی عام ہے۔ تو اس سے مؤذن کے متصل منبر کھڑے ہونے کا ثبوت کیسے ہوگا۔ اور یہی حال لفظ علی کا ہے۔ تو اس موقف پر لفظ بین یدیہ عند اور علی سب بے دست دپا ہیں۔

مخالفین کے دعویٰ اجماع پر بڑی دلچسپ گرفت فرمائی ہے، امام مالک اور ان کے بہت سے متبعین کے نزدیک اندرون مسجد اذان خطبہ مکروہ و بدعت ہے۔ اور ائمہ احناف کے اقوال ہم بیان کر آئے ہیں۔ تو کون سا اجماع ہے جو ان ائمہ کرام کے اختلاف کے باد جود متحقق ہوگیا؟ ؎

گر یہی بے خبری حضرت والا ہو گی ؎ تار و پود پدری سب تہ و بالا ہو گی

ادعائے توارث کے جواب میں آپ نے توارث کی مختلف قسمیں ان کے معانی اور احکام کی تحقیق فرمائی اور یہ ظاہر فرمایا کہ مسئلہ ما نحن فیہ میں تو توارث کی جڑ ہی منقطع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کے خلاف عملدرآمد تھا۔ پھر اس کو توارث سے کیا تعلق؟ یہ تحقیق اس لائق ہے کہ علاحدہ سے یاد رکھی جائے دوسرے بہت سے مسائل شرعیہ کے حل میں اس سے مدد ملے گی۔ شاید غالب نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا۔

لگاتا ہوں مضامین نو کے پھر انبار ؎ خبر کردو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

مخالفین نے اعلیٰ حضرت کے ان قاہر دلائل سے زچ ہوکر ایک جذباتی بات کہی۔
۔ اگر اذان اندرون مسجد خلاف شرع ہے۔ تو یہ اذان لامعلوم صدیوں سے عالم اسلام میں اندرون مسجد رائج ہے۔ اس طویل عرصہ میں ہزاروں ائمہ دین، علمائے ربانیین، بزرگان اسلام، و اولیائے کرام ہو گذرے۔ کسی نے اسے منع نہیں کیا۔ تو کیا انہیں یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا؟ آپ ہی سب سے بڑے عالم ہیں۔ یا سب نے حق پوشی اور مداہنت فی الدین اختیار فرمائی۔ اور آپ ہی سب سے بڑے حق گو اور دیندار ہیں؟"

اس جذباتی بات کا سیدھا جواب تو یہی تھا کہ منصوص مسائل کے خلاف کسی کے کلام یا خموشی سے سند نہیں پکڑی جاسکتی سند تو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے ہے۔
لیکن آپ نے اس کے بجائے نہایت شیریں اور سنجیدہ تحقیقی جواب دیا۔ جس نے بھڑکتے جذبات پر تسکین کا مرہم رکھ دیا۔ آپ فرماتے ہیں:
اذان بیرون مسجد کا یہ کوئی تنہا مسئلہ نہیں ہے۔ تاریخ اسلام میں بار بار ایسے مواقع آئے ہیں کہ لوگوں نے احکام اسلام کو پس پشت ڈالدیا۔ اور مدتیں بیت گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے کسی بندۂ خدا کو توفیق بخشی جس نے اس دینی مسئلہ کے احیاء کی کوشش کی۔ اس درمیان بہت سے علماء آئے جن سے کسی جدوجہد کا تاریخی ثبوت نہیں۔ ایسی صورت میں جدوجہد کرنے والے علماء و مشائخ تو اجر و ثواب اور مدح و تحسین کے مستحق ہیں۔ لیکن خموش رہنے والے علمائے دین پر بھی کوئی الزام نہیں ان کا عذر بھی معقول ہے۔
(۱) اہل حق غلط امور پر نکیر کرتے ہیں۔ لیکن ان نوایجاد امور کی اشاعت کیلئے حکومت اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتی ہے۔
(۲) سرکش نفوس ان کے رواج دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔
(۳) علماء دین یہ خیال کرتے ہیں کہ لوگ اتباع نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو

تیار نہیں۔ ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا حق ادا کر چکے۔ اب ہم خموش بھی رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور کچھ دنوں کے بعد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی متوارث ہے۔

آپ نے تاریخ اور شواہد سب کی مثالیں پیش کی ہیں پھر بڑے مزے میں مخالفین کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔ اس واقعی توجیہ میں ہمارا کوئی فائدہ تھوڑا ہی ہے، ہم نے اسے اس لئے بیان کیا ہے کہ اس میں آپ کے بھی بہت سے علماء و مشائخ اور اساتذہ کے سر سے امر بالمعروف نہ کرنے کا الزام دفع ہوتا ہے اگر آپ کو یہ توجیہ پسند نہیں تو آپ ہی کچھ کرکے دکھائیے۔ جذبات بھڑکانے سے کام نہیں چلے گا۔

مانو نہ مانو آپ کو یہ اختیار ہے ؛؛ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

متفرق دلائل میں مندرجہ ذیل سات باتیں مخالفین نے ذکر کی ہیں۔

(۱) اثر جویبر جس میں تصریح ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان مسجد سے باہر دلائی۔ اور فرمایا یہ اذان ہم نے اس لئے ایجاد کی ہے کہ دور کے مصلیوں کو اطلاع ہو جائے اور اذان خطبہ کے لئے سامنے دینے کا حکم فرمایا اور کہا کہ یہ اذان عہد رسالت میں اسی طرح ہوتی تھی۔

اس اثر سے یہ استدلال کیا کہ خارج مسجد کے مقابلہ میں لفظ سامنے سے بطور مفہوم مخالف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اذان داخل مسجد تھی اور زمانہ رسالت میں اس کا یہی دستور تھا۔

(۲) طلق ابن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اور ان کے ساتھی حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جھوٹے کا تبرک لے کر اپنے علاقہ میں آئے، گرجا گھر کو ڈھایا۔ اور اس زمین پر وہ مبارک پانی چھڑکا اور اسے مسجد بنایا۔ اور اس میں اذان دی،

(۳) حدیث عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہ وہ اذان کا خواب دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے اذان کا طریقہ خواب میں دیکھا

آپ نے حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ مسجد کی طرف جاؤ۔ یہاں مسجد کی طرف کا معنی مخالفین نے مسجد کے اندر قرار دیا۔

(۴) ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا۔ آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان کیا۔ روایت ہے کہ وہ پتھر اس وقت حرم کے اندر مطاف میں تھا،

(۵) آیت قرآنی ہے " وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللہِ ان یذکر فیھا اسمہ۔
اس آیت سے ظاہر ہے کہ مسجد کے اندر ذکر الٰہی سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے۔ اور اذان بلاشبہ ذکر الٰہی ہے۔ تو اسے مسجد میں روکنا کیوں ظلم نہ ہوگا۔

(۶) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غلط فہمی سے استدلال۔

(۷) علامہ قہستانی نے شرح نقایہ میں فرمایا۔

۔ دوبارہ اذان خطیب کے سامنے دیجائیگی۔ یعنی منبر یا امام کے دائیں بائیں دونوں متوازی جہتوں کے درمیان امام سے قریب، تو موذن زاویہ قائمہ، زاویہ حادہ اور زاویہ منفرجہ جس میں کھڑا ہوگا سبھی صورتوں میں امام کے بین یدیہ ہوگا۔ اور یہ زاویے ان دونوں جہتوں سے نکلے ہوئے خطوط سے پیدا ہوں گے۔

اس عبارت پر پانچ مخالفین نے طبع آزمائی کی ہے۔

(الف) ایک شخص نے کہا قہستانی کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ موذن اور خطیب کے درمیان من کل الوجوہ محاذات ضروری نہیں۔

(ب) دوسرے نے قہستانی کے لفظ قریباً منہ سے سند پکڑی۔ اور موذن کے بالکل متصل منبر ہونے پر استدلال کیا۔

(ج) تیسرے نے جو ایک طالب علم ہے۔ موذن کے قریب منبر ہونے پر ہی استدلال کیا۔ اور ساتھ ہی ایک افتراء کیا کہ قہستانی کی عبارت میں لفظ قریبا منہ سے پہلے ای عند المنبر کا لفظ بھی ہے۔

(د) بقیہ دو نے اپنی ریاضی دانی کا ثبوت دیتے ہوئے قہستانی کے کلام کی یہ تقریر کی
۔ مثلث کا وتر منبر کا عرض ہوگا۔ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر کا عرض دو ہاتھ تھا
اب اگر اس کے دونوں کناروں سے اتنے ہی بڑے دو خطوط نکال کر ایک مثلث
متساوی الاضلاع بنے تو اس مثلث کے تینوں زاویے حادہ ہوں گے۔ اور وتر اور
زاویۂ راس کے درمیان دو ہاتھ سے کم کا فاصلہ ہوگا۔

اور اگر انہیں دو کناروں سے دو خط زاویہ حادہ سے نیچے ایسی جگہ ملا دیں کہ نقطہ اتصال
پر نوے ڈگری کا زاویہ پیدا ہو، تو یہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اور اس کے وتر کے درمیان سابق
الذکر سے بھی کم فاصلہ ہوگا اور زاویہ منفرجہ کی صورت میں دونوں کناروں سے پیدا ہونیوالے
خطوں کا نقطہ اتصال زاویہ قائمہ سے بھی نیچے ہوگا۔ اور زاویہ اور وتر کا فاصلہ
اور بھی کم ہو جائے گا۔

اور بقول قہستانی موذن کے کھڑے ہونے کی جگہ انہیں تینوں زاویوں کے اندر ہے۔ تو
لامحالہ موذن کا قیام منبر کے ملاصق ہوگا۔ کہ وتر اور زاویہ کا فاصلہ دو ہاتھ سے بھی کم ہے۔
اور انسانی قدم سوا بالشت کا ہوتا ہے۔

ہاں زاویہ حادہ کو مسجد کے دروازہ تک بھی لے جایا جا سکتا ہے۔ لیکن اتنی دوری
پر اس زاویہ کی چوڑان اتنی کم ہو جائے گی کہ اس کے بیچ ایک پتلی لکڑی بھی نہ سما سکے۔ تو
اس میں موذن کے دونوں قدم کیسے سما سکینگے؟ اس لئے امکانی صورت وہی ہے جو
ہم نے اوپر تحریر کی۔ اور اس صورت میں موذن کا ملاصق منبر ہونا ضروری ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے اثر جو یسیر پر آٹھ رخ سے کلام کیا اور مخالفین کے
استدلال کو تحت الثریٰ میں پہونچا دیا۔

• اس اثر کا لفظ۔ سامنے، بطور مفہوم مخالف ہی سہی، متصل منبر کے معنی میں متعین نہیں، کیونکہ

مسجد کے تین اطلاق ہیں جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان ہوا۔ اور اذان اول بالاتفاق تینوں اطلاقات سے باہر دلائی گئی۔ تو اس کے اعتبار سے سامنے کا مطلب دوسرا اور تیسرا اطلاق بھی ہوسکتا ہے۔ جس کے ہم خود مدعی ہیں۔

- یہ اثر حدیث ابن اسحاق کے مقابلہ میں پرکاہ کے بھی برابر نہیں۔ حدیث ابن اسحاق صحیح ہے۔ اور یہ اثر منقطع۔ گویا فرمن المطر وقام تحت المیزاب والی صورت ہے کہ حدیث صحیح سے فرار اختیار کیا۔ اور اثر منقطع کو تسلیم کر لیا۔
- ان بھلے مانسوں نے فتح الباری سے یہ اثر نقل کیا۔ اور صاحب فتح نے اس پر جو جرحیں کی تھیں۔ ان سے صاف آنکھیں بچا گئے۔
- یہ اثر مشہور روایات کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں ہے کہ اذان اول کی ابتدا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی اور یہ امر مسلّم ہے کہ اس کی ایجاد و ابتداء کا سہرا حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کے سر جاتا ہے۔ وغیرہ

(۲) حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ یہ اور اس قسم کی دوسری حدیثوں کا جواب دینے کی ہمیں ضرورت نہیں خود ائمہ فقہ و حدیث نے یہ جواب دیا ہے کہ ایسی حدیثوں میں فی المسجد کا مطلب فی حدود المسجد ہے۔ لکراھۃ الاذان فی المسجد (فتح القدیر و اتعانی) یہ ان صاحبان کی کیسی دیدہ دلیری ہے کہ مسئلہ اذان میں احناف کا مسلک معلوم جن حدیثوں سے مسجد کے اندر اذان ہونے کا شبہ ہو ائمہ کی طرف سے اس کا جواب معلوم اور خود حنفی ہونے کے مدعی پھر بھی خلاف مذہب پر اصرار بھی ہے۔

(۳) یہی حال حدیث عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس کے الفاظ تو یہ ہیں اخرج مع بلال الی المسجد بلال کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ اور ان مستدلین نے اس کو مسجد میں جاؤ بنا لیا۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اُخرج اور یہ کہتے ہیں

اُدخل آپ نے فرمایا الی المسجد، اور ان کی رائے ہے کہ فی المسجد۔ ایسے ہی حضرات کے لئے فرمایا گیا یحرفون الکلم عن مواضعہ۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان حج کرتے، اور اس مقدس پتھر کے اس وقت مسجد حرام میں ہونے کے سلسلہ میں آپ نے ایک طویل بحث فرمائی ہے جسے پڑھ کر مخالفین پر ترس آتا ہے کہ جب ان کو تفصیل معلوم نہ تھی تو زبان کھولنا کیا ضروری تھا۔

(۵) یونہی اذان کے ذکر الٰہی ہونے اور مسجد میں اس کے روکنے کی بحث بھی بہت دلچسپ ہے۔ ہم تو یہ سمجھے تھے کہ مخالفین نے اپنی کم فہمی سے ذکر اور رفع ذکر میں فرق نہیں سمجھا۔ مگر اعلیٰ حضرت کی تفصیل سے یہ معلوم ہوا یہ تجاہل عارفانہ ہے۔

(۶) اب حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی غلط فہمی کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے اکثر ماننے والوں کے نزدیک مسجد کے اندر خطیب کے سامنے اذان دینا مکروہ ہے۔ اور دیگر اذانوں کی طرح اس کو بھی منارہ پر دینا مسنون ہے۔ ان کے نزدیک روایتوں سے ایسا ہی ثابت ہے۔

مگر محققین مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک بھی اذان خطبہ خطیب کے سامنے ہی مسنون ہے۔ اپنے جمہور کے خلاف انھوں نے اسی حدیث ابن اسحاق سے استدلال کیا۔ مگر نام بخاری کا لیا۔ کیونکہ یہی روایت بخاری میں بھی ہے۔ لیکن اس میں بین یدیہ کا لفظ نہیں ہے۔ اس پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور مالکیہ کی تائید اور محققین مالکیہ کی رد میں یہ کہا کہ بخاری جس کا نام ان حضرات نے بین یدیہ کی تائید میں لیا۔ اس میں تو بین یدیہ کا لفظ ہی نہیں۔

اور انھوں نے یہ سمجھا کہ حدیث ابن اسحاق میں آئے ہوئے لفظ علی باب المسجد سے جانب شمال کا کوئی دروازہ مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شمالی دروازہ جو منبر کے سامنے تھا حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سے ڈیڑھ سو سال پہلے بند ہو گیا تھا۔ اس لئے لامحالہ یہ دروازہ مشرقی

یا مغربی دیوار میں رہا ہوگا۔ ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد اور لفظ بین یدیہ میں تعارض ہوا ادھر حنفی ہونے کے ناطے ان کا مذہب بھی یہی تھا کہ اذان خطیب کے محاذاۃ میں ہونی چاہیئے۔ اس لئے علی باب المسجد اور بین یدیہ کے درمیان تطبیق کے لئے فرضی احتمالات قائم کئے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

ممکن ہے عہد رسالت میں مسجد کے دروازہ پر اذان کے بجائے کوئی اعلان ہوتا رہا ہو۔ اور وہی اعلان اذان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اصل ہو ۔ اور اذان خطبہ ہمیشہ خطیب کے سامنے دی جاتی رہی ہو ۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اذان اول کے بارے میں تو روایتوں میں ہے کہ اس کی ایجاد حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے کی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے ہونے کا کیا مطلب ؟ تو اس کے دفعیہ کیلئے آپ نے ایک اور احتمال کا سہارا لیا۔ ممکن ہے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری عہد میں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہ اعلان بند ہوگیا ہو۔ پھر حضرت عمر یا حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اذان کی صورت میں جاری فرمایا ہو۔ اور اسی کو ایجاد سے تعبیر کیا ہو۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احتمالات کے لئے نہ کوئی تاریخی شہادت فراہم کی نہ احادیث سے ثبوت دیا بلکہ یہ احتمالات جس تعارض کو رفع کرنے کے لئے بیان کیا تھا۔ خود وہ بھی تو سراسر غلط فہمی کی پیداوار تھا ۔ کیونکہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس ایک اذان خطبہ کے لئے ہی باب المسجد اور بین یدیہ دونوں لفظ بول رہے ہیں۔ تو اس کو اعلان اور اذان دو الگ محل پر حمل کرنے کا کیا جواز ؟ مگر ڈوبنے والے ہمیشہ تنکے کا سہارا لیتے آئے ہیں ۔ کچھ یہی حال ان اذانی حضرات کا تھا۔ ایک صاحب فرماتے ہیں ۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ تصریح فرماتے ہیں کہ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور منبر کے پاس خطبہ کی اذان ہوتی تھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اور علامہ قہستانی کی عبارت سے غیر ریاضی داں حضرات کا استدلال از قسم بین یدیہ و علے المنبر۔ عند المنبر اور قریباً منہ تھا۔ جس کا جواب گذشتہ اوراق میں بھرپور ہو چکا ہے۔ البتہ ریاضی داں حضرات کی نکتہ آفرینیوں پر آپ نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اس کے لئے پانچ مقدمات ترتیب دیئے ہیں۔ جس میں دو مقدمات لغوی اور فقہی مباحث میں ہیں۔ اور تین مقدمات میں ریاضی کے اصول سے بحث کی ہے۔

پہلے مقدمہ میں آپ نے عقلی اور نقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ بین یدیہ میں ہ کی ضمیر کا مرجع خطیب ہے، اگر کسی عبارت میں منبر کی تصریح بھی ہے تو وہاں مجازی اطلاق ہے۔ مراد اس سے بھی خطیب ہی ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں پس آپ نے جو منبر کی چوڑان کو مثلث متساوی الاضلاع کے وتر کی لمبان قرار دیا تھا۔ اس میں آپ کو ترمیم کرنی پڑے گی۔ اور وہ بجائے دو ہاتھ کے خطیب کے دونوں مونڈھوں کے بیچ کی چوڑان ہو گی جو عموماً ایک ہاتھ مانی جاتی ہے۔ اور اس پر جو مثلث زاویہ قائمہ والا یا زاویہ منفرجہ والا بنایا جائے گا۔ اس کے وتر اور زاویہ کے درمیان کی لمبان ایک بالشت اور اس سے بھی کم ہو گی۔ اور انسان کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے۔ پس آپ کے مفروضہ کی بنیاد پر کہ یہ مثلث منبر سے متصل ہی بنائے جائیں، اور موذن اس کے اندر کھڑا ہو تو زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ کی صورت میں موذن اس کے اندر کیسے کھڑا ہوگا۔ جب اس کے اندر پاؤں رکھنے کی جگہ ہی نہیں۔ حالانکہ علامہ قہستانی کے قول کے بموجب تینوں زاویوں میں کھڑے ہو کر اذان دی جائیگی۔ اور اسی کو انھوں نے اذان بین یدیہ خطیب مانا ہے۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان تینوں مثلثوں کے مقام حدوث میں بھی۔ اور یہ جو آپ نے ان تینوں زاویوں کو ایک ہی خط وسطی مستقیم پر تلے اوپر فرض کیا ہے۔ اس میں بھی آپ نے قہستانی کے بیان مراد میں غلطی کی ہے۔

علامہ قہستانی نے دراصل یہاں موذن اور خطیب کا درمیانی فاصلہ بتانے کے لئے تینوں زاویوں کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ وہ موذن کے خطیب کے استقبال کرنے کی حد بتانا چاہتے ہیں۔ فاصلہ کی حد تو حدیث و فقہ سے متعین ہو چکی ہے کہ خارج مسجد ہے، اور علامہ قہستانی بھی لفظ قریبًا منہ سے اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ یہاں تو علامہ قہستانی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ موذن کا خطیب کی ناک کے بالکل سیدھ میں خط وسط پر زاویہ قائمہ پر کھڑا ہونا ضروری نہیں اس کے دائیں بائیں جہاں زاویہ حادہ یا منفرجہ پیدا ہوں وہاں بھی کھڑے ہوں تو خطیب کے محاذی ہوں گے، جس طرح استقبال قبلہ کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ مکہ سے باہر والے ٹھیک سمت قبلہ سے ۴۵ - ۴۵ درجہ کے اندر دائیں بائیں مڑکر کھڑے ہوں تب بھی وہ قبلہ کا ہی استقبال کرنیوالے مانے جائیں گے۔ اوران کی اس طرح پڑھی ہوئی نماز قبلہ کے رخ پر مانی جائے گی۔ آپ نے اوقلیدس کی عملی مثالوں سے اپنے بیان کی وضاحت کی ہے۔ اور دعویٰ کو مقام اثبات تک پہونچایا ہے۔ اور مخالفین پر حجت تمام کر دی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ جو شخص انصاف و دیانت اور غیر جانبداری کے ساتھ آپ کے بیان کا بغور مطالعہ کرے گا۔ تو اسے محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد صاحب اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کہنا پڑے گا۔ کہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجدد ماۃ حاضرہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان و قلم کو حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ اور حضرت علامہ بحر العلوم ملا عبدالعلی فرنگی محلی علیہما الرحمۃ والرضوان کی طرح اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ اور انہیں خطاء سے محفوظ کر دیا تھا۔ (المیزان بمبئی امام احمد رضا نمبر ص۲۸۱)

یہاں تک پہونچکر اعلیٰ حضرت نے دعائے خاتمہ اور درود وسلام کے بعد آخری دستخط بھی فرما دیئے تھے۔

قاله بفمه ورقمه بقلمه احد كلاب باب القادري عبدہ احمد رضا محمدی حنفی السنی البریلوی عفرلہ ـــــــ اپنے منہ سے کہا اور اپنے قلم سے لکھا سگ بارگاہ قادریت اور اسکے

ایک غلام احمد رضا محمدی حنفی سنی بریلوی نے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے۔ آمین

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مندرجات پر مخالفین کو بھی اطلاع ہوئی تو ان حضرات نے پناہ کیلئے ایک نیا حیلہ تراشا۔ اور ایک تحریر شائع کی کہ۔ اہل بریلی نے قرب اور بین یدیہ کی تحقیق میں جو کچھ تحریر کیا ہے۔ اس کا تعلق یا تو علم قرآن اور تفسیر سے ہے۔ یا علم حدیث اور اس کی شروح سے ہے۔ یا علم فقہ اور علم اصول سے ہے۔ یا علم لغت و متعلقات سے ہے۔ لیکن مسئلہ اذان میں ہم جو معنی مراد لے رہے ہیں اس کا تعلق مذکورہ بالا کسی علم سے نہیں، یہ معنی تو عوام کے عرف میں مراد لئے جاتے ہیں۔

پس ان علوم کے مسلمات سے ہمارے مدعا کے خلاف استدلال کیسے صحیح ہوگا؟ منزل پر پہونچنے کے بعد فوراً سفر کس درجہ شاق گذرتا ہے مگر اعلیٰ حضرت کا اشہب قلم کیسا رخس راہوار ہے کہ اس کیلئے تنگی و ملال شکستگی و کلال کا کوئی سوال ہی نہیں۔ فوراً ہی آپ نے آٹھ، دس فلس کیپ سائز صفحات کا ایک ضمیمہ بائیسویں نفحے کے نام سے کتاب کے آخر میں شامل کر دیا۔

ہماری زبان میں جس کا ابتدائیہ یوں ہے کہ پناہ کیلئے آپ نے لومڑی کا سوراخ ضرور تلاش کر لیا۔ لیکن انسان کی سمائی بھلا کہیں لومڑی کے بل میں ہوئی ہے۔ اس تحریر نے تو خود آپ کی بنیاد ہی ڈھا دی۔ کیونکہ آپ کا یہ عرف خانہ زاد عوام جب کسی علم کے دائرے میں آتا ہی نہیں تو

(الف) آپ اس کو ثابت کیسے کریں گے؟

(ب) پھر آپ نے اس کے ثبوت کیلئے مفردات راغب، کشاف، اور مدارک کا حوالہ کیسے دیا؟

(ج) یہ الفاظ احادیث وائمہ فقہ کے کلام میں وارد ہیں۔ تو جو معنی ان کے عرف میں ہیں انہیں مراد نہ لے کر عوام کے خود ساختہ عرف کو ان کے سر تھوپنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

اسی طرح کی سات آٹھ گرفتیں فرمائیں۔ پھر نہایت تفصیل سے قرب کے معنی کی تحقیق، اس کے اقسام کا بیان۔ محل استعمال سے معنی کی تعیین کی آٹھ دس مثالیں اس خوش اسلوبی اور حسن بیان کے ساتھ آپ نے تحریر فرمائی ہیں۔ کہ انصاف پسند پڑھنے والا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور اس اعتراف پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ بے شک یہ تائید الٰہی ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں　　غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

اس گنج شائیگاں کے منصۂ شہود پر آنے کا اصلی کریڈٹ تو نبیرہ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ توصیف رضا خاں صاحب کو جاتا ہے کہ اس کی تبییض وتحقیق وترجمہ کے لئے انھوں نے مجھے آمادہ کیا۔ لیکن اسے چھاپنے اور عام اہلسنت کے ہاتھوں تک پہونچانے کا سہرا قسمت نے عالی جناب شیدائے مفتی اعظم محمد سعید صاحب نوری رضا اکادمی بمبئی کے سر پر باندھا۔ کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ اورجنل تحریر پہلی باران کے ذریعہ اہل اسلام تک پہونچ رہی ہے۔

اور اس سلسلہ میں جو بھی حقیر خدمت سراپا تقصیر راقم الحروف نے کی ہے۔ یا اللہ تو اس کا اجر وثواب اپنی رحمت کے حساب سے دے اور یہ ثواب میرے مربی کریم حضور احسن العلماء سیدی مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی رحمۃ اللہ علیہ اور میرے استاذ کریم اور مرشد گرامی حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پہونچا۔ فقط۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس موقعہ پر حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب اور حضرت مولانا آل مصطفےٰ صاحب اور مولانا ممتاز احمد صاحب کا نام نہ لیں۔ اول الذکر نے ریاضی سے متعلق تحریر کا ترجمہ فرمایا اور بقیہ دو حضرات نے تصحیح اور تقابل میں مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ بالخصوص حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اشرفیہ مبارکپور جو اس پورے سفر میں قدم بہ قدم میرے ساتھ رہے۔

عبد المنان اعظمی
جامعہ شمس العلوم گھوسی۔ مئو

ضمیمہ

مکتوب (۱۹)

بنام نواب سید سردار علی صاحب بہادر حیدر آباد دکن، مرسلہ ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ

اب تھوڑا سا حال محمد میاں سلمہ کے رسالہ شایع کرنے کی ضرورت کا تحریر کرتا ہوں۔
دیدبہ سکندری رامپور میں یہ مسئلہ طبع ہو کر مارہرہ پہونچا۔ مہدی حسن نے اول دیکھا مجھے نماز جمعہ کے وقت دکھا کر کہا گیا کہ مسئلہ بہت مدلل معلوم ہوتا ہے ہم اپنی مسجد میں اس پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔ میں نے بھی دیکھا واقعی استناد کے ساتھ تھا میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا جب کتابیں دیکھ لوں گا کہوں گا مگر میں بادی اس وقت نہیں ہو سکتا اگر آپ لوگ شروع کراتے ہیں تو میں مانع بھی نہیں ہوں بہرحال اس جمعہ کو اذان فصیل مسجد پر ہوئی۔ اس کے بعد میں نے اور محمد میاں سلمہ نے کھر پڑ کر جہانتک اپنا علم اور فہم تھا۔ اس حد تک اس مسئلہ کی تنقید کی بالکل صحیح معلوم ہوا اس کے بعد سے برابر مسجد خانقاہ برکاتیہ میں سرکار کلاں و خورد میں اذان جمعہ بیرون مسجد ہونے لگی۔ اس کے بعد وہابیان بریلی اور کانپور وغیرہ کے اور بعض رامپوریوں کے رسائل وغیرہ اس فتوے کے خلاف میں آئے مگر بالکل نامضبوط باتوں سے بھرے ہوئے اصلاً کوئی مضبوط استناد ان میں نہ تھا ان کے دیکھنے سے زیادہ تر وثوق فتوائے اذان بیرون مسجد پر ہوا بہرحال ہماری مسجد میں اذان باہر ہی ہوتی رہی یہاں تک کہ عرس شریف اخی الاعظم حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ کا وقت آیا اور اس میں بغرض شرکت مولانا حامد المقتدر صاحب معہ اپنے اعزہ مولوی عبدالقدیر صاحب و مولوی عبدالماجد اور محب احمد صاحب اور

ان کے صاحبزادے وغیرہ صاحبان متوسلان مدرسہ عالیہ قادریہ آئے اور مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی آئے ۔ مولانا عبدالمقتدر صاحب مع اپنے بعض ہمراہیوں کے فقیر کے تکیہ پر مقیم ہوئے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب مہدی حسن کے مکان پر مقیم ہوئے ایام قیام میں ایک روز مولوی محب احمد نے تذکرہ اس مسئلہ کا چھیڑا جناب مولانا صاحب بھی تشریف فرما ہیں میں نے فہم ناقص کے موافق جواب دیئے۔ برخوردار محمد میاں سلمہ بھی آگیا اس نے بھی جواب دیئے۔ ہمارے جواب لاجواب دیکھ کر مولوی محب احمد نے اپنی تقریر کا رخ بدل کر ایسے کلام کیے، جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیں کچھ بیجا ذاتی طرفدار مولوی احمد رضا خاں صاحب کا جانتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ خوب سمجھ لیں کہ مراسم محبت و مروت اور تعلیم اور تعلم و قدامت رشتہ توسل جو فقیر کو حضرات اکابر مدرسہ قادریہ کے ساتھ ہے اس کا عشر عشیر مولوی احمد رضا خاں صاحب سے نہیں اور نہ ہوسکتا ہے بلکہ معاملات دنیاوی ہیں تو مولوی احمد رضا خاں صاحب ہمارے اعزہ مخالفین کے ساتھ ہیں۔ مگر یہ معاملہ دینی ہے اگر ہمارا جانی دشمن بھی دین کے امر میں حق پر ہوگا تو ہم کیا بلکہ سب سچے مسلمان اس کے ساتھ ہوں گے۔ بفضلہ تعالیٰ یہاں اس وقت سب پڑھے لکھے ہوئے صاحبوں کا مجمع ہے۔ ہمیں اقوال مفسرین و محدثین و فقہا سے اس مسئلہ کو اپنا سا سمجھا دیجئے۔ ہم پھر مسجد کے اندر اذان دلوانے لگیں گے۔ اور بہتر تو یہ ہے کہ اس وقت آپ دونوں طرف کے صاحب یہاں تشریف فرما ہیں۔ اور اپنے آپ کو اس آستانہ کا خادم متوسل سمجھتے ہیں اور ہم سب آپ دونوں کو اپنے خاندان کا رکن رکین سمجھتے ہیں۔ دونوں طرف والے بالمواجہہ بیٹھ کر اس مسئلہ کو صاف کرلیں مگر محب احمد صاحب اور ان کے صاحبزادہ وغیرہم نے اس میں طرح طرح کی گریزانہ گفتگو کرکے مولانا صاحب کو اس پر نہ آنے دیا۔ میں نے مولانا صاحب سے کہا کہ آپ ان سے اگر بالمواجہہ کلام فرمانا نہیں چاہتے تو اپنا مسئلہ آپ ہم ہی کو سمجھا دیں اس کے مستند دلائل بتا دیں تو ہم جا کر مولانا احمد رضا خاں صاحب

سے کہیں کہ آپ اپنی رائے کو واپس لینے کا اظہار کیجئے۔ اور اگر وہ جواب مدلل دیں تو آپ سے عرض کریں آپ مان لیں اس پر بھی لوگوں نے مولانا صاحب کو نہ آنے دیا مولانا صاحب نے فرمایا کہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا تکدر بڑھے گا میں نے کہا کہ اس سے ضرور اس قدر فائدہ ہوگا کہ اگر وہ خواہ مخواہ آپ کے دلائل نہ مانیں گے تو لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ برخلاف انصاف ہیں۔ اور کم از کم فائدہ یہ ہوگا کہ ہم لوگ تو مسئلہ کی حقانیت سمجھ جائیں گے مگر مولانا صاحب نے کچھ توجہ نہ کی اس مسئلہ کا ذکر ہی چھوڑ کر اور باتیں ہوتے لگیں اس کے بعد مولانا صاحب کئی روز یہاں تشریف رکھتے رہے مگر تصفیہ پر آمادہ نہ ہوئے یہاں سے تشریف لیجانے پر چند روز کے بعد ایک فتویٰ مولوی ابراہیم کی جانب سے شائع ہوا جس کے مصدقین میں مولانا صاحب بھی تھے اس میں یہ لکھا تھا کہ صاحبزادگان مارہرہ کے کہنے کے بموجب تحریر ہوا اس فتوے میں بھی بالکل دلائل مضبوط نہ تھے وہی تھے جو وہابیان بریلی وغیرہ یا مخالفان رامپور وغیرہ نے لکھے تھے اور جن کا رد اہل تحقیق نے بہت واضح اور لائح کر دیا تھا مگر اس فتویٰ کا جواب نہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھا اور نہ ہم لوگوں نے کچھ عرض کیا[1] کہ ہم نے جو عرض کیا تھا وہ کب مانا گیا ہم نے فتویٰ تحریر کرنے کو کب کہا تھا اور فتویٰ بھی ایسا کہ جو ہمارے مدرسہ عالیہ کی شان علمی کی بالکل لائق نہیں ہے۔ اس خاموشی پر لحاظ نہ کرکے پھر دوسرا اشتہار صاحبان مدرسہ نے لکھا تیسرا رد لکھوایا مگر ہم لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوئی مولوی احمد رضا خاں صاحب کی طرف سے تیسرے رد کے بعد رد و جواب ہوا جو مارہرہ میں حضرت

۱۔ صرف فقیر راقم نے ایک خط اس فتویٰ کے لکھنے والے مفتی صاحب کو لکھا تھا جس میں یہ امر ان کو دکھایا گیا تھا کہ ہم نے کس چیز کا اصرار کیا تھا اور اس کو آپ نے کس حد تک مانا پھر خواہ مخواہ اس کی تحریر و اشاعت کا باعث ہمیں کیوں بتایا جاتا ہے۔ اس سے زائد اسی فتویٰ کا رد و جواب کچھ نہیں لکھا تھا۔ محمد میاں

بھائی صاحب قدس سرہ کے عرس ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوا مولانا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عرس میں نہ تھے ہم لوگوں نے اس سے کوئی حصہ نہیں لیا کہ دونوں صاحب جانیں اور سمجھیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب والے اس اشتہار کا جواب مولوی عبدالماجد صاحب نے عرس ہی میں قلمی عبدالواحد کے نام لکھا جس کو غلام شبر صاحب فقیر کے پاس لائے میں نے اسے دیکھا اور غلام شبر صاحب سے کہا کہ اس میں جواب تو کسی مسئلہ کا ہے نہیں صرف مولوی احمد رضا خاں صاحب کو سب وشتم ہے میری رائے میں تو اس کا اس قدر جلد اور بے سوچے شائع کرنا نہیں چاہیئے بلکہ بجائے اس کے یہ ہونا چاہیئے کہ آپس میں جو ذاتی کوئی رنج ہو وہ صاف کرلیا جائے اور مسئلہ کو بھی بلا نفسانیت کے بعد دیگرے صاف کرلیں تو بہت اچھا ہے۔ غلام شبر صاحب نے بھی میری اس رائے کی پسندیدگی ظاہر کی اور کہا کہ اچھا ابھی شائع نہ ہوگا میں نے یہ بھی کہا کہ اگر شائع بھی ہو تو اس میں یہ فقرہ نہ ہو کہ جس کا مفہوم اور محصل یہ ہے کہ صاحبزادوں میں سے جو اس مسئلہ میں اس پر ہیں۔ کہ اذان مسجد سے باہر ہو وہ فریب اور چکر میں ہیں۔ کیونکہ جب یہ ہوگا تو ہمیں بھی ضرور لکھنا ہوگا۔ کہ ہم فریب اور چکر میں نہیں بلکہ ہمیں تحقیقات علمائے سلف اور محققین مذہب کے اتباع سے یہ مسئلہ اسی طرح سے حق معلوم ہوتا ہے۔ غلام شبر صاحب وعدہ عدم اشاعت کرکے چلے گئے مگر بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اشتہار قلمی لکھوا کر شائع کر دیا گیا اور ایک درگاہ معلی کے بڑے دروازہ خانقاہ پر چپکا دیا گیا۔ اس اشتہار کو جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو چوٹ اپنے مخدوم زادوں پر کی گئی تھی۔ وہ بدستور ہے عبدالماجد صاحب تو ملے نہیں، کیونکہ وہ موافق اپنے بزرگوں کے طریقہ کے صاحبان سرکار خورد سے مراسم بہت زیادہ رکھتے ہیں اور انھیں سے ان کو دلچسپی ہے مگر جو صاحب ملے ان سے کہا گیا کہ عبدالماجد صاحب نے بیکار ہم فقیروں کو بھی اپنے خلاف کچھ لکھنے پر مجبور کیا اور باوجود منع کرنے کے ہم پر چوٹ کی کہ جس سے عوام کی نظر میں ہمارا فریب اور چکر میں پھنسا ہونا ظاہر ہوتا ہے لہٰذا وہ دلائل کہ جن سے ہم اس

مسئلہ کو حق جانتے ہیں۔ لکھ کر پیش کرنا پڑیں گے۔ بہ سبب محمد میاں کے رسالہ لکھنے کا ہوا اور ہنوز محمد میاں سلمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ مکمل نہیں لکھ دیا تھا کہ بدایوں اپنے خسر کے طلبید مگئے مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں بھی اس کا ذکر آیا محمد میاں سلمہ نے بمواجہہ مولانا صاحب و مولوی عبدالقدیر صاحب و دیگر صاحبان مدرسہ کہا کہ آپ سب صاحب اس مسئلہ کو مجھے سمجھادیں۔ جو حق ہوگا وہ بلا نفسانیت مان لوں گا مگر کسی صاحب نے کچھ مسکن جواب نہ دیا اور واقعی یہ ہے کہ یہ مسئلہ از روئے تحقیق بھی یہی ہے کہ اذان خارجِ مسجد ہو اگر حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ اس وقت پردہ فرمائے ہوئے ہماری ظاہری نظروں سے نہ ہوتے تو اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی دلیلوں سے ثابت فرمادیتے کہ اذان مسجد کے باہر ہی چاہئے محمد میاں سلمہٗ نے بعد واپسی بدایوں رسالہ کی تکمیل کی اور طبع کراکر مولانا صاحب کی خدمت میں جو اپنی تحقیقات تھی بھیج دی اس رسالہ کا نام مبحث الاذان ہے اگر آپ کے پاس ہو تو اس کو دیکھئے کہ اول سے آخر تک جناب مولانا صاحب کی کہیں خدانخواستہ توہین یا اہانت ہے بلکہ مولانا صاحب سے تو رد میں خطاب بھی نہیں۔ عبدالواحد وغیرہ سے بکمال تہذیب ان کے استدلالات کے ضعف اور اپنے دلائل کی قوت بیان کی ہے یہ رسالہ مولانا صاحب کی خدمت میں چار ماہ قبل از وصال پہونچایا گیا تھا۔ مولانا صاحب نے اس کو دیکھا مگر کسی طرح کا اپنا تکدر و ملال ہم پر ظاہر نہیں کیا یہاں تک کہ مولانا صاحب کا انتقال ہوا جس کے بعد مولوی عبدالماجد نے چند اور صاحبوں کی کوشش مجموعی کے ساتھ اس کا جواب تصنیف فرمایا جو ایک مکی کے طالب علم عبدالواحد کے نام سے چھپا اور اس میں کلمات خلاف تہذیب اور شان اپنے پیرزادوں کے تحریر فرمائے ہیں اس کا گلہ نہیں۔ ہاں ان کا یہ رسالہ اگر ان کے والد ماجد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر ان کے جد الامجد اور حضرت مولانا مولوی عبدالمجید صاحب قدست اسرارہم دیکھتے اور حیات ظاہری میں دنیا میں تشریف فرما ہوتے۔

توعبدالماجد صاحب کو معلوم ہوتا کہ وہ حضرات مدرسہ کے لڑکوں کے نام سے اپنے پیرزادوں کو ایسا سب وشتم کرنے سے راضی ہیں یا ناراض اور اب بھی جس کی چشم بینا ہے وہ رضامندی اور ناراضی ان حضرات کی معلوم کر سکتا ہے ۔ آپ مبحث الاذان اور اس کا یہ جواب مباحث الاذان دونوں دیکھئے اور اگر پاس نہ ہوں تو مجھ سے منگوا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ محمد میاں سلمہ نے صرف ایک فرعی مسئلہ میں دلائل اپنے مضبوط پا کر اس مسئلہ کو غیر مضبوط سمجھنے والوں اور اسے فریب و چکر میں پھنسا ہوا بنانے والوں کو نہایت تہذیب سے سمجھایا ہے ۔

(اہلسنت کی آواز جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ)

بسم الله الرحمٰن الرحیم ؛ نحمده و نصلی علٰی رسوله الکریم

اٰذان من الله الحق المبین ؛ انِ الحمد لله رب العٰلمین ؛ و افضل

الصلوات واعلی التسلیمات علیٰ من اذن باسمه الکریم فی اطباق السمٰوات

والارضین ؛ وسیؤذن بحمده العظیم، ووصفه الفخیم علیٰ رؤس الاولین

والاٰخرین ؛ یوم الدین ؛ وعلیٰ اٰله وصحبه وابنه الکریم الغوث الاعظم

وسائر حزبه اجمعین ؛ آمین ؛ وبعدُ ؛

فهذه سطور ان عدّت یسیرة و بیزة ، وفیها علوم ان شاء الله

عزیزة عزیزة فی بیان ما هو السنة فی اذان الخطبة یوم الجمعة سمیتها

« شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر » والغرض بیان ما ظهر

من حقائق زبر الحدیث الجلی والفقه الحنفی معروضة علی ساداتنا علماء

اهل السنة فی بلاد الاسلام للاستعانة بهم فی احیاء سنة نبینا الکریم

علیه واٰله افضل الصلاة والتسلیم۔

والعبد الذلیل عائذ بجلال وجه ربّه الجلیل، وجمال مُحَیّا

حبیبه الجمیل علیه وعلیٰ اٰله الصلوٰت بالتبجیل، من کل عین لا تنظر

بالانصاف وتقوم بالخلاف علی قدم الاعتساف فضلاً عمن یخلد فی ارض

اتباع الرواج ، وتقدّمه علی سنة صاحب التاج والمعراج صلی الله

تعالیٰ علیه وسلم ؛ وعلیٰ اٰله وصحبه و شرّف وکرّم ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم

يقول العبد المستعين بربه العظيم وهو نعم المعين ؛ ثم بحبيبه الكريم وهو نعم الامين ؛ صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم وعلىٰ آله وصحبه اجمعين حامدًا ومسلّمًا ومشهدًا ومصلّيًا۔

قد علمتم يا سادتی و اخوتی رحمنا الله تعالىٰ وايّاكم ؛ وبالسّلامة حيّانا وحيّاكم ؛ إنّ خير الحديث كتابُ الله وخير الهَدْيِ هَدْيُ محمد صلىّ الله تعالىٰ عليه وسلم۔ وشر الامور محدثاتها ؛ وان المعروف معروف وان صار منكرا، والمنكر منكر وان صار معروفًا۔ فلربّما يحدث حدث ويشيع وينكر عليه بدء فيضيعُ اِمّا لامر الامارة او نفوس أمّارة۔

والعالم يقول الهوى متبع والقول لا يسمع وقد قضيت ماعَلَيَّ ؛ فان سَكَتُّ فلا عَلَيَّ ؛ فيدع، فلا يدعو، فالمنكر يربو ويفشو۔

وتنشؤ الصغار، فتقتفی الكبار، فيظنُّ متوارثا۔ وما كان الا حادثًا، وآيةُ ذلك كونه على خلاف السنة المروية، و منافاة الخصلة المرضية ومع ذلك اذا فتشته فی الصدر الاول، والقرون

الاول لم ترله اثرًا۔

وان سألتَ متیٰ حدث، ومن احدث لم تجد به خُبرًا فيجعل الناس لعدم العلم بمبدئه علمًا بعدمه وعَلَمًا على قدمه، وما اليه سبيل، مع خلاف الدليل، وانما تحكيم الحال عند الاحتمال والافالحادث لاقرب اوقاته۔ ولغفلة الناس عن هذا البناية تفوه الأَلسِنَة أنه السُّنَّة، وتصير النفوس اليه مطمئنه وعند ذلك يكون المعروف منكرًا والمنكرُ معروفًا۔ كما في حديث[1] عن المصطفیٰ صلى الله تعالیٰ عليه وسلم۔ ويكذب الصادق ويصدق الكاذب كما قد صح[2] عن سيد الاطائب صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فمن القی عليهم السُّنَّة فكانما يحول جبلة اويحاول جبلا اويبتدع حكما من عنده قبلاً۔

---

(۱) رواه ابن عساكر عن محمد بن الحنفية والسعودی عن النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم ۱۲ منه.

(۲) رواه ابن أبي الدنيا والطبرانی فی الكبير وأبوبكر السجزي فی الابانة وابن عساكر فی تاريخ دمشق عن أبی موسیٰ الأشعري رضی الله تعالیٰ عنه بسند لابأس به، والطبرانی فيه والحاكم فی الكنی وابن عساكر عن عوف بن مالك الاشجعی والطبرانی فيه والبيهقی فی البعث وابن النجار عن ابن مسعود، والطبرانی فيه عن ام المومنين ام سلمه ونعيم ابن حماد فی الفتن عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنهم ولفظة حديث ام المومنين ليأتين على الناس زمانٌ يكذب فيه الصادق ويصدق فيه الكاذب۔ الحديث وهو قطعة أحاديث عندهم جميعا ۱۲ منه

وان القلب اذا امتلأ بشئ لم يكد يقبل غيره لداب مستمر ؛

فان قرأ لم يجاوز التراقی أو سمع لم يجاوز الأذن وما بهذا أمر

وانما قال له ربه وقوله الحق ووعده الصدق۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔

فالسبيل الاستماع ثم الإنتقاء ثم الاتباع. لا ان يقنع ولايسمع، أو يكون من اللذين سمعوا وهم لايسمعون۔ فهم بالقرآن لاينتفعون۔

وانما النفع لمن كان له قلبٌ مُرِيدٌ أو القى السمع وهو شهيدٌ۔ فعليك يا اخى القاء السمع وانقاء القلب عن الجزم اولابايجاب اوسلب رجاء ان تجد حقا فتذعن فان الحكمة ضالّة المومن فتدخل اذ ذاك فی بشارة مولاك والله يتولى هداى وهداك۔

ولنجمل اولاً ما وجده الفقير فی هذه المسألة من الحديث الكريم والفقه القويم، بل ومن القرآن العظيم، ثم نُفصِّله تفصيلا باذن الفتاح العليم۔

لان التفصيل بعد الاجمال اوقع فی النفس وأ قمعُ للتخمين والحدث ؛ ولا اريد كلّ التفصيل لما بدا ؛

فان المسئلة تحتمل مجلّداً ؛ ولكن ما قلّ وكفى، خيرٌ مما كثر والهٰى۔ قاله[1] النبی المصطفىٰ صلى الله عليه وعلىٰ آله افضل الصلوٰة والثناء۔

---

[1] رواه أبويعلى والضياء المقدسی فی المختارة عن أبی سعيد الخدری رضی الله تعالىٰ عنه۔١٢منه

فاقول وبہ استعین : أرشدنا الحدیث الصحیحُ الّذی رواہ ابوداؤد فی سننه وامام الائمة ابن خزیمة فی صحیحہ۔ والامام ابوقاسم الطبرانی فی معجمہ الکبیر ان السّنة فی هذ االاذان ان یکون بین یدی الامام اذاجلس علی المنبر فی حدود المسجد لافی جوفہ هکذا کان یفعل علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وعهد صاحبیہ أبی بکروعمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما۔

ولم یاتنا عن احد من الخلفاء الراشدین وغیرهم من الصحابة والتابعین والائمة المجتهدین رضوان اللہ تعالیٰ علیهم اجمعین تصریح قطّ ۔ بخلاف ذلك وما کان لهم ان یقولوا والعیاذ باللہ ترك ماهنالك۔

وقد اعتمد هذ االحدیث کبار المفسّرین فی تفسیر الکریمة " إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ ۔ کالزمخشری فی الکشاف، والامام الرازی فی مفاتیح الغیب، والخازن فی لباب التاویل والنیسابوری فی رغائب الفرقان، والخطیب والجمل وغیرهم واوردہ الامام الشعرانی فی "کشف الغُمّة عن جمیع الامة " کما سیأتیك نصوصهم انشاء اللہ تعالیٰ ۔

ثم تظافرت کلمات علمائنا فی الکتب المعتمدة علی النهی عن الاذان فی المسجد وانہ مکروہ۔ نص علیه الامام فقیہ النفس فی الخانیة، والامام البخاری فی الخلاصة ، والامام الاسبیجابی فی شرح الطحاوی والامام الاتقانی فی غایة البیان، والامام العینی

فی البنایة ، والامام المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر۔ والامام الزندوستی فی النظم۔ والامام السمعانی فی خزانة المفتیین، ومختار الزاهدی فی المجتبیٰ، والمحقق زین بن نجیم فی البحر الرائق ، والمحقق ابراهیم الحلبی فی الغُنیة والبرجندی فی شرح النقایة، والقهستانی فی جامع الرموز، والسید الطحطاوی علی مراقی الفلاح۔

واصحاب الفتاوی العالمگیریة، والفتاوی التاتارخانیة ومجمع البرکات، ولم یستثنوا منه فصلا، ویلموا بتخصیص اصلا، والهجوم علی تخصیص النصوص من دون خصوص ، فهم مقصوص بل وهم مرصوص۔

ثم۔ ولنا القرآن العظیم والاحادیث والشاهد المطبق علیه فی القدیم والحدیث ان التاذین فی جوف المسجد اساءة ادب بالحضرة الالٰهیة

ثم۔ هو خلاف ماشرع له الاذان۔

ثم۔ لیس علیه من حدیث ولا فقه دلیل ولا برهان ولا یعارض العلامة الحکم ولا الاشارة العبارة ولا المحتمل الصریح ولا المجاز الحقیقة۔

ثم۔ هو علی حاله هذا وان شاع فی زماننا فی بعض الاصقاع لم ینعقد قط علیه الاجماع ولا علیه تعامل فی جمیع البقاع۔ ولا هو متوارث من الصدر الاول۔ فمثل هذا لا یحتمل ولا یقبل والمنکر لا یصیر معروفا وان فشا۔ ولا الحادث قدیمًا وان لم نعلم متیٰ نشا۔

ویا سادتنا علماء السنة انتم المدخرون لاحیاء السنة وقد ندبکم الی ذلک نبیکم صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی غیر ما[1] حدیث ووعد[2] تم

(1) الترمذی عن بلال وابن ماجة عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنهما

علیه اجر مائة شہید۔ وان[3] تکونوا بہ مع نبیکم فی دار المزید۔

وانما تحیی اذا امیتت وانما تموت اذا ترک الناس العمل بہا وسکت عنہا علماؤھم لما قد مرّ او شبّہ لہم، فلمن احیا لاحقاً اجرہ و لمن سکت سابقاً عذرہ علی ذلک مضی امر احیاء السنن و تجدید الدین من سالف الزمن الی ھذا الحین فالاستناد فی مثلہ بعمل الناس وعادتہم اوسکوتِ من سلف قریباً من سادتہم او زعم انہ یلحقہم بذلک شین مع جلالتہم، کل ذلک جہل واضح ووھم فاضح۔ وسد لباب احیاء السنة مع انہ مفتوح بید المصطفیٰ سید الانس والجن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وموعود علیہ عظیم المنة۔

وا ما تفصیلہ کل ما اجملت ھنا ففی شمائم زاکیات، فی کل شمامة نفحات طیبات وعلیٰ حبیبنا و اٰلہ الطیب الصلوٰة وانمی التحیات۔

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من أحیا من سُنّتی قد اُمیتت بعدی فإنّ لہ من الاجر مثل اجور من عمل بہا من غیر أن ینقص من اجورھم شیئاً ۱۲ منہ

(۲) البیہقی فی الزھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: قال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من تمسک بسنتی عند فساد اُمتی فلہ اجر مائة شہید ۔ ۱۲ منہ

(۳) السجزی فی الابانة عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: من أحیا سنتی فقد احبنی ومن أحبنی کان معی فی الجنة، ورواہ الترمذی بلفظ من أحب، اللّٰھم ارزقنا، آمین ۱۲ منہ

أَلشَّمَامَةِ الأُولٰى مِنْ عَنبَرِ الحَدِيثِ

نفحہ ۱ ۔ أنبا نا شيخنا العلامة الامام شيخ العلماء بالبلد الكرام السيد احمد بن زين بن دحلان المكى قدس سره الملكي بمكة مكرمة سنہ ۱۲۹۶ عن الشيخ عثمان بن حسن الامياطى الازهري عن الشيخ محمد الامير المالكى والشيخ عبد الله الشرقاوى، الشافعى الازهريين ۔

ح : وأنبانا المولى المفتى العلامة عبد الرحمٰن السراج مفتى البلد الحرام فى ذى الحجة سنہ ۱۲۹۵ عن مفتيها المولى جمال بن عبد الله بن عمر ۔

ح : وانبانا عاليًا بدرجة السيّد حسين بن صالح جمل الليل المكى ببيته عند باب الصفا فى ذى الحجة سنہ ۱۲۹۵ كلاهما عن الشيخ عابد السندى المدنى عن الشيخ صالح الغلانى والسيد عبد الرحمٰن بن سليمان الاهدل ويوسف بن محمد المزجاجى والسيد بن احمد وقاسم امينى سليمان وعمّه محمّد حسين الانصارى ۔

ح : وانبانا شيخنا السيّد الامام العارف بالله الشاه آل الرسول الاحمدى فى جمادى الاولى سنہ ۱۲۹۴ عن الشاه عبد العزيز الدهلوى عن ابيه الشاه ولى الله الدهلوى عن الشيخ ابى طاهر بن

ابراهیم الکردی المدنی ۔

ح : وغیرھم من مشایخنا رحمھم اللّٰہ تعالیٰ جمیعا باسانیدھم المعروفۃ الیٰ ابی داؤد فی سننہ قال ۔

حدثنا النفیلی، نا محمد بن سلمۃ عن محمّد بن اسحٰق عن الزہری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ،کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔

ھذا حدیث حسن صحیح ، محمد بن اسحٰق ثقۃ صدوق امام قال شعبۃ وابوزرعۃ والذہبی وابن حجر صدوق ۔ وقال الامام ابن المبارک ۔

انا وجدناہ صدوقا ، انا وجدنا صدوقا ، انا وجدناہ صدوقًا ۔

تلمذ لہ ائمۃ اجلاء کابن المبارک وشعبۃ وسفیٰن الثوری وابن عیینۃ ۔ والامام ابی یوسف واکثر عنہ فی کتاب الخراج لہ ۔

وقال ابوزرعۃ الدمشقی اجمع الکبراء من اھل العلم علی الاخذ عنہ قال ۔

وقد اختبرہ اہل الحدیث فروأ احدوقا وخیرا ۔ وقال ابن عدی لم یتخلف فی الروایۃ عنہ الثقات والائمۃ ولاباس بہ وقال علی بن المدینی مارایت احدا یتھم ابن اسحٰق وقال سفیٰن[1] بن عیینۃ

(۱) وبہ ظہر کذب من زعم الآن أن قد جرحہٗ سفیٰن بن عیینۃ ،حاشاہ بل

بقیہ صفحہ پر

جالستُ ابن اسحٰق منذ بضع سنين و سبعين سنة وما يتهمه احد من اهل المدينة ولا يقول فيه شيئا۔

وقال ابو معاوية كان اسحٰق من احفظ الناس وقال الامام الليث بن سعد لا اثبت فی يزيد بن ابی حبيب من محمّد بن اسحٰق۔

قلت ۔ و يزيد هذا كما قال ابن يونس روى عنه الاكابر من اهل مصر۔

قلتُ ۔ كعمرو بن الحارث، وحيوة بن شريح وسعيد بن ابی ايوب والليث بن سعد نفسه كلهم ثقات، أثبات، أجلّاء، ويحیٰی بن ايوب الغافقی صدوق ۔ خمستهم من رجال الشيخين و عبد الله بن لهيعة

قد تلمّذ وذبّ عنه وقال رأيت الزهری: قال لمحمد بن اسحٰق: أين كنت؟ فقال هل يصل إليك أحدٌ فدعا حاجبَه وقال: لا تحجبه، وقال أيضا: قال ابن شهاب: وسئل عن مغازيه فقال: هذا أعلمُ الناس بها، وقال ابن المدينی: قلت لسفيان: كان ابن اسحٰق جالس فاطمة بنت منذر، فقال أخبرنی ابن اسحٰق أنها حدثته وأنه دخل عليها، وقال ابن عُيينة أيضا: سمعتُ شعبة يقول: محمد بن اسحاق امير المومنين فی الحديث — فهذا ما جرحَه به سفيان نعم! ذكر أن الناس اتهموه بالقدر ولو كان هذا جرحًا فما أكثر المجروحين فی الصحيحين، الا ترى انه كان يسمع هذا ثم لا يترك مجالسة ابن اسحاق ولا الأخذ منه، هل ليس منه ما يدل على تقديمه الناس فی هذا الحكم من تهمة لا اصل لها، وسياتی كلام ابن منير - ۱۲ منه

صدوق، حسن الحديث على ما استقر الأمر عليه وعبد الله بن عياش كلاهما من رجال مسلم ومن غيرهم سليمان التيمی البصری وزيد بن أبي انيسة ثقتان من رجال الصحيحين وعبد الحميد بن جعفر المدنی الصدوق من رجال مسلم وآخرون كثيرون۔ ففي هذا تفضيل لابن اسحٰق عليهم جميعا ۔ وقال الامام شعبة :

لوكان لی سلطان لامرت ابن اسحٰق على المحدثين وقال ايضاً محمد ابن اسحٰق امير المؤمنين فی الحديث۔ وفی رواية عنه، قيل له لم قال لحفظه ۔ وفی اُخرٰی لوسوّد احد فی الحديث لسوِد محمد بن اسحٰق وقال على بن المدينی مدار حديث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على ستة فذكرهم ثم قال۔

فصار علم الستة عند اثنی عشر فذكر ابن اسحٰق فيهم۔ وقال الامام الزهری لايزال بالمدينة علم جم ما كان فيها ابن اسحٰق، وقد كان يتلقف المغازی من ابن اسحٰق مع انه شيخه وشيخ الدنيا فی الحديث وقال شيخه الآخر عاصم بن عمر بن قتادة لايزال فی الناس علم مابقی ابن اسحٰق ۔

وقال عبد الله بن فائد كنا نجلس الى ابن اسحٰق فاذا اخذ فی فن من العلم ذهب المجلس بذلك الفن۔

وقال ابن حبان لم يكن احد بالمدينة يقاربُ ابن اسحٰق فی علمه ولا يوازيه فی جمعه وهو من احسن الناس سياقا للاخبار۔

وقال ابويعلى الخليلی محمد بن اسحٰق عالم كبير واسع الرواية

والعلم، ثقة ۔ وکذلک قال یحیی بن معین و یحیی بن یحیٰی وعلی بن عبداللہ (ھو ابن المدینی شیخ البخاری) واحمد العجلی ومحمد بن سعد وغیرھم ان محمد بن اسحٰق ثقة ۔

وقال ابن البرقی لم ارا اھل الحدیث یختلفون فی ثقتہ وحسن حدیثہ

وقال الحاکم عن البوشیخی شیخ البخاری ھو عندنا ثقة ۔ ثقة ۔

وقال المحقق فی فتح القدیر، اما ابن اسحٰق فثقة ثقة لا شبھة عندنا فی ذلک ولا عند محققی المحدثین ۔

وقال ایضا توثیق محمد بن اسحٰق ھو الحق الابلج و ما نقل عن کلام مالک فیہ لایثبت ولو صح لم یقبلہ اھل العلم الخ ۔

وقد اطال الامام البخاری فی توثیقہ فی جزء القراءۃ ولم یوردہ فی الضعفاء لہ وانکر صحة مایذکر فیہ من کلام مالک ونقل عن علی مایشعر بانکار صحتہ ماعن ھشام ۔ وقد بینا وجھہ فی تحریراتنا الحدیثیۃ واوردہ ولدی المولوی مصطفیٰ رضاخاں حفظہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ: وقایۃ اھل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنۃ، صنفہ فی الرد علی وھابیۃ دیوبند اذخالفوانی فی ھذہ المسألۃ ۔

وھم الذین حکم سادا تنا علماء الحرمین الشریفین جمیعا بکفرھم وارتدادھم وان من شک فی کفرھم وعذابھم فقد کفر لسبھم اللہ رب العلمین ومحمدا سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی جمیع النبیین ۔

ثم اجاب عنہ البخاری فاجاد واصاب وقد قال فیما قال ولم ینج

کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیہم نحو ما یذکرہ عن ابراهیم من کلامہ فی الشعبی وکلام الشعبی فی عکرمۃ ولم یلتفت اهل العلم فی هذا النحو الا ببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتهم الا ببرهان وحجۃ اھ

وحسن الامام احمد ویحیی بن معین ومحمد بن عبد اللہ بن نمیر ومحمد بن یحیی کلهم شیوخ البخاری ، وابوداؤد والمنذری، والذهبی حدیثہ وعدہ الامام الذهبی ثم السیوطی فی اعلی مراتب الحسن ۔ قال فی التدریب الحسن ایضا علی مراتب کالصحیح ۔ قال الذهبی فاعلی مراتبہ بهز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ وعمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وابن اسحٰق عن التیمی وامثال ذالک مما قیل انہ صحیح وهو ادنی مراتب الصحیح اھ ۔

وصححہ ابن المدینی والترمذی وابن خزیمۃ والامام الطحاوی وقد حسن الدارقطنی بعض ماتفرد بہ ابن اسحٰق وصححہ الحاکم[۱]

---

(۱) اورد فی السنن حدیث احمد بن خالد عن ابن اسحاق عن مکحول عن محمد بن لبیب عن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی القراءۃ خلف الإمام وقال، قال علی بن عمر هذا اسناد حسنٌ واقرہ البیهقی وروی فی باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رجلاً قال: یارسول اللہ: أما السلام علیک فقد عرفناہ، فکیف نصلی علیک إذا نحن صلینا فی صلاتنا وقال: قال الدارقطنی: حسنٌ متصل، واقرہ البیهقی وقال ابن الترکمانی لا اعلم أحدًا روی هذا الحدیث بهذا اللفظ إلا محمد بن اسحٰق، وأوردہ أیضا فی باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی التشهد ثم حکی عن الحاکم تصحیحہ، ثم عن الدارقطنی تحسینہ و أقرهما۔ ۱۲ منہ

وقد تبعهما عليه البيهقی ، ووصفه المنذری والذهبی باحد الأئمة الاعلام وأنه صالح الحدیث ماله ذنب الا ما حشا فی السیرة من مناکیر ۔

واورده الحافظ العسقلانی فی طبقات المدلسین فیمن لم یضعف بشئ لاعیب علیه الا التدلیس ۔

وقال الامام النووی لیس فیه الا التدلیس وقال محمد بن عبد الله بن نمیر رمی بالقدر وکان ابعد الناس فیه ۔

وقال یعقوب بن شیبة سألت ابن المدینی عن ابن اسحٰق قال حدیثه عندی صحیح ، قلت وکلام مالک فیه ۔ قال مالک لم یجالسه ولم یعرفه ۔

وذکره ابن حبان فی ثقاته وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحٰق واصطلح معه وبعث الیه هدیة وقال مصعب الزبیری ودهیم وابن حبان لم یکن یقدح فیه لاجل الحدیث ۔

وقد تکفل بالجواب عنه الائمة احمد وابن المدینی والبخاری وابن حیان، والمزی ، والذهبی، والعسقلانی والمتقی حیث اطلق کما هو مفصل مع زیادات کثیرة فی کتاب ولدی المحفوظ بکرم الله تعالیٰ ۔ وقایة اهل السنة ولله الحمد والمنة ۔

نفحه (٢) :۔ من الجهل الوخیم رمیه بالرفض اغترارًا بقول التقریب رمی بالتشیع وما بین التشیع والرفض کما بین السماء والارض فربما اطلقوا التشیع علی تفضیل ۔ علی علی عثمٰن رضی الله تعالیٰ عنهما ۔

وهومذهب جماعة من ائمة اهل السنة لاسيما ائمة الكوفة قال صاحب التقريب نفسه فی ھدی الساری التشیع محبة علی وتقدیمه علی الصحابة فمن قدمه علی ابی بکر وعمر فهو غال فی تشیعه ويطلق عليه رافضی والا فشيعی فان انضاف الی ذلك السب او التصريح بالبغض فغال فی الرفض اھ وتمام تحقيقه فی تحزيرا تنا الحديثية ۔

وفی المقاصد۔ للعلامة التفتازانی الافضلية عندنا بترتيب الخلافة مع تردد ما فيما بين علی وعثمٰن رضی الله تعالیٰ عنهما ۔

وفی شرحها له قال اهل السنة الافضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمٰن ثم علی وقد مال بعض منهم الیٰ تفضيل علیّ علی عثمٰن رضی الله تعالیٰ عنهما ۔ والبعض الی التوقف فيما بينهما اھ وفی الصواعق للإمام ابن الحجر: جزم الكوفيون، منهم سفيان الثوری بتفضيل علیٍ علی عثمان، وقيل بالوقف علی التفاضل بينهما، وهو رواية عن مالك اھ ۔

وفی تهذيب التهذيب فی ترجمة الامام الاعمش كان فيه تشيع اھ وفی شرح الفقه الاکبر لعلی القاری روی عن ابی حنيفة تفضيل علی علی عثمٰن رضی الله تعالیٰ عنهما والصحيح ما عليه جمهور اهل السنة وهو ظاهر من قول ابی حنيفة رضی الله تعالیٰ عنه علی ما رتبه هنا وفق مراتب الخلافة اھ ۔

ثم لايذهب عنك الفرق بين شيعی ورمی بالتشيع وكم فی الصحيحين ممن رمی به وقد عدّ فی هدی الساری عشرين منهم فی مسانيد صحيح البخاری فضلاً عن تعليقاته، بل فيه مثل عباد بن يعقوب رافضی جلد۔

ثم الشبهة لا قيمة لها رأسا فكم فى الصحيحين ممن رمى بانواع البدع وقد تقرر عندهم ان المبتدع تقبل روايته اذا لم يكن داعية ۔

نفحہ (۳) :۔ اصل الحديث رويناه فى المسند بهذا السند ۔

حدثنا يعقوب حدثنا ابى عن ابن اسحٰق قال حدثنى محمد بن مسلم بن عبيد الله الزهرى عن السائب بن يزيد ابن اخت نمر فقد صرح بالسماع فلا عليك من عنعنته هنا، هذا اوجه ۔

وثانيا ۔ ابن اسحٰق كثير الرواية عن الزهرى والعنعنه عن مثل الشيخ تحمل على السماع ۔

قال الذهبى فى مثله متى قال " نا " فلا كلام ومتى قال " عن " تطرّق اليه احتمال التدليس الا فى شيوخ له اكثر عنهم ، فان روايته عن هذا الصنف محمولة على الاتصال اھ ۔

لاسيما ابن اسحٰق فقد عرف منه النزول فى اشياخ اكثر عنهم قال ابن المدينى حديث ابن اسحٰق ليستبيّن فيه الصدق هو من اروى الناس عن سالم بن ابى النضر وروى عن رجل عنه وهو من اروى الناس عن عمرو بن شعيب وروى عن رجل عن ايوب عنه اھ ۔

قلت ۔ وكذا هو من اروى الناس عن ابن شهاب وقد رويناه فى كتاب الخراج للامام ابى يوسف حدثنى محمد بن اسحٰق عن عبد السّلام عن الزهرى ۔

وثالثا ۔ هذا كله على طريقة هؤلاء المحدثين اما على اصولنا

معشر الحنفية والمالكية والحنبلية الجمهور فسؤال العنعنة ساقط عن راسه فان مبناه على شبهة الإرسال وحقيقته مقبولة عندنا وعند الجمهور فكيف بشبهته۔

قال الامام الجليل السيوطى فى التدريب فى عنعنة المدلس، قال جمهور من يقبل المراسيل تقبل مطلقاً اھ

وفيه عن الامام ابن جرير الطبرى اجمع التابعون باسرهم علٰى قبول المرسل ولم يأت عنهم انكاره ولا عن احد من الائمة بعدهم الى راس المأتين اھ۔

وفى صحيح مسلم وجامع الترمذى عن محمد بن سيرين التابعى قال لم يكونوا يسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم اھ۔

قلت: وهذا زيد بن اسلم الامام مولٰى امير المومنين الفاروق الذى كان الإمام الأجل زين العابدين يجلس إليه ويتخطأ مجالس قومه فقال له نافع ابن جبير ابن مطعم: تتخطاء مجالس قومك إلى عبد عمر بن الخطاب؟ فقال رضى الله تعالىٰ عنه: إنما يجلس الرجل إلىٰ من ينفعه فى دينه رواه البخارى فى تاريخه، زيد هذا احدث بحديث فقال له رجل عمن هذا، فقال يا ابن أخى: ما كنا نجالس السفهاء قال له العطاف بن الخالد۔ قلتُ: وقد اكثر الارسال ائمة التابعين سعيد بن المسيب والقاسم وسالم والحسن وابو العالية وابراهيم النخعى وعطاء بن ابى رباح ومجاهد وسعيد بن جبير وطاؤس والشعبى والاعمش والزهرى وقتادة

ومکحول وابواسحٰق السبیعی وابراهیم التیمی ویحیی بن الکثیر واسمٰعیل بن ابی خالد وعمرو بن دینار ومعٰویة بن قرة وزید بن اسلم وسلیمٰن التیمی۔

ثم الائمة مالک و محمد والسفیانان افتراهم فعلوہ لترد احادیثهم۔

وفی مسلم الثبوت وشرحه فواتح الرحموت : مرسل الصحابی یقبل مطلقا اتفاقا وان من غیرہ ۔ فالاکثر ومنهم الائمة الثلثة ابوحنیفة ومالک واحمد رضی الله تعالٰی عنهم یقبل مطلقا، والظاهریة وجمهور المحدثین الحادثین بعد المأتین لا اھ

وفی فصول البدائع للعلامة مولٰی خسرو طعن المحدثین بمالایصلح جرحا لایقبل کالطعن بالتدلیس فی العنعنة فانها توهم شبهة الارسال وحقیقة لیست بجرح اھ

قلت ۔ وروی ابوداؤد عن عبد الله بن حنظلة بن ابی عامر ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم امر بالوضوء عند کل صلٰوة فلما شق ذالک علیه امر بالسواک لکل صلٰوة، فیه ایضا۔ ابن اسحٰق و قد عنعن ومع ذلک ۔

قال الشامی فی سیرته اسنادہ جید و فیه اختلاف لایضر اھ.

وروی احمد عن واثلة بن الاسقع رضی الله تعالٰی عنه قال. قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم امرت بالسواک حتی خشیت ان یکتب علی نقل الزرقانی علی المواهب عن المنذری وغیرہ فیه لیث بن ابی سلیم ثقة مدلس وقد عنعنه اھ ۔

ومع ذلك قال عن المنذری اسنادہ حسن اھ وقال الحافظ العسقلانی فی نظم اللآلی معنعن ابی الزبیر غیر محمول علی الاتصال الا اذا کان من روایۃ اللیث عنہ الخ۔

وھذا امر مقرر عند ھؤلاء المحدثین ونجد فی صحیح مسلم احادیث عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ عنہ لیست من روایۃ اللیث عنہ قال الذھبی فی المیزان فی صحیح مسلم عدۃ احادیث ممالم یوضح فیھا ابو الزبیر السماع عن جابر ولا من طریق اللیث عنہ ففی القلب منھا اھ۔

قلت: ولکن لم یکن منھا فی قلب مسلم شئ فادرجھا فی صحیحہ الذی جعلہ حجۃ بینہ وبین ربہ عزوجل وروی ابن جریر عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما نزلت اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الحدیث۔

قال ابن جریر ھذا حدیث لا یعرف لہ مخرج عن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھذا اللفظ الا من ھذا الوجہ وھو عندنا صحیح سندہ لا علۃ فیہ توھنہ ولا سبب یضعفہ لعدالۃ نقلتہ وقد یعلل بان قتادۃ مدلس ولم یصرح بالسماع والتحدیث اھ

وھذا امام الحنفیۃ امام الفقھا امام المحدثین الحافظ الناقد البصیر بعلل الحدیث الامام ابو جعفر احمد الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ روی فی کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکۃ

عنوة حديثين احدهما عن عكرمة قال۔

لما وادع رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم اهل مكة۔ والآخر حديث الزهرى وغيره قال۔ كان رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم قد صالح قريشا۔ الحديثين بطولهما۔

قال بعده: فان قلتم ان حديثى الزهرى عن عكرمة الذين ذكرنا منقطعان قيل لكم وقد روى عن ابن عباس رضى الله تعالیٰ عنهما حديث يدل على ما رويناه۔

حدثنا۔ فهد بن سليمان بن يحيى ثنا يوسف بن بهلول ثنا عبد الله بن ادريس حدثنى محمد بن اسحٰق قال قال الزهرى حدثنى عبيد الله بن عبد الله بن عتبة عن ابن عباس رضى الله تعالیٰ عنهما الحديث فى نحو ورقة كبيرة قال فى آخره فهذا حديث متصل الاسناد صحيح اھ

ومعلوم ان "قال، فلان" كعن فلان" لعدم بيان السماع فيهما۔

قال الامام النووى فى التقريب انه ليس الاسناد ان يروى عمن عاصره مالم يسمعه منه موهما سماعه قائلا: "قال فلان، او عن فلان" ونحوه الانى ما عنعنه ابن اسحٰق ان حكم هذا قيل الامام الحجة انه متصل الاسناد وانه صحيح فقد رفع مكحول وأبو اسحٰق السبيعى كلتا الشبهتين الكلام فى ابن اسحٰق وعدالته والاتيان من قبل عنعنته بلفظه الكريم الصريح ولله الحمد۔ وهذا إمامنا، ثانى ائمة مذهبنا الإمام أبو يوسف رضى الله تعالیٰ عنهم قد اكثر فى كتاب الخراج الاحتجاج

باحاديث محمد بن اسحٰق معنعنة و غير معنعنة وقد قالوا كما فى رد المحتار وغيره : إن المجتهد إذا استدلّ بحديث كان تصحيحًا له، فقد صحح الإمام ابو يوسف احاديث ابن اسحٰق وعنعنة كيف ؟ وقد ادرجها فيما أوجب العمل به اذ قال فى مبدء كتابه ان امير المومنين ايده الله تعالىٰ سألنى ان أضع له كتابا جامعا يعمل به فى حياته الخراج والعشور والصدقات والجوالى ممّا يجب العمل به وقد فسرت ذلك وشرحته اھ ـ

نفحہ (۴) :- كفانا المولىٰ سبحانه وتعالى النظر فى توثيق ابن اسحٰق وحجية حديثه بان الذى الين له الحديث كما الين لداؤد عليه الصّلوٰة والسّلام الحديد رواه فى كتابه الذى قالوا فيه : " من كان فى بيته فكانما فى بيته نبى يتكلّم وسكت عليه "

وقد قال كما فى مقدمة الامام ابن الصلاح ذكرت فيه الصحيح ومايشبه ويقاربه وفى فتح المغيث عن الامام ابن كثير روى عنه " ماسكتُّ عنه فهو حسن " اھ

وفى رسالته الىٰ اهل مكة ماكان فيه حديث منكر نبيّنه بما أنه منكر ـ وقال ابوعمر بن عبد البر : كل ما سكت عليه فهو صحيح عنده وقال المنذرى : كل حديث عزوته الى ابى داؤد وسكت عنه فهو كما ذكره ابوداؤد ولاينزل عن درجة الحسن وقد يكون على شرط الصحيحين وقال : ابن الصلاح ثم الامام النووى فى التقريب ماوجدنا فى كتابه مطلقا فهو حسن عند ابى داؤد وقال : العلامة

ابن الترکمانی فی الجوھر النقی اخرجہ ابو داؤد وسکت عنہ فاقل احوالہ ان یکون حسنا عندہ علی ما عرف، وقال الزیلعی فی نصب الرایۃ: ان ابا داؤد روی حدیث القلتین وسکت عنہ فھو صحیح عندہ علی عادتہ فی ذلک ۔ وقال الحافظ العراقی !

ثم الشمس السخاوی فی المقاصد الحسنۃ : یکفینا سکوت ابی داؤد علیہ فھو حسنٌ وقال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر : سکت علیہ ابوداؤد فھو حجّۃٌ ۔ وقال العلامۃ محمد بن امیر الحاج : رواہ ابوداؤد وسکت علیہ فیکون حجۃ علی ما ھو مقتضی شرطہ ۔ وقال العلامۃ ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ سکت علیہ ابو داؤد والمنذری بعدہ فی مختصرہ وھو تصحیح منھما اھ ۔

وقال الخطابی فی معالم السنن : کتاب ابی داؤد جامع لنوعی الصحیح والحسن ۔

اما السقیم فعلی طبقاتٍ شرُّھا الموضوع ثم المقلوب ، ثم المجھول، وکتاب ابی داؤد خلی منھا بری من جملۃ وجوھھا اھ ۔

وقال الامام البخاری فی جزء القراءۃ قال علی بن عبد اللہ نظرت فی کتاب ابن اسحٰق فما وجدت علیہ الا فی حدیثین ویمکن ان یکون صحیحین اھ

وقد بیّنھما الفسوی عن علی لیس حدیثنا ھذا بحمد اللہ تعالٰی منھما احدھما عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: إذا نعس احدکم یوم الجمعۃ ۔ والآخر عن زید بن خالد اذا مسّ

احدكم فرجه فليتوضأ، وعلىٰ هذا هو ابن المديني شيخ البخاري الذي كان يقول فيه البخاري ما استصغرت نفسي الا عنده، فثبت بحمد الله تعالىٰ ان ابن اسحٰق ثقة وان الحديث حسن صحيح۔

نفحه (۵) :- اكثر اصحاب الزهري لم يذكروا في الحديث "على باب المسجد" ولا "بين يديه" وهما زيادة ثقة فوجب قبولهما، ومن الظلم قوله في هذا، لا في ذلك فليس مستند كونه "بين يديه" من الحديث الا زيادة ابن اسحٰق ومن اشد الجهل زعم ان ذكره مالم يذكروا المخالفة لهم والا لاضطربت الاحاديث عن آخرها. اللّٰهُمَّ اِلّا افراداً اعداية۔

فما من حديث اتى بطريقين او اكثر إلا وفي بعضها ما ليس في الآخر، اِلّا نادرًا، ولا عبرة بالنادر۔ هذا وجهٌ۔

وثانياً۔ كثيراً ما ترى الائمة المحدثين يجمعون الطرق فيقول احدهم حدثنا فلان۔ وفلان وفلان عن فلان يزيد بعضهم على بعض ثم يسوق الحديث سياقًا واحدًا افتراهم يجمعون بين الضب والنون۔

وثالثًا ۔ مفسرو القرآن العظيم من الصحابة والتابعين وهلم جرًا كلما فسروا واقعة ذكرت في القرآن المجيد زادوا أشياء ليست في القرآن العظيم فاذن كلهم يخالفون القرآن الكريم حاشاهم۔

ورابعًا۔ في الصحيحين عن ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا احدثکم حدیثا عن الدجال ماحدث بہ نبی قومہ انہ اعور الحدیث فاذن یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والعیاذ باللہ تعالیٰ قد خالف جمیع الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام فی بیان واقعۃ وھذا لایتفوہ بہ مسلم۔

وخامسًا۔ السور القرآنیۃ تذکر قصۃ موسیٰ وغیرھا یزید بعضھا علی بعض وحاشا القرآن ان یتخالف۔

نفحہ (٦) :- ماجھل من زعم ان الحدیث متناقض بنفسہ فان قولہ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعارض قولہ علی باب المسجد فلوکان علی الباب کیف یکون بین یدیہ وھذا انھم لایتصور الا من وھم۔ اذا جلست علی المنبر وتجاہ وجھک باب فالقائم علیہ ھل یکون بین یدیک ام خلفک۔

والصفوف الجلوس بینکما لاتحجبہ عن نظرک الاتری ان اللہ تعالیٰ سمی السماء بین ایدینا اذ قال وقولہ الحق۔ اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ۔

وکم من جبال بینھما وبیننا وسیأتیک زیادۃ وافیۃ فی تحقیق معنی ،بین یدیہ، انشاء اللہ تعالیٰ۔

نفحہ (٧) :- اذا بطل زعمۃ التناقض انتقض مابنی علیہ من وجوب تاویل الحدیث فان الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ ولکن ان تعجب۔ فعجب قولہ وان المراد بالباب الباب الذی کان فی جدار القبلۃ قبل تحویلھا الی الکعبۃ المشرفۃ فیاللانصاف باب کان

وبان وصار جدارًا والباب الحقیقی موجودالآن فاذا ذکر باب المسجد هل یذهب ذهن احد الی ان القائل لم یرد الباب بل الجدار فمثل هذا یکون تحویلا وتعطیلا وتبدیلا لا تأویلا ولاسیما والحاکی لهذا اعنی سیدنا السائب بن یزید رضی اللّٰہ تعالٰی عنه لم یشاهد ذلك الباب الکائن البائن قط۔

فانه کان ابن سبع عند وفاة المصطفٰی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلّم فولادته سنة ثلاث او اربع من الهجرة الشریفة وتحویل القبلة فی السنة الثانیة فهو یحکی ماشاهده فکیف یرید بابا لم یشاهده۔

ثم انك تحتاج فیه الی مجاز فی مجاز فان ذلك الباب کان فی الجدار القبلی والمنبر دونه بینهما ممرشاة والمؤذن دون المنبر فکیف یکون حقیقة علی الباب افتری انه کان یؤذن متقدما الی جدار القبله مستدبرا للنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم او متوجها الی ظهره الشریف متدبرا للقبلة بل لو فرض هذا لم یکن ایضا حقیقة علی الباب المفقود ای محله الموجود لانه الآن مسدود۔

نفحه (۸) :۔ ارادة الباب الشمالی الموجود اذ ذاك وتاویل علی بالمحاذات ای کان یقوم المؤذن متصلا بالمنبر بین یدی النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ولکونه اذ ذاك علی محاذاة الباب الشمالی۔

قیل له علی باب المسجد کلام مفسول مرذول

قاولاً ۔ تجوز بعید من دون قرینة والتکلم بمثله تغلیط للسامع

وتلبيس للسنة فلا يظن بالصحابى۔

وثانيًا ۔ فيه تضييع قوله على باب المسجد، لان الباب لما كان محاذيا للامام فالقائم بين يدى الامام قائم على محاذاة الباب قطعا اينما كان ، فذكره بعد ذكره ليس فيه تخصيص ولا توضيح ولا افادة شئ مقصود اذ لم يكن القصد شرعًا الا الى المواجهة الإمام، لا إلى محاذاة الباب فبقى لغوا ـ عبثا لا طائل تحته ـ

وثالثا ـ ان من اشنع الاباطيل مايقضى وجوده عليه بالرحيل وذلك ان التاويل انما يحتاج اليه اذا لم يستقم المعنى الظاهر وانما احلت الظاهر لمنافاته بزعمك قوله بين يديه وما مفهوم بين يديه الا المحاذاة بلاحائل، كما اعترف به ابن اخت خالتك فالذى قام لصيق المنبر اذا كان على محاذاة الباب كما اعترفت الآن ـ كيف لا يكون الذى على الباب محاذيا للامام ولاحائل ثمه يحجبه من النظر فصدق بين يديه فتاويلك باطل باستقامة المعنى الظاهر ـ

واستقامته تقتضى لبطلان التاويل فكان وجوده حاكما بعدمه وهذا هو اشنع الاباطيل ـ

نفحه (٩) :ـ اشنعُ منه زعم ان العاطف محذوف قبل قوله

---

(١) ومثلُه، بل أبعد منه قول اعجاز الحق : أنّ فى رواية محمّد بن اسحٰق تقديرًا ، يعنى: اذا جلس النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم على المنبر أذن بين يديه (بعد ما كان) على باب المسجد ـ فالنداء لا بالفاظ مخصوصة على باب المسجد كان فى ز من النبى

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والشیخین، ثم جعل عثمانُ ھذا النداء أذانا، ای بالفاظ مخصوصۃ علیٰ مکان عالٍ ھو الزوراء علی ماصرح بہ فی المرقاۃ۔

فھذا ھو التحقیق الحقیق بالقبول، وبہ ارتفع التعارض فی الروایات۔ ونبین القول بألفاظہ الفصیحۃ ــ فھذا الشدۃ [شفاھتہ لارن انہ] لم یقنع بحذف حرف واحدٍ ولتوھمہ أن "یؤذن" فی الحدیث علی............................

ولعمر اللہ لوجوزَ أمثالُ ھذہٖ الحذفات فی الکلام لھانَ تحویل کل نص، إلیٰ ما تھویٰ الانفس للئام فیقول من یبیح الزنا للأعزب : الحقّ أنّ فی قولہ تعالیٰ "ولاتقربوا الزنا" بعد ما تزوجتم، لان المتأھّل عندہ مایغنیہ من الزناء المحرم علیہ بخلاف الأعزب، فانہٗ محتاج الیہ۔

ویقول من یبیح قتل الشُّبّان : الحقّ أنّ فی قولہ تعالیٰ : "ولاتقتلوا النفس الّتی حرّم اللہُ" تقدیرًا، یعنی بعد ماتحرم۔ لان القتل لدفع الایذاء، والھَرِم أضعفُ من أن یُّؤذی أحدا، بخلاف الشباب فإنہ ان لم یؤذ حالا فیستطیع أن یّؤذی۔ وقتل المؤذی قبل الایذاء۔

ثم ھو بنفسہٖ لم لایستدلّ علیٰ مزعومہ بآیۃ الجمعۃ قائلاً : ألحقّ أن فی کلامہ تعالیٰ تقدیرًا، یعنی "إذا نودی للصّلوٰۃ داخل المسجد لزیق المنبر یوم الجمعۃ۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

وما نسب التصریح بہ إلی القاری فلم یصرح بہٖ ولم یکن، وإنما أبدی من عند نفسہٖ عدۃ احتمالات شتّیٰ لما سبق إلیٰ ذھنہٖ فاحتال ھو بعدہٗ للتوفیق کما یأتیٰ بعونہ تعالیٰ بیانہٗ الشافی فی نفحۃ عشرین من الشمامۃ الرابعۃ ۔۱۲منہ

"على باب المسجد" والمعنى كان الاذان تارة بين يديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وتارة على باب المسجد - اوكان يكون فى المحلين غيران الذى على الباب كان اعلاما بغير لفظ الاذان وهذا الحكاية يعنى عن نكايته.

فماً مثله الاكمن يقول فى قوله تعالىٰ - صِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا -

ان الواو بمعنىٰ او محذوف قبل "من قبل" والمعنىٰ اما متتابعين اوقبل ان يتماسا -

ثم - ليس مبناه الّاعلىٰ زعم المقابلة بين "بين يديه" وعلى الباب وماهوالاوهم فى تباب فلو وجد العاطف لم يدل على التوزيع بل على جمع الجميع وهو مرادنا -

ثم - يلزم على الثانى وجود التثويب فى الجمعة على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو خلاف ماصرحوا به بل السائب نفسه رضى الله تعالىٰ عنه يقول لم يكن للنبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مؤذن غيرواحد وكان التاذين يوم الجمعة حين تجلس الامام يعنى على المنبر رواه البخارى -

ثم - هذا الاذان هوالمحكوم عليه فى الحديث بكونه بين يديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وبكونه على الباب فكيف تفصيل بينهما بان ما على الباب اعلام غيرالاذان الا ان تقدر مع العاطف معطوفا وهو الاعلام او تحمل الاذان على عموم المجاز فترتكب مجازا على مجاز وترك الحقيقة من دون ضرورة ملجئة وثيقة اشنع مسلك

واخنع طريقةٍ وبالجملة امثال الهوسات لايرتكبها الامن يكيد النصوص بالتعطيل ويريد التغير باسم التاويل۔

نفحه (۱۰) :۔ وبعض من يتعيّر نا به الجهل اراد ان يبدى فى الحديث علة تهدمه عن اصله فزعم أن لم يكن فى زمنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للمسجد الكريم باب تجاه المنبر انما كان له ثلثة ابواب، باب جبريل[1] فى الشرق وباب السّلام وباب الرّحمة فى الغرب وهذا هجوم على رد الحديث بالجهل الخبيث۔ كان للمسجد الكريم ثلثة ابواب، باب جبرئيل[1] فى الشرق ثم زاد امير المؤمنين عمر رضى الله تعالىٰ عنه باب النساء وباب الرحمة فى الغرب، ثم زاد امير المؤمنين باب السّلام وباب ابى بكر فى الشمال۔ ثم زاد امير المومنين باباً آخر كما فصّله عالم المدينة السيد السمهورى رحمة الله تعالىٰ عليه فى خلاصة الوفاء۔

وحسبك حديث البخارى فى ابواب الاستسقاء عن انس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه۔ ان رجلاً دخل يوم الجمعة من باب كان وجاه المنبر ورسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قائم يخطب الحديث۔

---

[1] هذه الاسامى حادثة ولا يقيت الأبواب فى محل الأبواب بل أحدثت على محاذاتها بعد الزيادات ۱۲ منه

نفحه (۱۱) :- لایذهبن عنك ان ههنا سُنّتين، سنة خاصة باذان الخطبة وهو كونه بين يدى الخطيب حين جلوسه على المنبر۔ وسنة عامة لكل اذان وهو كونه فى حدود المسجد أو فنائه، لافى جوفه كما ستسمعُ نصوص الفقهاء عليه وقد سرد نالك اسماءهم وقد أرشد حديث السائب رضى الله تعالىٰ عنه اليهما معًا۔

فالأُولىٰ قوله بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا جلس على المنبر، والاخرى قوله على باب المسجد فان باب المسجد فى حدوده لا فى جوفه وخصوصية الباب ملغاة قطعًا۔

وانما لايكون عليه لكونه وجاه المنبر، لولا ذلك لم يكن على الباب بل على حافة المسجد اوفى فنائه بين يدى الامام۔ فانكشف به سوالان كثيرا ما تورد هما جهلة الهنود۔

الاول۔ ان العلماء لم يذكروا من سنن هذ الاذان كونه على الباب قل لهم۔ لِمَ يذكرونه مع انه غير مقصود فى هذ الباب وما مثله الاكمثل من يرى حديث ان بلال رضى الله تعالىٰ عنه كان يؤذن على سطح بيت ستّنا نوار اُمّ زيد بن ثابت رضى الله تعالىٰ عنهما فيحسب ان السنة فيه كونه من سطح بيت الجيران حتى لوكان على منارة اوعلى جدار المسجد كان مخالفًا للسنة، وهذ الجهل منه بان القصد كان على محلٍ عالٍ لا الىٰ خصوص سقف جارٍ، كذا ههنا ام۔

والثانى۔ ان الفقهاء لا يذكرونه فى باب الجمعة سنية اذان الخطبة خارج المسجد فى حدوده انما يذكرون استنان كونه بين يدى

الامام قل لهم : ولم يذكروته ثمه فانه لا يختص به بل هو حكم مطلق الاذان الشرعی فمحل ذکره هو باب الاذان، لا باب الجمعة وقد ذكروه فيه نعم كونه بين يديه كان من خصوصيات اذان الخطبة فذكروه فی باب الجمعة اشتمل الحديث على حكمين، خاص وعام وكان من حقهما ان يذكر الخاص فی باب الخاص والعام فی باب العام وكذلك فعلوا ولكن العوام لا يفقهون هذا على تسليم زعمهم والا فعلماؤنا لم يخلوا باب الجمعة ايضا عن افادة هذا الحكم، كما سترى بعون العلی الاعلى۔

نفحه (۱۲) :- اذا عجزوا من كل جهة قالوا هذا حديث لم يعرج عليه الناس فكان مهجورا عندهم وهذا كما ترى قول من لم يترعرع عن العامية شيئا الحديث وكل شیٔ انما يطلب فی معدنه ولا يضره عدم وجدانه فی غيره ومع هذا ما هی الاشهادة نفی، ولا سيما من قوم عمی۔ ولو ابصروا النظروا، ان العلماء لم يزالوا يوردونه ويعتمدونه ففی تفسير الخازن: (اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ) اراد بهذا الاذان عند قعود الامام على المنبر لانه لم يكن فی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم نداء سواه۔

ولابی داؤد قال كان يؤذن بين يدی النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد اھ مختصر

وفی تفسير الكبير : قوله تعالٰی۔ اذا نودی يعنی النداء اذا جلس الامام على المنبر يوم الجمعة وهو قول مقاتل ۔ وانه كما قال لانه

لم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نداء سواہ۔ کان اذا جلس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام علی المنبر اذن بلال علی باب المسجد وکذا علی عہد ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اھ۔

وفی الکشاف: النداء الاذان، وقالوا المراد بہ الاذان عند قعود الامام علی المنبر، وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام للصّلوٰۃ ثم کان ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما علی ذلک۔

حتی اذا کان عثمٰن وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنا آخر فامر بالتاذین الاول علی دارہ اللتی تسمّٰی "زوراء"، فاذا جلس علی المنبر اذن المؤذن الثانی فاذا نزل اقام للصّلوٰۃ اھ وفی الدر الشفاف لعبد اللہ بن الھادی۔ کان لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذن واحدٌ فکان إذا جلس علی المنبر أذن علی باب المسجد فإذا نزل أقام الصّلوٰۃ اھ وکذا فی النھر الماد من البحر المحیط لأبی حبان: کذا کان فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان إذا صعد المنبر أذن علی باب المسجد وإذا نزل بعد الخطبۃ أقیمت الصّلوٰۃ۔ وکذا کان فی زمان أبی بکر وعمر إلی زمان عثمان، وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنًا آخر فأمر بالتاذین الاول علی دارہ الزوراء فاذا جلس علی المنبر اذّن المؤذن الثانی، فإذا نزل أقام الصّلوٰۃ، فلم یعب علی ذلک أحدٌ۔ وفی تقریب الکشاف: کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکذا الشیخین بعدہ مؤذن واحد یؤذن عند الجلوس علی المنبر علی باب المسجد اھ

وفی تجرید الکشاف لابی الحسن علی بن القاسم کان لہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن واحد فکان إذا جلس علی المنبر أذّن علیٰ باب المسجد فإذا نزل اقام الصّلوٰۃ اھ

وفی تفسیر النیسابوری النداء الاذان فی اول وقت الظھر وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد الخ مثل ما فی الکشاف، وفی تفسیر الخطیب ثم الفتوحات الالٰھیۃ: قولہ تعالیٰ، اذا نودی للصلوٰۃ المراد بھذا النداء الاذان عند قعود الخطیب علی المنبر لانہ لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نداء سواہ فکان لہ مؤذن واحد اذا جلس علی المنبر اذّن علیٰ باب المسجد فاذا نزل اقام الصّلوٰۃ ثم کان ابوبکر وعمر وعلی بالکوفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم علیٰ ذالک، حتی کان عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد اذانا آخر الخ۔

وفی کشف الغمۃ للامام الشعرانی کان الاذان الاول علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما اذا جلس الخطیب علی المنبر الیٰ قولہ وکان الاذان علی باب المسجد اھ۔

الشمامة الثانية من صندل الفقه

نفحه (۱) :- الحمد لله تظافرت النصوص على كراهة الاذان في المسجد والنهي عنه بصيغة النفي الآكد من صيغة النهي - ففي الخانية[1]، والخلاصة[2] وخزانة المفتيين[3]، وشرح النقاية[4] للعلامة عبد العلي - والفتاوى[5] الهنديه والتاتارخانية[6] ومجمع[7] البركات - ينبغي أن يؤذن على المئذنة وخارج المسجد ولا يؤذن في المسجد اھ

وفي البحر[8] الرائق شرح كنز الدقائق وفي الخلاصة ولا يؤذن في المسجد اھ

وفي شرح[9] مختصر الامام الطحاوي للامام الاسبيجابي ثم المجتبى شرح[10] مختصر الامام القدوري - لايؤذن الا في فناء المسجد او على المئذنة اھ -

وفي البناية[11] شرح الهداية للامام العيني لايؤذن الا في فناء المسجد وناحيته اھ[a]

---

[a] الناحية : الركن، والجانب كلها بمعنى. في القاموس : الناحية : الجانب اھ

وفی الغنیۃ[12] شرح المنیۃ - الاذان انما یکون فی المئذنۃ او خارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ اھ

وفی نظم[13] الامام الزندویستی ثم شرح[14] النقایۃ للشمس القہستانی ثم حاشیۃ[15] مراقی الفلاح لعلامۃ السید احمد الطحطاوی ویکرہ ان یؤذن فی المسجد اھ

وفی غایۃ[16] البیان شرح الھدایۃ للعلامۃ الاتقانی وفی فتح[17] القدیر شرحہا للمحقق علی الاطلاق: قولہ: (ای الامام برھان الدین صاحب الھدایۃ) والمکان فی مسألتنا مختلف یفید کون المعھود اختلاف مکانہما وھوکذلک شرعا فالاقامۃ فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد اھ

وقالا فی الکتابین[18] فی مسئلۃ سنیۃ الطہارۃ لخطبۃ الجمعۃ قیاسا علی الاذان مانصہ: الأول ماعینہ فی الکافی جامعًا وھو ذکر اللہ تعالیٰ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ اھ

وفی المصباح: الجانب: الناحیۃ - وفی تاج العروس رکن الجبل والقصر جانبہ وأرکان کل شیٔ جوانبہ التی یستند إلیہا ویقوم بہا اھ واللفظ مبنیٔ من التنحی والإعتدال کالمجانب من المجانبۃ والإنفصال وتری رکنی الکعبۃ الکریمۃ الأسود والیمانی خارجۃ منہا وذکر فی خلاصۃ الوفاء أن عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جعل للمسجد اربع منارات فی زوایاہ الأربع

ثم قال: کل ذلک من الھلال إلی الأرض خارج المسجد - منہ غفرلہ

فهذه تسعة عشر نصا وختم العشرين بكلام الامام ابن الحاج المكى مالكى فانه رحمه الله تعالى عقد فى المدخل فصلا للنهى عنه وفى نفى فعله من السلف الصالح مطلقًا۔

فدخل فيهم ائمة المذاهب الاربعة جميعا ومن قبلهم من الصحابة والتابعين رضى الله تعالى عنهم اجمعين وهذا مانصه.

فصل ۔ فى النهى عن الاذان فى المسجد وقد تقدم أنّ للاذان ثلثه مواضع ، المنار، وعلى سطح المسجد ، وعلى بابه واذا كان ذلك كذلك فيمنع من الاذان فى جوف المسجد فى الوجوه احدها انه لم يكن من فعل من مضى الى اٰخره ۔

نفحه (۲) :- برأى منك هذه النصوص بعمومها واطلاقها فان الفعل كما عرف فى الاصول فى قوة النكرة وقد وقع فى حيز النفى فقولهم لايوذن فى المسجد عام والباقى مطلق ولا اثر فيها للتخصيص والتقييد فوجب إمرارها كما هى واللتى فيها ذكر المئذنة ۔

فاقول اولًا ۔ لا تُوذن بخروج اذان الخطبة فان الناس بعد الصدر الاول احدثوا اعلاء المنابر وكما يحاذيها الاذان الخطبة كما هو مشهود ههنا فى الجوامع السلطانية ستعلم جواز ذلك بشرطه فيصدق على هذا الاذان ايضا انه على المئذنة وان لم تكن ففى الفناء.

وثانيًا ۔ الحكم على مطلق اوعام بمفهوم مردّدٍ انما يقتضى ان لايخلو شئ من افراده عن كلا الوجهين ۔ اما كون كلّ فرد يجرى فيه الوجهان فلا ، وهذا ظاهر جدًّا ۔ وعبارة نسختى الفتح والعناية ۔ وأمّا

الاذان فعلى المئذنة فان لم يكن بياء تحتية اى الاذان عليها، ففى فناء المسجد وعدم كونه عليها يشمل الترك والكف فيدخل فيه كل اذان وكذا على النسخة. تكن. بتاء فوقانية والضمير للمنارة فان المراد الكون الشرعى والوجود حسيًا غير الوجود لشئ شرعا وعلى التنزل فزيادتهما لفظة "قالوا"

قطعت هذا الحكم عن سنن السابق وذلك لان لا يوذن بمعنى لا يفعل الاذان وهو بعمومه كان يشمل كل اذان لكن على هذا التنزل الأخير لما كان الكلام فى ما بين العبارتين فى اذان المنائر خاصة فلو لم ياتيا بقالوا لاشمل الظرف الحكم الى العهد ومقصودهما رحمهما الله تعالىٰ مع الاستدلال به على المسئلة الخاصة افادة الحكم العام فزادا قالوا افصاحا حكما منقولا ولا عهد فى المنقول عنه فلم يسر اليه عهد سياقه وبقى على محوضة اطلاقه۔

ولعمرى لا يوقف على اشارا تهم الا بتوفيق من بركا تهم والله الموفق لا رب سواه۔

نفحه (۳): بتوفيقه تعالىٰ ظهرت فائدة لفظة "قالوا" فى هاتين العبارتين وليست فى غيرهما وليس كلما قالوا "قالوا" ارادوا تبريًا - او افادة خلاف كما يشهد به التتبع ولا هو[1] مصطلح

---

[1] ومن نسب فى مسئلتنا هذه زيادة لفظة "قالوا" إلى الإمام فقيه النفس قاضى خان فقد كذب وافترى كما ترى - منه حفظه ربه۔

کل احد بل قال السیّد العلّامة ط فی حاشیۃ الدر المختار۔

وفی رد المحتار فی مسئلۃ مس المحدث کتب الاحادیث والفقہ: قال فی الخلاصۃ: یکرہ عندھما، والاصح انہ لایکرہ عندہ ومشی فی الفتح الی الکراھۃ فقال۔ قالوا یکرہ مس کتب التفسیر والفقہ والسنن لانہا لاتخلوا عن آیات القرآن وھذا التعلیل یمنع من شروح النحو اھ فجعلہ مشیًا علیہ وفی النھر الفائق فی مسئلۃ ما اذا زوج البالغۃ غیر کفوٴ فبلغہا فسکتت لایکون رضا عندھما وقیل فی قولہ رضا إن المزوّج ابا أوجدا جزم فی الدرایۃ بالاول بلفظ قالوا اھ۔ فجعلہ جزما بہ، کذا ھھنا جزم الإمامان بوجہین،

الاول ۔ مقصودھما ھھنا تعلیل القول المعتمد وھو قول الامام ان لافصل بین اذان المغرب واقامتہ بجلسۃ راجع الھدایۃ وانظر الی قولھما یفید کذا وھو کذلک شرعا فہما بصدد اثباتہ وتحقیقہ لا التبری عنہ وتزئیفہ۔

والاٰخر ما نقلنا منہما من قولھما الاٰخر حیث أوّلا فیہ کلام الکافی۔ وجزما بکراھتہٖ داخل المسجد فوضح الحق وللہ الحمد۔

نفحہ (۴): ۔ لیس بخاف علی کل من لہ حظ من علم او عقل علی ان الاستدلال علی الخاص بالعام صحیح نجیح تام وقد فعلہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذ تلا آیۃ " فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ " الآیۃ ۔ والصحابۃ بعدہ والائمۃ ولو کلفنا اثبات کل خاص بما یخصہ لبطلت الشرائع وترک الانسان سدیً ، فان الشریعۃ لاتاتی الا باحکام عامۃ تشتمل الناس کافۃ فلو لم یکن الاحتجاج بالعام یطلب کل واحد حکما اُتی لہ بالخصوص فما اجہل الوہابیۃ العنود ومن تابعہم من جہلۃ الہنود ۔

اذ یقولون ایتونا للنہی فیہ ذکرا ذان الخطبۃ خاصۃ ویدانیہ قول من یقول منہم ان الفقہاء انما ذکروا ہذا الحکم فی باب الاذان ولم یذکروہ فی باب الجمعۃ وقد مر کشف ہذہ الجہالۃ فی النفحۃ ۱۱ من النفحات الحدیثیۃ اتزعم الجہلۃ ان اذان الخطبۃ لیس لہ من الحکم اما ماذکر فی باب الجمعۃ من کونہ بین یدی الخطیب مثلاً کلا بل یعتبر بہ سائر الاحکام المذکورۃ لمطلق الاذان فی باب الاذان فلو لم یکفیہ البیان ثمہ من این تاتی تلک الاحکام لہذا الاذان وہذا شئ لایخفی حتی علی الصبیان ولکن الوہابیۃ واتباعہم قوم لایفقہون ۔

ہذا ما کان طریق العلم رحمہ اللہ الاما مین الاتقانی والمحقق علی الاطلاق واجذل قربہما یوم الطلاق حیث داو یا جہل ہؤلاء بوجہ لم یبق لہم عذرًا ولاحیلۃ وذلک ان الامام صاحب الہدایۃ ۔

فی مسئلۃ ندب الطہارۃ لخطبۃ الجمعۃ قاسہا علی الاذان

وذكرما يوهم ان الجامع كونها شرط الصلوٰة وهو ظاهر البطلان فالامام الشارح ان عدلا منه الى ما عيّن الامام النسفی جامعًا فی الكافی وهو كونها ذكر الله فی المسجد ای ذكرًا موقتًا كالاذان وكان يرد عليه أنّ الأذان ليس ذكر فی المسجد لكراهته فيه فاوّلاه بأنّ المراد فی حدود المسجد فلو أنّ أذان الخطبة كان يكون فی المسجد لما احتيج الى التاويل اصلاً فقياسُ خطبة الجمعة على اذان الخطبة بجامع كون كل منهما ذكرًا موقتًا فی المسجد كان إذن صحيحا قطعا واى شئ كان احق بقياس الخطبة من اذانها لكنهما اوّلا فارشدا بارشاد بين من الشمس ان اذان الخطبة ايضا مكروه فی المسجد، وأیّ نص انص تريد من هذا ولله الحمد۔

نفحه (۵) ليست المسئلة من النوازل ولا عزوها الى احد من المشائخ بل ارسلوها ارسالا والذاكرون لها اولئك الائمة الأجلّاء وامثالهم كالامام قاضی خان ونظرائه اذا ارسلوا دلّ على انه المذهب لما عرف من عادتهم عزو تخريجات المشائخ الى المشائخ قال فی الغنية ذوی الاحكام فی مسئلة النعاس صرح به قاضی خان من غير اسناده لاحد فاقتضى كونه المذهب ۔اھ

فالتشكيك فيه بانه غير معزو الى سيدنا الامام الاعظم۔ وليس حاصله الّا شیأن رفع الامان عن عامة مسائل الشرح والفتاوی الغير المعزية الى احد وابطال سائر ما فيه من المعزيات الى مشائخ المذاهب - لانّ الاول اذا لم يقبل لعدم العلم بكونه عن الامام فالآخر احدى بالرد للعلم بعدم كونه عن الامام وانت تعلم ان فيه

ابطال ثلثی مسائل المذهب او ثلثة ارباعها وانما کان علینا اتباع ما رجّحوه وصحّحوه کما لوا فتونا فی حیاتهم فکیف بما اتوابه جازمین به من دون اشعار بخلاف فیه والله الموفق۔

نفحه (۶) :- اذلم یات لهم تخصیص النصوص حاولوا ان یخرجوا اذان الخطبة من جنس الاذان کی یخرج بنفسه ممایشمل شئ من احکام الاذان من دون حاجة الی تخصیص، وذلك ان الاذان إعلام الغائبین والاقامة اعلام الحاضرین کما نص علیه الائمة منهم۔

الامام العینی فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری وفی الهدایة: الاذان الاستحضار الغائبین، فجعلوا اذان الخطبة اعلاما للحاضرین لا نداء للغائبین، کی لایکون اذانا وان کان بکلمات الاذان کالاذان فی اذن المولود والمهموم وخلف المسافر ولدفع الغیلان وعندالاقبار لتذکیر الجواب وطرد الشیطان وامثال ذلك حیث لایقصد به نداء الخاص الی مشئ أو اعلا مالهم بدخول الوقت اصلاً بل التبرك واستدفاء البلاء بتلك الکلمات الکریمة۔ ثم اضطربوا فاجهلهم یقول لم یکن اذانا من لدن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم واذا قیل له افکان صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصلی الجمعة من دون اذان قال لیس فیه، انما کان یصلی الصلوات کلها بمکة بدون اذان۔

ولایدری هذا المسکین ان هذا انکار للاجماع وتصریح القرآن

فقد اجمعوا انہ لم یکن من عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للجمعۃ الا ھذا الاذان واللہ تعالیٰ یقول ۔ یایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصّلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ ۔

وانما الامر بالسعی للغائبین دون الحاضرین لاستحالۃ تحصیل الحاصل ۔ واللہ تعالیٰ یقول وذروا البیع ۔

وانما البیع والشراء کان فی الاسواق لا فی المسجد فدل النص ان اذان الخطبۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان نداء للغائبین الی الصّلوٰۃ وھٰذا ھو الاذان المصطلح شرعی وصلوٰۃ مکۃ کانت قبل نزول الاذان فقیاس الجمعۃ علیھا جھلٌ لا یُقاس ولا یُمان ۔

وغیرہ یقول نعم کان الاذان علی عہد رسول اللہ وصاحبیہ صلی اللہ علیہ وعلیھما وسلم ۔ فلما احدث ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ الاذان الاول کان ھو الاذان ویقی ھذا اعلامًا للحاضرین وعلیہ فرع مفرع منھم انہ لما کان فی الزمن الاول للاعلام ناسب باب المسجد وفی زمن عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صار للانصات فناسب داخل المسجد لدی المنبر ۔

اقول ۔ وھذا ایضا من اُبیَن الاباطیل وخلاف اجماع ائمتنا الکرام ۔ فاولا قد اجمعوا للجمعۃ اذانین وثانیا یعاد اذان الجنب لا اقامتہ علی المذھب وعللوہ بان تکرار الاذان مشروع دون الاقامۃ کما فی الھدایہ واستشھدوا علیہ باذان الجمعۃ ۔ ۔

قال فی الکافی والتبیین والعنایۃ والدر المختار وغیرہا۔ فان تکرار الاذان مشروع فی الجملۃ کما فی الجمعۃ الی ھنا متفقون ثم قال الکافی فاما تکرار الاقامۃ فغیر مشروع اصلا وفی التبیین دون الاقامۃ وفی العنایۃ بخلاف الاقامۃ ونظم الدر لمشروعیۃ تکرارہ فی الجمعۃ دون تکرارہا اھ۔

فلو لم یکن الثانی اذانا مثل الاول فاین التکرار۔

وثالثا۔ صریح نص البحر فی البحر لان تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعۃ لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض بخلاف تکرار الاقامۃ اذ ھو غیر مشروع اھ۔

ورابعًا۔ لم تغیر الاذان عما کان علیہ بحدوث الاول لان الاعلام حصل بالاول فلا یحصل بالثانی فانسلخ ضرورۃ عن الاذانیۃ وکونہ إعلاما للغائبین أم لان امیر المومنین عثمن ھو الذی قطعہ عما کان الاول باطل اجماعًا فما التثویب الاعلام بعد الاعلام وکرہ المتقدمون واستحسنہ المتاخرون فکان ھذا اجماعًا منہم علی ان الاعلام مما یقبل التکرار اذ لو استحال لاستحال ان یکون مکروھًا اوحسنًا، وأیضا کفی للرد علیہ کلام البحر والثانی، اشد واشنع واشرو اخنع ان یکون امیر المومنین بدل وحرف سنۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حاشاہ من ذلک نعم للخلفاء الراشدین ان یضیفوا سنۃ کما اضاف الاذان الاول یوم الجمعۃ وتبعہ علیہ المسلمون فی عامۃ البلاد۔

واما ان يغيروا سنة فكلا ، واجارهم الله تعالى عن ذلك الاترى الى ماقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ستة لعنتهم لعنهم الله وكل بنى مجاب وذكر منهم التارك بسنتى رواه الترمذى عن ام المومنين والحاكم عنها وعن امير المومنين على ـ رواه الطبرانى فى الكبير عن عمرو بن شفوى رضى الله تعالى عنهم بلفظ سبعة لعنتهم وكل بنى مجابٌ والعجب ممن يقول ان عدم اعتبار تغيير عثمٰن ضلالة بتعليمه ولايدرى المسكين ان نسبة تغيير السنة الى عثمٰن هو الضلال البعيد، هٰذا وجه وكفى به وجها وجيها ـ

الثانى ـ حيث يسوغ الاعلام مكررا فمن ذا الذى اخبركم ان عثمٰن قطعه عنه أأقرأنى قطعة ام امر المؤذن ان لايتوبه اوامره أن يخفيه أو يخفيه أم تقولون على عثمان مالاتعلمون ولاتعلمون أنكم مسئولون قال تعالىٰ : " ولاتقف ماليس لك به علم ان السمع والبصر والفواد كل اولئك كان عنه مسئولا "

الثالث ـ حصول الاعلام كان لازم الاذان ان كان على وجه المعهود على عهد الرسالة فلا ينقطع عنه الا باحداث فيه يقعده عن الاعلام السالف وكيف يظن هذا بعثمٰن فان فيه تقليل الفائدة الشرعية وذلك انه رضى الله تعالى عنه احدث الاذان الاول ـ . . . .

. . . لما كثر الناس فما ذا كان يغيره هذ الثانى ان بقى على ما كان عليه فى عهد الرسالة والخلافتين كى يسمعه من لم يسمع الاول كما تقدم عن البحر فالذى يزعم ان عثمٰن احداث فيه ما قطعه من كونه اعلاما

یقول بملاء فیہ ان عثمٰن غیر السنۃ ونقص الفائدۃ ونقض المصلحۃ فکان معاذ اللہ محض محادۃ للسنۃ ومضادۃ وان عدینا عنہ، فادنٰی احوالہ ان لا فائدۃ فیہ فیکون عبثاً فی الدین والعبث کما فی الھدایۃ حرام ویکون لغواً وھم عن اللغو معرضون۔

نفحہ (۷) تحررمما تقرران بحث بقائہ بعد لخصوص الانصات غیر محرّر بل وقع مصادماً للنص ولحرمۃ الصحابۃ ولاجماع ائمتنا ونصوص فقھنا فکیف یعرج علیہ، بل کیف یحل ان یلتفت الیہ ولکن الرزیّۃ من ترک نصوص مذھبہ وتشبث بذلک البحث وتحمل کل ما مر۔ ثم زادفی الشطرنج بغلۃ وھو ذلک تفریع الباطل أنہ اذن ناسب داخل المسجد لدی المنبر ولم ذاک مع ان اھل المسجد الصیفی احوج الی ھذا الاعلام من اھل الشتوی فانھم یرون الامام باعینھم فینصتون، والقیاس علی الاقامۃ جھلٌ فان بالاقامۃ تترتب الصفوف من الاول فالاول قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیہ فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر۔ رواہ احمد فی المسند والنسائی وابن حبان وخزیمۃ والضیاء کلھم فی صحاحھم بسند صحیح عن انس رضی اللہ عنہ ولعمری ان ھذہ ایضا کادت ان تکون سنۃ مھجورۃ واللہ المستعان فناسب کون الاقامۃ فی الصف الاول بخلاف الاعلام بجلوس الامام فان اھل الخارج احوج الیہ کما ترٰی۔

نفحہ (۸) عدۃ طلبۃ حاولوا نقض کلیۃ الائمۃ "لا یؤذن فی المسجد" بالاقامۃ فانھا ایضا یقال علیھا "الاذان" کما فی حدیث بین

کل اذانین صلوٰۃ لمن شاء مع انها فی المسجد وفاقا وجهلوا ان اطلاق الاذان علیها تغلیب او عموم مجاز۔

قال الامام العینی فی عمدۃ القاری: المراد من الاذانین الاذان والاقامۃ بطریق التغلیب کعمرین والقمرین اھ۔

وفی المواهب اللدنیہ عن امام الائمۃ ابن خزیمۃ قولہ "اذانین" یرید الاذان والاقامۃ تغلیبا اھ۔

قال الزرقانی لانہ شرعا غیر الاقامۃ اھ۔ وفی العینی ثم المواهب اولاشتراکهما فی الاعلام۔

قال الزرقانی فلاتغلیب لان الاذان لغۃ الاعلام وفی الاقامۃ اعلام بدخول الوقت کالاذان فهو حقیقۃ لغویۃ فی کل منهما اھ۔

ومایقال فی تعلیل روایۃ مرجوحۃ مخالفۃ للمذهب ان الاقامۃ احد الاذانین فهو کقولهم "القلم احد اللسانین"۔ ولذا فسّرہ الامام النسفی بان کل واحد منهما ذکر معظم کما یفسّر هذا بان کل منهما یعرب عما فی الضمیر، الم ترماقدمنا من نصوص الهدایۃ والکافی، والزیلعی، والاکمل، والدّر، والبحر، ان تکرار الاذان مشروع ولایشرع تکرار الاقامۃ الم تعلم مانصوا علیہ فی الکتب المذکورۃ جمیعا وغیرها، ان اذان الجنب یعاد، ولاتعاد اقامتہ۔ الم تسمع الی مافی البحر عن الظهیریۃ لوجعل الاذان اقامۃ یعید الاذان ولوجعل الاقامۃ اذانا لایعیدُ لان تکرار الاذان مشروع دون الاقامۃ اھ۔

وفیہ عن المحیط: لوجعل الاذان اقامۃ لایستقبل ولوجعل الاقامۃ

اذا انا یستقبل الخ ۔ الیٰ غیر ذلک من مسائل بایّنوا فیھا بین الاذان والاقامۃ ۔

وبالجملۃ الالزام باجراء احکام الاذان طرّاً فی الاقامۃ شیٔ لایتفوّہ بہ من شم رائحۃ العلم، ولکنّ الجھل اذا ترکب فھو الداء العضال ۔

نفحہ (۹) اقول وباللہ التوفیق اعلم وفقنا اللہ تعالیٰ وایاک ان للمسجد اطلاقین ۔

احدھما موضع الصّلوٰۃ من الارض الموقوفۃ لھا وھو الاصل وبھذا المعنی لایدخل فیہ البناء فان البناء من الاوصاف کالاطراف فالباب والجدار خارج عن المسجد ۔

وکذا الدکتہ، والمنار والحیاض والابار وان کانت فی حدودہ بل فی جوفہ اذا بنیت قبل تمام المسجدیۃ اما بعدہ فلایجوز تغییر شیٔ من الاوقاف عن ھیئتہ الابشرط الواقف لحاجۃ الوقف ومصلحتہ فکیف بالمسجد فی برأتہ وحریتہ وتمنّعہ من حق عبد وخیرتہ فی وقف الدّرّ : من اخذ المسجد لو بنی فوقہ بیتا للامام لایضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق ۔ تاتارخانیہ ۔ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف لغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد اھ ۔

والآخر ۔ الارض مع البناء وھو الاصل مع الوصف فالبنیان کالجدران والبیبان ۔ داخل بھذا المعنی فیہ ۔

وعلى الاول قوله تعالیٰ - اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ -

اخرج الائمة احمد والدارمی والترمذی وحسنہ وابن ماجہ وخزیمة وحبان والحاکم -

وصححہ عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ - قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا رأیتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان - قال اللّٰہ تعالیٰ - انما یعمر مساجد اللّٰہ من اٰمن باللّٰہ والیوم الآخر فعمارتھما بالصلٰوة فیھا ولم یکن ثم بناء کالمسجد الحرام فی زمن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فما کان الا ارضا حول الکعبة مخلاة للطواف

وعلی الآخر قولہ عزوجلّ " لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد " فما الھدم الا للبناء - بل لاطلاق الثالث -

یشمل الفناء و لھذا اجاز للمعتکف دخولہٗ ولایعدّ بہ اِلّا معتکفا فی المسجد - فی البدائع ثم ردالمحتار - لوصعد ای المعتکف المنارة لم یفسد بلاخلاف وان کان بابھا خارج المسجد لانھا منہ لانہ یمنع فیھا من کل ما یمنع فیہ من البول ونحوہ فاشبہ زاویة من زوایا المسجد اھ

وعن ھذا نسمع الناس یقولون قد اذن فی المسجد اذا سمعوا الاذان من منارتہ مثلا وان کانت واقعة خارج المسجد وھذہ محاورة سائغة شائعة عربًا وعجمًا -

ولا یقول احد قوموا فقد اذن خارج المسجد وعلی هذا نظائر قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان من سنن الھدی الصلوٰۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ رواہ مسلم۔

وقول الفقہاء کرہ خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ۔ اذا علمت ھذا فاعلم ان الاذان انما یکرہ فی اصل المسجد لافی وصفہ ولا تبعہ وان شئت قلت یکرہ فی المسجد بالمعنی الاول دون الثانیین الاتری الی ما قد تلونا علیک من نصوص الائمۃ کیف نھوا عن الاذان فی المسجد دون المئذنۃ وفناءہ والحدود بمرایٔ منک حدیث الاذان علی باب المسجد۔ وخرج ابوالشیخ فی کتاب الاذان عن عبداللہ ابن زید الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال رأیت فیما یری النائم کان رجلا علیہ ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اربعا۔ الحدیث۔

وفی اخری عنہ رأیت رجلا علیہ ثوبان اخضران وانا بین النوم والیقظان فقام علی سطح المسجد فجعل اصبعیہ فی اذنیہ ونادی الحدیث۔ وتقدم قول المدخل ان محل الاذان المنارۃ او سطح المسجد اوبابہ۔ وبما قررنا وللہ الحمد تبینت فوائد۔ الاولیٰ یجوز الاذان الدکۃ والمنارۃ وشفیر البئر وحریم الحوض وان کانت ھذہ الاشیاء داخل المسجد اذا کان البانی بناھا قبل تمام المسجدیۃ لان ذلک یبقی مستثنی ولا تشملہ المسجدیۃ فیجوز لہ ان یبنی وللناس ان یستعملوھا کما اذا اُعِدّ فیہ موضعا للوضوء وکذا

اذا کانت بئرا او حوض مثلا فی فناء المسجد فزید المسجد واحاط بھا کبئر زمزم فی المسجد الحرام فان کونھا اذ ذاک قبل المسجدیۃ ابین واظھر۔

اما بعد تمام المسجدیۃ فلا یجوز فی ارض اصل المسجد احداث دکۃ ولا منارۃ ولا بئر ولا حوض کما قدمنا عن الدر من منع بناء فوق جدار المسجد او سطحہ فکیف ارضہ۔ وھذا ما نص علیہ علماؤنا انہ لایحفر فی المسجد بئر ماءٍ ولو کانت البئر قدیمۃ تترک کبئر زمزم اھ۔ خانیہ وھندیہ، وغیرھما وتمام تحقیق المسألۃ فی جد الممتار تعلیقاتنا علی رد المحتار وقال فی الاشباہ والنظائر من احکام المسجد تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون موضع ثمہ۔

اعد لذلک لایصلی فیہ او فی اناء اھ ونحوہ فی الدر قال الشامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قولہ (الافیما اعد لذلک) انظر ھل یشترط اعداد ذلک من الواقف ام لا اھ

وکتب فی جد الممتار:

اقول ـ نعم وشیئ آخر فوق ذلک وھو ان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیۃ فان بعدہ لیس لہ ولا لغیرہ تعریضہ للمستقذرات ولا فعل یخل بحرمتہ اخذتہ مما یأتی فی الوقف من مسألۃ بناء الواقف فوق المسجد بیتا لسکنی الامام اھ۔

ثم فی احداثھا فی المسجد بعد ماصار مسجدا موانع اخری فانھا تشغل موضع الصلٰوۃ وتقطع الصفوف وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا

قطعه الله۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن خزیمۃ والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

قال العلامۃ القاری فی المرقاۃ (من قطعہ) ای بالغیبۃ اوبعدم السداد بوضع شیئ مانع ام۔

وقد نھی العلماء عن غرس الشجر فی المسجد وعللوہ بانہ یشغل مکان الصلوٰۃ کما فی الخانیۃ وخزانۃ المفتیین والھندیۃ وغیرھا۔

واما اباحتہ لتقلیل النز اذا کانت الارض نزۃ لایستقر اساطینھا فللضرورۃ، والضرورات تبیح المحظورات۔

قال فی البحر فیغرس لیجذب عروق الاشجار ذلک النز فحینئذٍ یجوز، والا فلا ام۔

ومثلہ فی الظھیریۃ والبزازیۃ وغیرھما، قال فی منحۃ الخالق: وفی قولہ والا فلا دلیل علی انہ لایجوز الغرس فی المسجد ولا ابقاؤہ فیہ بغیر ذلک العذر ولوکان المسجد واسعا کمسجد القدس الشریف ولو قصد بہ الاستغلال للمسجد لان ذلک یؤدی الی تجویز احداث دکان فیہ او بیت للاستغلال او تجویز ابقاء ذلک بعد احداثہ بلا ضرورۃ داعیۃ ولان فیہ ابطال ما بنی المسجد لاجلہ من صلاۃ واعتکاف ونحوھما۔

وقد رأیت فی ھذہ المسألۃ رسالۃ بخط العلامۃ ابن امیر الحاج الحلبی الفھا فی الرد علی من اجاز ذلک فی المسجد الاقصٰی

ورأيت في آخرها بخط بعض العلماء أنه وافقه على ذلك العلامة الكمال ابن ابي الشريف الشافعي اه۔

وقلت في جد الممتار بعد نقل ما هنا وغيره:

من نظر هذه الكلمات الشريفة بعين الانصاف لم يلبث في الحكم بتحريم كل احداث في المسجد يكون فيه شغل محل منه لغير ما بني له سواء كان بيتا او حانوتا اودكة او منارة اوغاسلاً أو خزانة او بئرا اوحوضا، اوشجرا، أو، أو، أو الخ وعنيت به المسجد بالمعنى الاوّل وقال الامام ابن الحاج المكي في المدخل ومن هذا الباب أيضا ما احدثوه في المسجد من الصناديق المؤبدة وذلك غصب لموضع مصلى المسلمين۔ قال ومن هذا الباب الدكة التي يصعد عليها المؤذنون للاذان يوم الجمعة بل هي اشد من الصناديق اذ يمكن نقل الصناديق ولا يمكن نقلها قال ومن هذا الباب ايضا اعني في امساك مواضع في المسجد وتقطيع الصفوف بها اتخاذهذا المنبر العالي فانه اخذ من المسجد جزءً جيلاً وهو وقف على صلاة المسلمين اه ۔ متلقطا فرحم الله من نصح ورحم الله من قبل۔

الثانية ۔ المراد في قول الكافي انه ذكر الله في المسجد المعنى الثاني الشامل للاصل والوصف فالخطبة في الاصل والاذان في الوصف فشملهما الكون في المسجد وان تفرق المحل وفي قوله الغاية والفتح لكراهة الاذان في داخل المعنى الاوّل فيدقة النظر ليس ما ذكرنا ويل لكلامه۔

بل تبیین لمرامه اذ لیس فیه صرف عن ظاهرہ

واللہ تعالٰی الموفق ۔

الثالثۃ ۔ المراد فی قول ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وقول الفقہاء المارین المعنیان الاخیران وکذا فی حدیث ابی داؤد وابی بکر بن ابی شیبۃ عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی ۔

قال حدثنا اصحابنا جاء رجل من الانصار فقال یا رسول اللہ رأیت رجلا کان علیہ ثوبین اخضرین، فقام علی المسجد فاذن ۔

الاتراہ یقول قام علی المسجد ۔ ولوارا د المعنی الاول لقال قام فی المسجد وقد اوضحتہ روایۃ ابی بکر بن ابی شیبۃ الاخری وابی الشیخ فی الاذان عن ابن ابی لیلی قال حدثنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان عبد اللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یارسول اللہ رأیتُ فی المنام کان رجلا قائم وعلیہ بردان اخضران علی جذم حائط فاذن الخ ۔

ولسعید ابن منصور فی سننہ عن عبد الرحمٰن ابن ابی لیلی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھتم للصلوۃ کما یجمع الناس لھا فانصرف عبد اللہ بن زید فرأی الاذان فی منامہ ۔

فلما صبح غدًا فقال یا رسول اللہ رأیت رجلا علی سقف المسجد وعلیہ ثوبان اخضران ینادی بالاذان الحدیث ۔

وتقدمت روایت سور المسجد وسطح المسجد ۔

الرابعۃ ۔ المعنی الثالث ھو المراد فی فرع الخانیۃ والخلاصۃ

ولا بأس بان يتخذ فى المسجد بيتا يوضع فيه الحصير ومتاع المسجد به جرت العادة من غير نكير اھ

ومن الدليل عليه حديث التعارف فانه المتعارف او بناؤه قبل تمام المسجدية اما ان يتم المسجد ثم يأخذ احد قطعة منه فيجعلها بيت البوارى فلم تجربه العادة ولا يحل السكوت عليه ۔

الخامسة ۔ قال فى جامع الرموز لا يؤذن فى المسجد فانه مكروه كما فى النظم لكن فى الجلابى يؤذن فى المسجد، أو ما فى حكمه، لا فى البعيد منه اھ ۔

فمراد النظم المعنى الاوّل، ومراد الجلابى المعنى الثانى فالمعنى يؤذن فى حدود المسجد كما فسر به الامام ان كلام الكافى او ما فى حكمه اى فى فنائه فان فناء المسجد له حكم المسجد كما فى الهنديه عن الامام السرخسى قال الفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد اھ ۔

ومثله فى كتب كثيرة ذكرناها فى جد الممتار ۔ فلا استدراك بكلام الجلابى على كلام النظم كما فعل القهستانى ۔

الاترى ان العلامة الطحطاوى رحمه الله تعالٰى كيف اقتصر فى الحكم على حكاية ما فى القهستانى عن النظم ولم يعرج على استدراكه اصلاً علما منه بان الاستدراك مستدرك لا ينبغى نقله هكذا ينبغى التحقيق والله تعالٰى ولى التوفيق ولو لم يكن هذا لكان ذكر جامع الرموز بمقابلة تلك المعتمدات العظيمة بل ما تفرد به الجلابى بازاء ما اتفق عليه اولئك الاكابر الاجلة مما ينبغى ان يستحيى منه فانه لو فرض لكان

خلافا لا اختلافا۔

وقد تقرر ان الحکم والفتیا بالمرجوح جہل وخرق للاجماع فکیف ولا خلاف علی التحقیق لما علمت من جلیل التوثیق وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

نفحہ (١٠) اذ لم یقدروا علی شئ۔ تعلق بعض الوہابیۃ بما فی نص الخانیۃ والخلاصۃ من لفظ "ینبغی" یریدبہ ان الامر سہل لا یعتنیٰ بہ۔

وانت تری عامۃ النصوص عریۃ عنہا۔ ثم لم یدخل علی "لا یؤذن فی المسجد"، الا تریٰ ان البحر نقلہ عن الخلاصۃ ہکذا ولم یلتفت الی ینبغی فی الجملۃ الاولیٰ۔

ثم استعمالہ فی الندب اصطلاح المتاخرین وہو فی کلام المشائخ اعم کما فی رد المحتار وغیرہا قال ہو فی القرآن کثیر۔

"ماکان ینبغی لنا ان نتخذ من دونک من اولیاءَ"

قال فی المصباح:

ینبغی ان یکون کذا معناہ یجب اویندب بحسب ما فیہ من الطلب اھ

ثم ندبہ یقابل الوجوب ویعم الامتنان واہل السنۃ لیس بھیّن۔ بل ربما جاء ینبغی للوجوب کقول الہدایۃ والکنز وغیرہما۔

"من حلف علی معصیۃ ینبغی ان یحنث اھ"

فان الحنث واجب قطعًا وقول الہدایۃ وکثیرین۔

ینبغی للمسلمین ان لا یغدروا وان لا یغلّوا ولا یمثّلوا اھ۔

مع ان ترك الغدر والغلول فريضة ، فانهما حرام وكذا المثلة قال فى الفتح۔

قوله وينبغى للمسلمين اى يحرم عليهم ان يغدروا او يغلوا و يمثلوا اھ ۔

وقول القدورى والهداية وغيرهما :

ينبغى للناس ان يلتمسوا الهلال فى اليوم التاسع والعشرين من شعبان ۔

قال المحقق فى الفتح :

اى يجب عليهم وهو واجب على الكفاية اھ

قال فى الجوهرة النيرة :

اى يجب الخ

وقال فى القنية فى استحسان القاضى الصدر الشهيد :

ينبغى للاخ من الرضاع ان لايخلوا باخته من الرضاع لان الغالب هنالك الوقوع فى الجماع اھ

افاد العلامة البيرى :

أنّ "ينبغى" معناه الوجوب ههنا اھ (شامى)

وكم له من نظير ۔

ثم ان كان هو ظاهرا فعارضه فى نفس الكلام ظاهر آخر۔ وهو النهى بصيغة الاخبار فانه غالبا فى كلامهم لايجاب الفعل والترك الا ان يصرف صارف ۔ قال الامام ابن امير الحاج فى الحلية : صفة الصلاة مسئلة القراءة فى الاخريين ۔

ظاهر قول المصنف " لايزيد عليهما شيأً " يشير الى عدم اباحة
الزيادة عليهما اھ

وفی عید الغنیہ :

الایریٰ الی قولہ لایترك واحد منهما فانہ اخبر بعدم الترك و
الاخبار فی عبارات الائمۃ والمشائخ يفيد الوجوب اھ

وفی امامۃ البحر الرائق :

قولہ ، فان فعلن تقف الامام وسطهن ، افاد بالتعبير بقولہ تقف
انہ واجب فلو تقدمت اثمت كما صرح بہ فی فتح القدير- اھ

وفی حاشیۃ العلامۃ الخیر الرملی علی البحر ثم منحۃ الخالق قبیل الاذان
علی قول الاسبیجابی (اذا جیئ بجنازۃ بعد الغروب بدؤا بالمغرب ثم بها
ثم بسنۃ المغرب اھ)

الظاهر ان ذالك علی سبيل الوجوب لتعليلهم بان المغرب فرض
عين - والجنازۃ فرض كفايۃ ولان الغالب فی كلامهم فی مثلہ
ارادۃ الوجوب تامّل اھ

وقال العلامۃ السيد احمد الطحطاوی فی صوم حواشی الدر : (وفيها ای
فی النهايۃ)

ولا يفعل (ای الدهن) لتطويل اللحيۃ اذا كانت بقدر المسنون
وهو يقتضی ان الدهن لهذا القصد يكرہ تحريمًا - لانہ يفضی الی
المكروہ تحريما ولو كان مكروهًا تنزيهيا لما عبر بقولہ لا يفعل .
فظاهرنا هذا غير معارض من نصوص الاسبيجابی والمجتبیٰ والبنايۃ

والاتقانی وفتح القدیر ۔

ثم ثمہ ظاہر آخر غیر معارض ہناک وہو اطلاق الکراہۃ فی النظم وشرح النقایۃ، وحاشیۃ مراقی الفلاح وغایۃ البیان وفتح المحقق حیث اطلق فانہا کما عرف فی محلہ اذا اطلقت کانت ظاہرۃ فی التحریم الابصار فی وقال سیدی العارف باللہ العلامۃ عبد الغنی فی الحدیقۃ الندیۃ من آفات الید مانصہ ۔:

والکراہۃ عند الشافعیۃ اذا اطلقت تنصرف الی التنزیہیۃ لا التحریمیۃ بخلاف مذہبنا اھ

ثم فیہ اساءت ادب بالحضرۃ الالٰہیۃ کما یاتی فی الشمامۃ الثالثۃ بعون اللہ تعالٰی فیجب التحرز عنہ ۔ ثم المعروف من عادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ترک الفضیلۃ احیانا۔ بیانا للجواز ولم یوثر قط اذانا فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم داخل المسجد فبمجموع ہذا ینقدح فی الذہن انہ یکرہ تحریما وان لم یقنع فلا اقل من ان الامر دایر بین کراہتین مکروہ قطعا ویحتمل کراہۃ التحریم فما سبیلہ الا الترک عند العقل السلیم۔ ثم ان شئت فدع الاحتمال واقنع بالاجمال وقل ان الاذان فی المسجد مکروہ منہی عنہ فان ہذا القدر لا مفر منہ وفی ہذا کفایۃ لاولی الدرایۃ واللہ سبحانہ ولی الہدایۃ ۔

الشمامة الثالثة من مسك القرآن العظيم

نفحه (١) اخرناها الی هنا لیکون ختامه مسک وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون۔ قال اللہ عز وجل:

یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا له بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقوی لہم مغفرۃ واجر عظیم۔

ارشدنا القرآن الکریم الی ادب حضرۃ الرسالۃ وانه لا یجوز رفع الصوت فیہا واوعد علیه الوعید الشدید ان فیه لخشیۃ حبط الاعمال والعیاذ باللہ تعالی۔ وندب الی غض الصوت عندہ ووعد علیه الوعد الجمیل مغفرۃ من اللہ واجر عظیم۔ ولا شک ان لیس ذالک الا لہیبۃ المقام واجلال صاحبه صلی اللہ تعالی علیه وسلم فالحضرۃ الالہیۃ احق واعظم الم تسمع ربک عزوجل یقول:

وخشعت الاصوات للرحمن فلا تسمع الا ہمسا۔

وما المصلی الا حضرۃ العلی الاعلی عز وعلا وتبارک وتعالی فلعمری

لو يتذكر الناس حين حضورهم المساجد قيامهم بين يدى ربهم عزوجل يوم القيامة واستحضروا عظمة المقام وتفطنوا اين هم وبين يدى من هم لخشعت الاصوات للرحمٰن فلا يكاد يخرج صوت الا من اذن له الرحمن وقال صوابا كالقارى والخطيب فكان الاصل فى المساجد فيما لم يرد به الاذن ان لا تسمع الا همسا ولذا اتت الاحاديث[1] تنهٰى عن رفع الصوت فيها۔ ابن ماجة عن واصلة رضى الله تعالٰى عنه قال:

قال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع اصواتكم

وابن عدى والطبرانى فى الكبير والبيهقى وابن عساكر عن مكحول عن واصلة وأبى الدرداء وابى امامة رضى الله تعالٰى عنهم عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم:

جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وسل سيوفكم واقامة

---

[1] وللبيهقى عن ابى هريرة رضى الله تعالٰى عنه كان النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم يكره العطسة الشديدة فى المسجد، وفى البحر الرائق وغيره: قالوا: ولا يجوز أن تعمل فيه الصنائع لانه مخلص لله تعالٰى. فلا يكون محلاً لغير العبادة غير أنهم قالوا فى الخياط إذا جلس فيه لمصلحة فى دفع الصبيان وصيانة المسجد لا باس به للضرورة۔ ولا يدق الثوب عند طيه دقا عنيفًا انتهٰى ـ وماذا عسٰى أن يرتفع صوت الثوب بضرب اليد عليه عند طيه يستوى۔ وقد نُهوا عنه۔ وكذلك من يعرف الأدب، ولا دين لمن لا ادب له، نسأل الله حسن التوفيق ـ منه عفى عنه۔

حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم۔

وعبدالرزاق فی مصنفہ قال،

حدثنا محمد بن اسلم عن عبد ربہ بن عبداللہ عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنبوا مساجدکم مجانینکم وصبیانکم ورفع اصواتکم وسل سیوفکم وبیعکم وشرائکم واقامۃ حدودکم وخصومتکم

والامام ابن المبارک عن عبید اللہ بن ابی حفص یرفعہ الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم

قال من اجاب داعی اللہ واحسن عمارۃ مساجد اللہ کانت تحفتہ بذالک من اللہ الجنۃ۔ قیل یارسول اللہ ما احسن عمارۃ مساجد اللہ قال لایرفع فیھا صوت ولایتکلم فیھا برفث۔

والامام مالک والبیھقی عن سالم بن عبداللہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

بنیٰ الی جانب المسجد رحبۃ فسماھا البطیحاء فکان یقول من اراد ان یلفظ وینشد شعرا اویرفع صوتا فلیخرج الی ھذہ الرحبۃ۔

والامام ابن المبارک وابراھیم بن سعد فی نسختہ عن سعید بن ابراھیم عن ابیہ قال:

سمع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوت رجل فی المسجد فقال: اتدری این انت اتدری این انت کرہ الصوت

وقد تقبلها ائمة الامة بالقبول حتی ان فقہائہا نصوا علی کراھۃ رفع الصوت فی المسجد بالذکر الا للمتفقہۃ کما فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار فاذا کان ھذا فی الذکر فما ظنک بما لیس بذکر خالص کالاذان لاشتمالہ علی الحیعلتین قال الامام العینی فی البنایہ شرح الھدایۃ:

فان قلت الاذان ذکر فکیف تقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشیٔ غیرہ قلت ھو لیس بذکر خالص علی مالایخفی وانما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر اھ

وفی البحرالرائق عن المحیط تحت قول الکنز۔ یستقبل بھما القبلۃ ویلتفت یمینا وشمالا بالصلاۃ والفلاح "۔

لانہ فی حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالٰی والشھادۃ لہ بالوحدانیۃ ولنبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالرسالۃ فالاحسن ان یکون مستقبلًا فاما الصلوٰۃ والفلاح دعاء الی الصلوٰۃ واحسن احوال الداعی بان یکون مقبلاً علی المدعوئین اھ

وفی صلاۃ المسعودی رحمہ اللہ تعالٰی: انّ فی الاذان مناجاۃ ومناداۃ۔ المناجاۃ ذکر اللہ تعالٰی والمناداۃ نداء الناس وما دام فی ذکر اللہ یستقبل القبلۃ واذا بلغ المناداۃ یحوّل وجھہ ثم قال الشیخ ابوالقاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی۔

الدعا الی الصلوٰۃ مناداۃ وباقیہ ذکر اللہ تعالٰی لکن ظاھر الروایۃ أنّ الاذان کلہ من اوّلہ الی اٰخرہ دعاء إلی الصّلاۃ۔ ثم قال: ظاھر الروایۃ أنّ المؤذن إذا قال: حی علی الصّلوٰۃ، ویقول المستمع

"لاحول ولاقوة الا باالله" فاذا قال حی علی الفلاح، یقول المستمع: ماشاء الله کان ومالم یشأ لم یکن۔ قال شیخ الاسلام برهان الدین رحمہ الله تعالیٰ: ما کان العبد فی ذکر الرحمن یفر الشیطان۔

فاذا جاء نداء الخلق یعود، فاذا قیل: لاحول ولا قوة الا باالله ماشاء الله کان "یفر"۔ انتھیٰ ملتقطا مترجما۔

واذا کان ذالك کذالك ولم یرد فی الشرع الاذن بالاذان فی المسجد کان داخلا تحت النھی وھو المقصود۔

نفحه (۲) نسمع ربنا تبارك وتعالیٰ یعاتبُ قومًا اذ یقول عز من قائل:

فاذا فریق منهم یخشون الناس کخشیة الله او اشد خشیة

وقال عزوجل:

فالله احق ان تخشوه ان کنتم مومنین

ولقد علِم من غشی ابواب السلطان انه اذا کان قوم خارج الحضرة وامر الملك بدعائهم لم یکن للحجاب ان ینادوهم فی الحضرة بل یخرجون فینادون ولو قاموا علی راس السلطان وجعلوا یصیحون بالنداء، لاساؤا الادب واستجلبوا الغضب واستحقوا التادیب ومن لم یر الملوك فینظر قضاة بلادنا کفارهم ومسلموهم اذا امروا بنداء الخصوم اوالشهود لم تقدر الاعوان ان ینادوهم فی دار القضاء بل یخرجون خروجًا فیدعون وهذا مشهود کل یوم ومن انکر کونه اساءة ادب فلیجرب علی نفسه ولیقم بین یدی حاکمهم المسمّٰی

عندهم حج . ويرفع صوته بيا فلان يا فلان لناس خارج المكان
فيرى ما يبدل البيان بالعيان - وما ذالك الا لادب المقام وخشية
الحكام فالله احق ان تخشوه ان كنتم مومنين ـ

كيف وان امثال الامور المبنية على الاجلال . المبنئة من الادب
انما تحال على الشاهد فيما لم يرد به النص ـ والشاهد ههنا ما ذكرنا
فوجب المصير اليه وكان نداء الغائبين قائما فى حضرة المصلى اساءة
ادب بالحضرة الاعلى وقلة خشية من الله تعالى ـ واما ما قلنا من
الاحالة على الشاهد فشئ يشهد به العقل السليم والقلب الحاضر ومن
تتبع وجد شواهده كثيرة فى كلام الاجلة الاكابر من ذالك قول الامام
المحقق على الاطلاق فى فتح القدير :ـ

الثابت هو وضع اليمنى على اليسرى وكونه تحت السرة او
الصدر كما قال الشافعي لم يثبت فيه حديث يوجب العمل
فيحال على المعهود من وضعها حال قصد التعظيم فى القيام
والمعهود فى الشاهد منه تحت السرة اهـ

ومن ذالك قوله ايضا واستحسنه تلميذه المحقق ابن امير الحاج
الحلبى جدا ، ما نصه ـ

لا ارى تحرير النغم فى الدعاء كما يفعله القراء فى هذ الزمان
يصدر ممن فهم معنى الدعاء والسوال وما ذالك الا نوع لعب
فانه لو قدر فى الشاهد سائل حاجة من ملك ادى سواله بتحرير
النغم فيه من الرفع والخفض والتغريب والرجوع كالتغنى

نسب البتة الی قصد السخریة واللعب اذ مقام طلب الحاجة التضرع لا التغنی اھ۔

قال فی الحلیة۔ وقد اجاد رحمہ اللہ تعالٰی فیما اوضح وافاد اھ ومن ذالک اشیاء فیہ وفی الحلیة والغنیة وغیرھا۔

قلت بل ارشد الیہ حدیث۔

استحیی من اللہ استحیاءک من رجلین من صالحی عشیرتک

رواہ ابن عدی عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحدیث قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اللہ احق ان یستحیی منہ من الناس رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة والحاکم عن معاویة بن حیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

وحدیث اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیہ فان اللہ احق من تزین لہ" رواہ الطبرانی فی الاوسط والبیہقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقد اوضحہ ابن عمر اذ کسا نافعا ثوبین وھو غلام فدخل المسجد فوجدہ متوشحا بہ فقال الیس لک ثوبان تلبسھما ارأیت لو انی ارسلتک الی وراء الدار اکنت لابسھما قال نعم قال فاللہ احق ان تزین لہ ام الناس فقال اللہ رواہ عبدالرزاق عن نافع۔

نفحه (۳) قال المولیٰ تبارك و تعالیٰ ۔

یاایّھاالذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتّٰی تستانسوا و تسلموا علٰی اھلھا ذٰلکم خیرلکم لعلکم تذکرون فان لم تجدوا فیھا احدًا فلا تدخلوھا حتّٰی یوذن لکم ۔

نھی اللہ سبحانہ عن دخول الانسان فی بیت غیرہ بغیراذنہ (تستأنسوا تستأذنوا)[1] والمساجد بیوت ربنا عزوجل اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال

قال رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان بیوت اللہ فی الارض المساجد وان حقا علے اللہ تعالیٰ ان یکرم من زارہ فیہ (ورواہ ابوبکربن شیبۃ عن امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ من قولہ

وروی الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن ابی قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ۔

ابنوا المساجد واخرجوا القمامۃ منھا فمن بنی للہ بیتاً بنی اللہ لہٗ بیتاً فی الجنۃ وعدم الاذن فی الدخول لشیٔ کما یکون برفع المقید کذالك

---

[1] فی الاٰیۃ امران الإستیذان والسّلام ۔ فالاستیذان فی المساجد کما نبیّن ۔ اما السّلام فاُقیم مقامہ السّلام علٰی حبیبہٖ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فإنہ حاضر دائما فی حضرتہ فامر کل من یدخل مسجدا، اویخرج منہ أن یقول : بسم اللہ والحمد للہ والسّلام علٰی رسول اللہ إلٰی آخر الدعاء الوارد فی الاحادیث صحیحۃ شھیرۃ کثیرۃ ۱۲ منہ ۔

بر فع القيد فمن اذن له بالدخول لشئ ودخل بغيره فقد دخل بغير الاذن وإليه يشير قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ۔

من سمع رجلاً ينشد ضالة فى المسجد فليقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهٰذا (رواه احمد و مسلم وابو داؤد وابن ماجة عن ابى هريرة رضى الله عنه)

وهم جميعا عن بريدة رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا وجدته لا وجدته لا وجدته انما بنيت هذه المساجد لما بنيت له، ولعبد الرزاق عن ابى بكر بن محمّد ۔

انه سمع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم رجلا ينشد ضالة فى المسجد فقال ايها الناشد غيرك الواجد ليس لهٰذا بنيت المساجد والاحاديث فى الباب كثيرة وهو بعمومه يشمل من ينشد مصحفا للصلوٰة بل ومن ينشد امانة ضلت عنه مع ان انشادها واجب عليه ان الله يامركم ان تؤدوا الامانات الى اهلها ، فالانشاد مقدمة الوجدان والوجدان مقدمة الاداء والاداء واجب ومقدمة الواجب واجب۔ وكذالك عمم الفقهاء فقالوا كره انشاد ضالة ، ولم يستثنوا منه فصلا وذالك ان اتيان الواجب وان كان من اعمال الآخرة فما لكل عمل الاخرة بنيت المساجد انما بنيت لما بنيت له - احمد و مسلم

عن انس رضى الله تعالىٰ عنه عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان هذه المساجد لا تصلح لشئ من القذر والبول والخلاء وانما هى لقرأة القرآن وذكر الله تعالى والصلاة ۔ وللبخارى وابن ماجه عن ابى هريرة

رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما بنی لذکر اللہ والصلوٰۃ والحمد فی الزہد عن ابی ضمرۃ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وانما بنیت للذکر۔

وفی مسند الفردوس عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کل کلام فی المسجد لغو الا القراٰن وذکر اللہ تعالیٰ ومسألتہ عن خیر واعطاؤہٗ۔

وقد علمت ان لیس الأذان خالص ذکر ولو کان المسجد یبنی لہ لأتی الشرع بایقاعہ فیہ ولنقل ولو مرۃ وکیف یعقل ان شیأ بنی لہ المسجد لایفعل فیہ قط علٰی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم فیقال فیہ أیضا ان المساجد لم تبن لهذا، کیف والأذان للدعاء الی الحضرۃ، والحضرۃ لاتبنی لنداء الناس إلیہا وفیہا، واللہ الموفق۔ فهذا ما ظهر للعبد الضعیف من الکلام المجید والحدیث الحمید والفقہ السدید وحلہٗ کما تری واضح بلا امتراء وإن کان اٰخرہٗ من قبیل المتابعات والشواهد، ولکن کلہٗ لمن تحلی بالإنصاف۔ وهیہات لما یقنع المکابر ویقمع الاعتساف۔ ونسأل اللہ العفو والعافیۃ والرحمۃ الکافیۃ والنعمۃ الوافیۃ والعیشۃ الصافیۃ، والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ وبارک وسلم علٰی سیدنا محمد واٰلہ وابنہ وحزبہ اجمعین۔

الشمامة الرابعة من عود احراق الخلاف

الحمد لله وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ۔ لیعلم سادتنا واخوتنا اهل الحق والهدی حفظنا الله تعالی وایاهم عن الردی۔ ان الوهابیۃ العنود ومن تبعهم من طلبۃ الهنودیۃ لو جهدهم لیخرجوا حدیثاً صحیحاً ونصاً فی الفقہ صریحاً یفید ان السنۃ فی هذا الاذان کونہ فی جوف المسجد متصلاً بالمنبر کما تعودوہ ههنا فلم یقدروا۔ وما کان الله لیرفع لباطل راساً۔ فجعلوا یتشبثون بکل حشیش فاربعۃ اشیاء اتفقوا علی الاحتجاج بها۔

(۱) نصوصهم ان هذا الاذان بین یدی الخطیب۔

(۲) وتعبیر بعضهم فی مسئلۃ ان ایجاب السعی بالاذان الاول اوالثانی، هذا الاذان بالذی عند المنبر۔

(۳) وبعضهم بالذی علی المنبر

(۴) وزعموا ان کونہ داخل المسجد ملاصق المنبر هو التوارث۔

فمن احترس لنفسہ یجمل و یقول من القدیم والذی تجہ أیقول من لدن رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائہ الراشدین رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

(۵) وزعموا ان علیہ التعامل فی جمیع البلدان واجمع علیہ جمیع اہل الاسلام وتفرد بعضہم من بعض بشبہات اخرذات عجر و بجر، والعبد الضعیف بتوفیق الملک اللطیف عزجلالہ یرید ان یمر علیہا طردًا طردًا و یبین عوارہا فردا فردًا ، فلنبتدی بالاول ، ثم نتبعہا الباقی الاذل وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ۔

نفحہ (۱) قد بینا بالحدیث والفقہ ان السنۃ فی ھذا الاذان کونہ بین یدی الخطیب اذا جلس علے المنبر ولکن لیس فی لفظۃ بین یدیہ ۔ مایقرأعینہم ولا مایمیل الیہ انما مفادہا ان یکون بحذاء المنبر قبالۃ وجہ الخطیب من دون حائل یحجبہ عنہ وھذا یشمل داخل المسجد وخارجہ الی حیث تبقی المحاذاۃ والمشاہدۃ ، لیس فی مفاد اللفظ اکثر من ھذا ، غیران الفقہ دلنا علے ان الاذان لایکون فی جوف المسجد ولا بعیدًا منہ بحیث لایعد النداء ثمہ نداءً الی ھذا المسجد بل فی حدودہ وفنائہ والیہ ارشدنا الحدیث فتعین ھذا محلاً لہ ولنکشف الستر عن وجہ التحقیق فی مفاد ھذا اللفظ ۔

فاقول وباللہ التوفیق ۔ اللفظ مرکب ومعناہ الحقیقی بحسب اجزائہ الترکیبیۃ وقوع الشی فی الفضاء المحصور بین ھذین العضوین من المضاف الیہ سواء کان امامہ او خلفہ اولا ولا والفضاء محققا او متخیلا

فانك اذا ارسلت يديك فليس بينهما الاجناك وفخذاك وان بسطتهما قبالة وجهك او وراء ظهرك فكل ما وقع فى الفضاء المحصور بهما فهو بين يديك وهو امامك فى الاول وخلفك فى الثانى وليس امامك ولاخلفك فى صورة الارسال، وانت تعلم ان هذا المعنى لامساغ له ههنا بل الامر ان المركب ربما لايلاحظ الى معانى اجزائه التفصيلية ويصير باجماله دالا على معنى آخر لغة اوعرفا فهو وان كان مجازا له بالنظر الى مفصله يكون حقيقة لغوية اوعرفية فيه باعتبار اجماله وذالك فى لفظنا هذا معنى الامام والقدام اما مطلقاً من دون تخصيص بالقرب اومع لحاظه وحينئذ يفسر بالحاضر المشاهد لان شرط الرؤية العادية القرب والمقابلة فكل مرئى حين هو مرئى محاذ قريب وهذا منتهى مفاد اللفظ فى نفسه واختلاف حد والقرب تنشؤمن خصوصيات المقام لانه امر اضافى مشكك متفاوت غاية التفاوت۔ فيلاحظ لكل مقام مايستدعى دهى دلالة عقلية من الخارج لامن اللفظ ثم توسع فيه على الوجهين واستعير ظرف المكان للزمان فاريد به الماضى امامطلقا اوقريبا لان جهة المضى جهة الظهور كالامام اوالمستقبل كذالك لان كل آت قريب وانت متوجه الى المقابل فكانه لك مقابل وعلى هذين الوجهين ورد فى القرآن العظيم والمحاورات وبهما فسرته ائمة اللغة والتفسير الاثبات ووجدت اللفظة وردت فى القرآن الكريم فى ثمان وثلثين موضعا۔ فى عشرين منها لادلالة على القرب وفى واحد جاء على حقيقة اجزائه التركيبية وفى سبعة عشرا فيد القرب على تفاوت عظيم فيه من الاتصال الحقيقى الى فصل

(۱۵) ومن ذالك فی آل عمران عن عبدہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام
" ومصدقا لما بین یدی من التوراۃ " (۱۶) فی المائدۃ وقفینا علے
آثارھم بعیسی ابن مریم مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ (۱۷)
فی الصف مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی
اسمہ احمد، فما فسروہ الا بالقبیلۃ حملا لہ علی نظائرہ فی القرآن
العزیز وھو الذی یسبق الی الفھم وان امکن حملہ ھھنا علی الحضور
(۱۸) فی سورۃ البقرۃ فجعلناھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا۔ علی
التفسیر بما قبلھا وما بعدھا من الامم اذ ذکرت حالھم فی زبر الاولین
واشتھرت قصتھم فی الآخرین (بیضاوی) (۱۹) وفی حٰم السجدۃ
اذ جاءتھم الرسل من بین ایدیھم ومن خلفھم۔ عن الحسن انذروھم
من وقائع اللہ فیمن قبلھم من الامم وعذاب الآخرۃ اھ (نسفی) او
من قبلھم ومن بعدھم اذ قد بلغھم خبر المتقدمین واخبرھم ھود
وصالح عن المتاخرین داعین الی الایمان بھم اجمعین (بیضاوی) (۲۰)
فی الاحقاف (اذ انذر قومہ بالاحقاف وقد خلت النذر من بین یدیہ)
ای من قبل ھود (ومن خلفہ) من بعدہ الی اقوامھم (ان لا تعبدوا
الا اللہ (جلال)
ومن الثانی ۔ (۲۱) فی الاعراف وھو الذی یرسل الریح بشرا بین یدی
رحمتہ (۲۲) فی الفرقان ھو الذی ارسل الریح بشرا بین یدی رحمتہ
(۲۳) فی النمل امن یھدیکم فی ظلمٰت البر والبحر ومن یرسل الریح
بشرا بین یدی رحمتہ ۔ فانھا تدل علی قرب المطر (۲۴) فی الاعراف

مسیرۃ خمسمائۃ سنۃ، جعلنا ما الادلۃ فیہ علی القرب فریقا و البواقی فریقًا۔

فمن الاول - (۱) قول ربنا عزوجل فی سورۃ البقرۃ (۲) فی طٰہٰ (۳) فی الانبیاء (۴) فی الحج۔ "یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ" (۵) فی مریم۔ "له مابین ایدینا وما خلفنا وما بین ذالک"۔

فعلم اللہ تعالٰی وملکہ لایمکن اختصاصہ بقریب او بعید سواء اخذ الظرف مکانیا أوزمانیا، أو لوحظ معنی عام کما ھو الأنسب بالمقام الأفخم۔ (۶) فی سورۃ البقرۃ "فانہ نزلہ علی قلبک مصدقا لما بین یدیہ" (۷) فی آل عمران نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ (۸) فی سورۃ الانعام وھذا کتاب انزلناہ مبارک مصدق الذی بین یدیہ (۹) فی یونس وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ (۱۰) فی یوسف ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل کل شئ (۱۱) فی سبأ - وقال الذین کفروا لن نومن بھٰذا القرآن ولا بالذی بین یدیہ (۱۲) فی الملٰئکۃ والذی اوحینا الیک من الکتاب ھو الحق مصدقا لما بین یدیہ (۱۳) فی حٰمٓ السجدۃ وانہ لکتٰب عزیز لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (۱۴) فی الاحقاف قالوا یٰقومنا انا سمعنا کتٰبًا انزل من بعد موسٰی مصدقا لما بین یدیہ۔

فالقرآن[1] الکریم مصدقا لکل کتاب الٰھی نزل قبلہ قریبًا او بعیدًا ولا یخالفہ[2] شئ من کتب اللہ تعالٰی والکفرۃ بشئ لایومنون۔

---

[1] ناظر الی الآیۃ الثالثۃ عشر ۱۲ منہ علیہ الرحمہ [2] ناظر الی الآیۃ الحادیۃ عشر ۱۲ منہ۔

لاٰتینہم من بین ایدیہم ومن خلفہم وعن ایمانہم وعن شمائلہم فلابد للموسوس من القرب - والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ (۲۵) فی الرعد لہ معقبٰت من بین یدیہ ومن خلفہ - فان شان الحافظ القرب (۲۶) فی سبا افلم یروا الیٰ مابین ایدیہم وما خلفہم من السماء والارض یرید سماء الدنیا المرئیۃ لنا الاقرب الینا (۲۷) فیہا - ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ (الی قولہ عزوجل) یعملون لہ مما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیٰت - فان المقصود من العمل بین یدی الملک ان یکون بمرأی منہ علی وفق مایشاء (۲۸) فیہا - ومابصاحبکم من جنۃ ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید - دل علی قرب القیامۃ (۲۹) فی یٰس وجعلنا من بین ایدیہم سدًّا ومن خلفہم سدًا - ھذا علی الاتصال الحقیقی لیورث العمٰی والعیاذ باللہ تعالیٰ - (۳۰) وفیہا (واذا قیل لہم اتقوا مابین ایدیکم) من عذاب الدنیا کغیرکم (وما خلفکم) من عذاب الاخرۃ (جلال) (۳۱) فی حٰمٓ سجدۃ (وقیضنا لہم قرناء فزینوا لہم مابین ایدیہم) من امر الدنیا واتباع الشہوات (وماخلفہم) من امر الآخرۃ (جلال) (۳۲) فی الحجرات - یاایہا الذین اٰمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ - فان المفاد النہی عن قطع امر قبل حکم اللہ ورسولہ وتصویر شناعۃ ھذا المحسوس وھو تقدم العبد علیٰ مولاہ فی المسیر وانما یستہجن من قرب ما - (۳۳) فی الحدید، یوم تری المومنین والمومنٰت یسعیٰ نورہم بین ایدیہم وبایمانہم - کلمۃ یسعیٰ تدل علیٰ ارادۃ ماینور لہم فالمدلول

القرب اما النور فمتصل حقيقة (۳۴) فی المجادلة - یاایّها الذین
امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقة (۳۵)
فیها - ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقات - فان
المقصود تعظیم الرسول صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا یظهر الا بالقرب
(۳۶) فی الممتحنة (ولا یاتین ببهتان یفترینه بین ایدیهن وارجلهن)
ای بولد ملقوط ینسبنه الی الزوج و وصف بصفت الولد الحقیقی فان
الامّ اذا وضعته سقط بین یدیها ورجلیها اھ (جلال) فهذا علی الحقیقة
الترکیبیة (۳۷) فی التحریم - نورهم یسعیٰ بین ایدیهم وبایمانهم -
(۳۸) فی الجن (عٰلم الغیب فلا یظهر علیٰ غیبه احدا الا من ارتضیٰ
من رسول فانه یسلك) یجعل ویسیر (من بین یدیه) ای الرسول (ومن
خلفه رصدًا) ملٰئكة یحفظونه حتی یبلغه فی جملة الوحی (جلال)
هٰذہ واضحات -

ومنها - جعلناها نکالا لما بین یدیها وما خلفها، علی الاظهر الاشهر
ای الامم التی فی زمانها وبعدها (جلال) او لما بحضرتها من القریٰ
وما تباعد عنها - اولاهل تلك القریة وما حوالیها (بیضاوی)

- وکذا - اذ جاءتهم رسلهم من بین ایدیهم ومن خلفهم علیٰ معنی الوهم من کل جانب وعملوا فیهم کل حیلة اھ (مدارك، بیضاوی)
- واما تفسیر ائمة اللغة والتفسیر، ففی الصحاح، والقاموس، ثم مختار الصحاح، وتاج العروس وغیرها، بین یدی الساعة، ای قدامها اھ
- وفی الصراح - بین یدی پیش روئے او - ۲

- وفی التاج ۔ یقال بین یدیك بکل شی امامك ۔ اھ
- وفی معالم التنزیل من الحجرات ۔ معنی بین الیدین الامام والقدام اھ
- وفی الخازن من اٰل عمران ۔ ما بین یدیه هو ما امامه اھ ۔
- وفی ابی السعود من یونس علیه الصلوٰۃ والسلام ۔ بین یدیه ای امامه اھ ۔
- وفی الجلال من الرعد ۔ بین یدیه قدامه اھ ۔
- وفیه من مریم ۔ ما بین ایدینا ای امامنا اھ ۔
- وفیه فی غیرہ من البقرہ وغیرها ۔ مصدقا لما بین یدیه قبله من الکتب۔
- ثم فی الانموذج الجلیل تحت الکریمة السادسة والعشرین ۔ ما بین یدی الانسان هو کل شئ یقع نظرہ علیه من غیر ان یحول وجهه الیه اھ ۔
- وفی الکرخی ثم الفتوحات الالٰهیة ایضا تحتها ۔ من المعلوم ان ما بین یدی الانسان هو کل ما یقع نظرہ علیه من غیر ان یحول وجهه الیه ۔ اھ
- وفی تکملة مجمع البحار ۔ نعلته بین یدیك ای بحضرتك اھ ۔
- وفی عنایة القاضی من اٰیة الکرسی ۔ اطلاق ما بین ایدیهم علی امور الدنیا لانها حاضرۃ والحاضر یعبر عنه بذالك ۔ وامور الآخرہ مستترۃ کما یستتر عنك ما خلفك اھ ۔
- وفی الجمل منها ۔ (ما بین ایدیهم) ای ما هو حاضر مشاهد لهم اھ ۔
- وفی الخطیب الشربینی ثم الجمل (بین یدی اللّٰه ورسوله) معناہ بحضرتهما لان ما یحضرہ الانسان فهو بین یدیه ناظر الیه الخ ویأتی تمامه ۔

فاستبان لك بالقرآن العظيم والحديث ونصوص ائمة القديم والحديث ان لا دلالة اصلا لقول الفقهاء " يؤذن بين يدى الخطيب" على كون الاذان داخل المسجد فضلا عن كونه لصيق المنبر۔

فاولاً لا يتعين فى افادة القرب كما يظهر من عشرين آية تلونا اولاً وهما ذكرنا من كتب اللغة والتفسير سابقا فانما غرضهم افادة ان السنة فى هذا الاذان محاذاة الخطيب كما قال فى الفاتح شرح القدورى (اذن المؤذنون بين يدى المنبر) اى فى حذائه اھ فهذا هو المقصود بالافادة ههنا اما ان الاذان لا يكون فى جوف المسجد ولا بعيدا عنه بل فى حدوده وفنائه فمسألة اخرى معلومة فى محلها وبها تتعين محل هذه المحاذاة كما قدمنا۔

وثانياً۔ سلمنا القرب فهو امر اضافى و قرب كل شئ بحسبه الاترى

(١) الى الآية الحادية والعشرين دلت على قرب المطر لكن ليس ان تهب الرياح فينزل بل كما قال عز وجل "حتى اذا اقلت سحابا ثقالا سقنه لبلد ميت فانزلنا به الماء"۔

(٢) فى السادسة والعشرين جعل السماء بين ايدينا وبيننا وبينها مسيرة خمسمائة سنة۔ وهذا ترجمان القرآن علامة الكتاب من افصح العرب واعلمها باللسان عبد الله بن عباس رضى الله عنهما يقول فى تفسير آية الكرسى يعلم ما بين ايديهم يريد من السماء الى الارض وما خلفهم يريد فى السموات (رواه الطبرانى فى كتاب السنة)

(٣) وفى السابعة والعشرين ذكر عمل الجن بين يدى سيدنا سليمن

وھؤلاء الجن ھم الشیاطین کما قال تعالیٰ۔ ومن الشیاطین کل بناء و غواص وما کان لھم ان یدخلوا الحضرۃ السلیمانیۃ لیعملوا ثمہ محاریب وتماثیل وجفانا کالجواب وقد وارد اسیات تکفی واحدۃ منھا الف رجل وروی ابن ابی حاتم فی تفسیرہ عن سعید ناسعید بن جبیر قال "کان یوضع لسلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ثلثمائۃ الف کرسی فیجلس مومنو الانس مما یلیہ ومومنوا الجن من ورائھم اھ فما کانت الشیاطین الاوراء کل ذالک۔

(۴) وفی الثامنۃ والعشرین ارشد الی ان بعثۃ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقرب القیامۃ کما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "بعثت انا والساعۃ کھاتین" (رواہ احمد والشیخان عن سھل بن سعد وھم والترمذی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنھما) وقد امھل اللہ الامۃ المرحومۃ الی وقتنا ھذا الفا وثلثمائۃ وخمسا واربعین سنۃ و سنزید والحمد للہ الحمید ولم ینافہ ذالک الآیۃ ولا قولہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعثت بین یدی الساعۃ بالسیف حتی یعبد اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ (رواہ احمد وابو یعلی والطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلقہ البخاری)

(۵) الانجیل بین یدی القرآن وبینھما فی النزول اکثر من ستمائۃ سنۃ والتوراۃ بین یدی الانجیل وبین عیسیٰ وموسیٰ علے ما فی الجمل الف وتسعمائۃ وخمس وسبعون سنۃ وکذا ھی بین یدی الفرقان وبین نزولیھما نحو من ثلثۃ الاف سنۃ۔

(۶) لا یرتاب احد ان لمواجہ المغرب حین تدلت الشمس للغروب ان یقول

"ان الشمس بین یدی" وبالفارسیة "آفتاب پیش روئے من است" او بالھندیة "سورج میرے منہ کے سامنے ہے" مع ان بینھما مسیرة ثلثة الاف سنة وکذا یقول للثریا اذا واجھھا وبینھما مسیرة ثمانیة الاف سنة
(۷) فی الکریمة التاسعة والعشرین ارید الاتصال الحقیقی لان العمی لایحصل الا بذالك فظھران القرب المدلول بلفظ بین یدیه له عرض عریض منبسط من الاتصال الحقیقی الی مسیرة ثمانیة الاف سنة - وانما اصله الحاضر المشھود والاختلاف لاختلاف المحل والمقصود۔
فمثلاً (۱) الثریا تری من مسیرة کذا (۲) الشمس من کذا (۳) السماء من مسیرة خمسمأة سنة فکان ھی القراب فیھا (۴) وفی العملة من حیث یرون فلا یفتروا ولا یزیغوا (۵) المصلی مامور بقصر نظره علی موضع سجوده فھذا ھو موضع شھوده فلم یکن المرور بین یدیه الا اذا مر بحیث لوصلی صلٰوة الخاشعین یقع علیه نظره وھو المراد بموضع سجوده کما افاده المحققون (۶) فی قولك جلست بین یدیه یحتاج الی قرب اکثر مما یفید مجرد الابصار فانه یکون للمکالمة والسمع اقصر مدی من البصر والیه اشاروا فی الکشاف والمدارك والشربینی وغیرھا بقولھم "حقیقة قولھم جلست بین یدی فلان ان تجلس بین الجھتین المسامتین لیمینه وشماله قریبًا منه فسمیت الجھتان یدین لکونھما علی سمت الیدین مع القراب منھما توسعا کما یسمی الشئ باسم غیره اذا جاوره اھ"
وھذا ھو تمام عبارة الخطیب الموعود قلت - وفی قولھم اولاً حقیقة قولھم وآخرًا توسعًا اشارة الی ما قدمت من انه مجاز باعتبار

معانی الاجزاء التفصیلیة حقیقة باعتبار الاجمال (۷) یرید رجل قرأة القراٰن العظیم وهو محدث فیقول لعبده قم بالمصحف بین یدی فیدل علی القرب بحیث یمکنه القرأة منه ویختلف باختلاف نظره حدیدًا او کلیلًا واختلاف خط المصحف دقیقا وجلیلًا وهذا ما قالوا فی مصحف موضوع بین یدی المصلی، أو رحل وهو لا یحمل ولا یقلب انما یقرأ منه بالنظر فیه لا تفسد الصلوة عندهما، وعنده تفسد۔ کما فی الهندیة وغیرها۔ (۸) تضع شیأً بین یدی أحد لأکله فهذا اعلی ما تصل یده إلیه کحدیث البخاری عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنهما۔ جئت بقلیل رطب ووضعته بین یدی النبی صلے الله تعالیٰ علیه وسلم فأکل۔ (۹) متقابلان علی صحفة یا کلان منها فیاخذ أحد منهما شیئاً منها ویضع بین یدی صاحبه فهذا اعلیٰ جانب الصحفة الذی یلی صاحبه کحدیث البخاری عن انس رضی الله تعالیٰ عنه فجعلتُ اتتبع الدباء واضعهٗ بین یدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم (۱۰) جعلنا من بین ایدیهم سدًّا اعلی الإتصال الحقیقی کما علمت۔ وبالجملة کل هذه الاختلافات انما تنشؤ من اختلاف المقامات ولا دلالة علی شئ منها للفظ بین یدیه۔

واذا کان الامر علیٰ ما وصفنا بطل الاستدلال به علی الاتصال او القرب الاخص حتیٰ یستفاد منه کون الاذان داخل المسجد فضلاً عن کونه لصیق المنبر وهم المسدلون فلیاتوا ببرهان ان کانوا صادقین وانی لهم ذالك واذ قد عجزوا ولله الحمد فیسألونا ان نتبرع ونفیدهم ان القرب المدلول هو ان یکون ظاهرًا مشاهدًا لا یحتاج معه فی رؤیته

الی تحویل الوجه کما قدمنا التنصیص به عن الائمة هذا هو القدر المشترك والزیادة تستفاد من خصوص المقام کما علمت وهی ههنا کون الاذان فی حدود المسجد وفنائه فتم الامر وحصل النصر فظهر امر الله وهم کارهون والحمد لله رب العلمین۔

ثالثًا۔ نبینا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الحکم العدل وما کان علی عهده فهو الفصل الم تسمع من الحدیث الصحیح ان هذا الاذان کان یکون بین یدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی باب المسجد فعلم ان هذا القدر من القرب هو المراد ههنا فمن زاد او نقص فقد تعدی وظلم ای من زاد فی القرب فادخل الاذان فی المسجد بالمعنی الاول فقد تعدی عن سنة المصطفیٰ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ومن نقص منه فجعل هذا الاذان خارج المسجد بالمعانی الثلثة فقد ظلم ومن جعله داخل المسجد بالمعنیین الأخرین وخارج المسجد بالمعنی الاول فهو الذی بالحق حکم وحکم الله ورسوله اجل واحکم جل وعز وتعالیٰ وتکرم وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

نفحه (۲) ظهر مما زهر ولله الحمد سفاهة من تشبث ههنا بقول الراغب فی مفرداته یقول:

یقال هذا الشئ بین یدیك ای قریب منك اھ

وبکلام الکشاف والمدارك:

حقیقة قولهم جلست بین یدی فلان الخ

فاولا۔ لاننکر ان اللفظ ربما یلاحظ فیه القرب ولکن قد علمت ان للقرب

عرضًا بعيدًا۔

وثانيًا ۔ لم يدر ان الزيادة فی جلست بين يديه مستفاد من خصوص الجلوس كما بينا وله ايضًا عرض عريض فالوزير الاعظم وسوقی عظرافا مر السلطان بالجلوس، كلاهما يقول جلست بين يدی الملك ولكن شتان ما قرب الوزير وقرب من فی صف النعال اولعله لم يجلس الاعلیٰ عتبة الباب فينقلب السند علی من استند اذ صدق علی من فی الباب كونه بين يدی من فی صدر المجلس والمحراب ۔

ثالثًا ۔ حفظت شيأ وغابت عنك اشياء ۔ ايُّها الراغب إلیٰ قول الراغب هل تظنه مخالفا للنصوص التی قدمنا عن ائمة اللغة وجها بذة التفسير ام لا ؟ فعلی الاول ما الذی راغبك عنهم الی من شذ وهم الجم الغفير وعلی الثانی الم يكفك ما للحاضر المشاهد من القرب فان الروية العادية مشر وطها القرب ام زعمت ان القرب حد معين لا تشكيك فيه فاذن لا يحاورك الامثلك سفيه وهذا ربنا تبارك وتعالیٰ قائلا وقوله الحق ۔ اقتربت الساعة وانشق القمر ۔ بل قال عزوجل اقترب للناس حسابهم وهم فی غفلة معرضون ۔ والحساب بعد قيام الساعة بنصف اليوم، واليوم كان مقداره خمسين الف سنة ۔

وثالثًا ۔ ذكر الامام القدوری فی الكتاب حرز الاشياء بوجهين منهما حرز بالحافظ فقال فی الجوهرة النيرة، هذا اذا كان الحافظ قريبًا منه ای بحيث يراه اما اذا بعد بحيث لا يراه فليس بحافظ اھ، فانظر جعل ما يریٰ قريبًا ومانأی بحيث لا يریٰ بعيدا فهذا هو معنی القرب

فی کلام الراغب موافق لما نص علیہ الائمۃ الاطائب ۔

وخامسًا ۔ یقول لک الراغب أراغب انت عن بقیۃ کلامی یاغفول فان کلامہ ھکذا ۔

یقال ھٰذ الشئ قریبا منک وعلی ھٰذا قولہ لہ مابین ایدینا ومصدقا لما بین یدی من التوراۃ الخ وقولہ قال الذین کفروا لن نومن بھذا القرآن ولابالذی بین یدیہ ای متقدما لہ من الانجیل ونحوہ اھ (باختصار)

فانظر علی ماحمل القرب وقد جعل مفرعًا علیہ لہ مابین ایدینا اتراہ یقول ان مرادا لملٰئکۃ تخصیص ملک اللہ تعالیٰ بمایلیھم ۔

وسادسًا ۔ فرع علیہ مصدقا لما بین یدی من التورات وبینھما الفاسنۃ فاذا لم یمنع ھذ الفصل الکثیر الزمانی من القرب لم یمنع منہ الفصل القلیل المکانی بین المنبر وحرف المسجد وربما لایبلغ مائۃ ذراع بل ولا فی کثیر من المساجد عشرین ۔

وسابعًا ۔ ثم قال الراغب : أأُنزل علیہ الذکر من بیننا ۔ ای من جملتنا ۔ وقولہ : لن نومن بھذ القراٰن ای متقدمًا لہ من الانجیل ونحوہ انتھی فھذ التفسیر آخر لبین یدیہ ۔ اقتصر فیہ علی التقدم من دون تقیید بالقرب فقد افاد کلا الوجھین واقتصرت علی الاول بالشین والمین ۔

وثامنًا ۔ سلمنا لک ان مراد الراغب ماترید ولکن ھذا صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم السائب بن یزید العربی صاحب اللسان یقول کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

علیٰ باب المسجد، اھو اعلم باللسان ام انت وراغبك وبالجملة الحدیث فی جبھۃ حجاجکم کیۃ لا تمحی فللّٰہ الحمد۔

تاسعًا ۔ اعترف ھذا المستدل بان بین یدیہ فی بعض المواضع بحسب المقام تکون خالیًا عن معنی القرب دالًا علی مجرد المحاذاۃ۔ قال کما صار واقعا فی بعض الاٰیات القراٰنیۃ ایضا لکن ھھنا ای فی مسئلۃ الاذان لم یصرح بھذا فی کتاب (رام مترجما) فقد اقران بین یدیہ یستعمل علی کلا الوجھین وانہ ورد فی القراٰن العظیم ایضا بالوجھین ثم یقول لم یصرح بہ ھھنا فی کتاب ۔ یامسکین انت المستدل واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فما ینفعك عدم التصریح بہ انما کان علیك ان تبدی تصریحا بنفیہ ولکن الجھل بمسالك الاحتجاج یاتی بالعجائب ۔ ثم قولہ لما لا یریدہ ولا یرضاہ کما صار واقعا فی بعض اٰیات القراٰن ایضًا، یلمح الی شیٔ اصعب فان مثل ھذا الکلام فی مثل ھذا المقام یقال لما وقع سھوًا اوخطأً علیٰ خلاف الجادۃ نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ

عاشرًا ۔ اذ قد ثبت فی القراٰن العظیم فلم انت راغب عنہ الیٰ قول الراغب وتزعم ان المفاد ھو الذی قالہ لا ما وقع فی القراٰن الکریم فان زعمت ان ما انت فیہ لیس محلہ کان علیك ابداء ما ھو محلہ وانہ فی القراٰن لا ھھنا واثبات کل ذالك بالبینۃ والا فلم تقربانہ فی القراٰن المجید ثم انت عنہ تحید ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العزیز الحمید۔

نفحہ (۳) نص ائمتنا فی الاصول أنّ ۔ عند للحضور،

قال الامام الاجل فخر الاسلام البزدوی فی اصولہ ۔ والامام

صدر الشریعة فی التنقیح والتوضیح۔ واقرہ العلامۃ سعد التفتازانی فی التلویح۔ (عند للحضرۃ)

وفی تحریر المحقق علی الاطلاق وشرحہ التقریر لتلمیذہ المحقق الحلبی۔ (عند للحضرۃ)

الحسیۃ نحو فلما راٰہ مستقرا عندہ۔ والمعنویہ نحو قال الذی عندہ علم من الکتٰب اھ

وقال الامام الاجل ابو البرکات النسفی فی المنار وشرحہ کشف الاسرار والعلامۃ شمس الدین الفناری فی الفصول البدائع فی الاصول الشرائع والعلامۃ مولیٰ خسرو فی مراٰۃ الاصول وشرحہ مرقاۃ الوصول۔ (عند للحضرۃ الحقیقۃ اوالحکمیۃ اھ)

وفی مسلم الثبوت للمدقق البھاری وشرحہ فواتح الرحموت لملک العلماء بحر العلوم عبد العلی (عند للحضرۃ الحسیۃ) نحو عندی کون (والمعنویۃ) نحو عندی دین لفلان اھ)

ومعلوم ان کل حاضر بالمرأی وکل ما بالمرأی قریب فلا القرب ینکر ولا فی الاتصال یحصر فمفاد عند اوسع من مفاد۔ بین یدیہ، فضلاً عن ان یزید ضیقا علیہ۔ وقد فرقوا بین لدی وعند بان عند یستعمل فی القریب والبعید ولدی مختص بالقریب۔

قال الرضی فی شرح الکافیۃ : ۔ عند اعم تصرفا من لدی لان عند یستعمل فی الحاضر القریب وفیما ھو فی حرزک وان کان بعیدًا

بخلاف لدى فانہ لا یستعمل فی البعید اھ " والقرب کما علمت ذو وسع بعید ولنوضح ھھنا ایضًا بایات الکلام الحمید۔

(۱) قال اللہ عزوجل۔ ان الذین یغضون اصوا تھم عند رسول اللہ (الأیۃ)"۔ ومرّت فی النفحۃ الاولیٰ القراٰنیۃ امرکل من فی مشھدہٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغض الصوت ولا یختص بالذی یلیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فسواء فیہ من لدیہ ومن علی الباب کلھم عند رسول اللہ بلا ارتیاب صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا یحل لاحد ان یصیح ویصرخ فی حضرتہ اویرفع صوتا فوق ضرورتہ ولوکان مفاد "عند" مایزعمون لشمل ھٰذ الوعد الجمیل بمغفرۃ واجر عظیم، من قام بحضرتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی فصل عدۃ اذرع فجعل یصیح مع اٰخرصیاحًا شدیدًا منکرًا فاذا کان منہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بفصل شبر مثلًا او تکلم ھوصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غضّ صوتہ وھذا لا یقول بہٖ مسلم لہ عقل۔

(۲) قال جل وعلا۔ ھم الذین یقولون لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللہ حتی ینفضوا"۔ وھذا اوسع من ذالک یشمل کل من فی خدمتہ وان لم یکن الاٰن فی حضرتہٖ۔

(۳) قال تبارک وتعالیٰ۔ یقولون طاعۃ فاذا برزوا من عندک بیت طائفۃ منھم غیرالذی تقول واللہ یکتب مایبیتون"۔ ھذا فی المنافقین وما کانوا یلونہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المجلس انما کان ذالک لابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما ثم لا یختص بمن کان اقرب منھم بالنسبۃ الی الأخر بل یشمل ھم جمیعًا۔

(٤) قال المولیٰ سبحانه وتعالیٰ ۔ ان المتقین فی جنٰت ونھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر ۔ عمت کل متق ولکن این احاد الصلحاء من العلماء والعلماء من الاولیاء والاولیاء من الصحابۃ والصحابۃ من الانبیاء والانبیاء من سید الانبیاء صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فرق لایقدر ولایقدر بشران یتصور اعظم بالوف الاف مرات مما بین الفلک الاعلیٰ وما تحت الثریٰ وقد شملت کلھم عند ۔

(٥) مثل قوله عزوجل ۔ ان للمتقین عند ربھم جنٰت نعیم ۔ فی اٰیات اُخر ۔

(٦) وقال العلی الاعلیٰ تبارک وتعالیٰ ۔ اذ قالت رب ابن لی عندک بیتًا فی الجنۃ ، ومعلوم ان اللّٰہ تعالیٰ قد استجاب لھا وقد فرج لھا فی الدنیا عن بیتھا کما فی حدیث سلمان وحدیث ابی ھریرۃ بسند صحیح رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما وما کانت لتطلب اقرب المنازل وان تفضل علی الانبیاء والرسل علیھم وعلیھا الصلوٰۃ والسلام ۔ بل قربًا یلیق بھا وان لم یساوما لخدیجۃ وفاطمۃ وعائشہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھن فضلا عن الانبیاء الکرام علیھم الصلوٰۃ والسلام ۔

(٧) وقال عزوعلا فی الشھداء ۔ بل احیاء عند ربھم ، واین رجل من احاد الشھداء من سیدھم حمزۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ بل من نبی اللّٰہ یحییٰ وغیرہ ممن استشھد من الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ۔

(٨) قال جل ذکرہ فی الملٰئکۃ ، ان الذین عند ربک ، وتفاوتھم فیما بینھم معلوم غیر مفھوم وما منا الا له مقام معلوم ۔

(۹) قال عز من قائل "وقد مكروا مكرهم وعند الله مكرهم" وما كان لمكر الكفار ان يكون له قرب من العزيز الجبار لا مكانا لاستحالته ولا مكانة لاستهانته وانما هو للحضور اى حاضر بين يديه لا يخفى عليه فيرجع الى معنى العلم۔

(۱۰) قال سبحانه ما اعظم شانه "ثم محلها الى البيت العتيق" يعنى البدن قال فى المعالم "اى عند البيت العتيق يريد ارض الحرم كلها قال فلا يقربوا المسجد الحرام كله" اھ "جعل جميع اجزاء الحرم اذ كلها منحر عند البيت العتيق ومعلوم ان كثيرا منها على فصل فراسخ من البيت الكريم.

(۱۱) ترى التابعين يقولون فى احاديثهم كنا عند عائشة رضى الله تعالىٰ عنها فلا ادرى على اى قرب يحمله المبطلون۔

(۱۲) يقول الحاجب جئت من عند الملك وما كان الا على الباب۔

(۱۳) يقول مكى بيتى عند باب السلام وربما كان بينهما اكثر من مائتى ذراع.

(۱۴) يقول التلميذ جلست عند شيخى ثلث سنين كوامل وان لم يكن قيامه الا فى مسجده وجلوسه الا فى اخريات مجلسه۔

(۱۵) اتوخذ لفظة عند من كلام بعض الفقهاء ولا يوخذ ما ابانوا من معنى عند، قال فى الكتاب الهداية والكنز والتنوير وغيرها واللفظ للكنز۔

من سرق من المسجد متاعا وربه عنده قطع اھ

فقال عليه فى شروحها المجتبىٰ وفتح القدير وبحر الرائق والدر المختار وغيرها والنظم للدر۔

عنده اى بحيث يراه اھ

نظهران معنی عند لایزید علی ما بینا من مفاد بین یدیه ولا دلالة لشیٔ منهما ان الاذان داخل المسجد فضلاً عن کونہ لصیق المنبر ولکن اذا رسخ فی القلب وھم فکلما یراہ یتخیلہ ایاہ وکلما یسمع یتوھمه بمعناہ کما قیل سغبان واحد مع واحد کم یصیر قال خبزان۔

نفحہ (۴) استبان مما بان ولله الحمد جہالة من تمسك ھنا بقول الراغب "عند" لفظ موضوع للقرب فتارة یستعمل فی المکان وتارة فی الاعتقاد نحو عندی کذا وتارة فی الزلفی والمنزلة اھ "وقول المبسوط "عند عبارة عن القرب" وبان ترجمتہ بالفارسیة نزد" وبالھندیة "پاس" وقد افدناك من موارد القرب ما یغنی عن اعادتہ وجمیع الآیات التی تلونا انما ترجموا "عند" فیھا باللسانین بلفظة "نزد وپاس" مع ما فیھا من العرض العریض کما بینا وکذالك فی "اقتربت الساعة" وفی "اقترب للناس حسابھم" وغیر ذالك مما لا یخفی علی الصبیان وقد سئلناھم مرارًا عن مسئلة فقھیة فلم یجب احدٌ منھم الی الآن وکیف یجیبوا وما لھم بہ یدان واذا بزغ الحق کل اللسان۔

صورتھا زید صنع منبرا تبلغ قیمتہ دینارًا عشرة دراھم او اکثر وھو خفیف بحیث یذھب بہ رجل واحد لا ینؤبہ ولا یؤدہ شیٔ من حملہ و اذھابہ فاذا جاء فی المسجد حین المنبر کان المتولی یستعیرہ من مالکہ ثم اذا فرغ یردہ الیہ وذات یوم قضیت الصلوٰة وانتشر وافی الارض والمنبر بعد فی مکانہ ومالکہ قام بحذائہ علی باب المسجد او فی فنائہ اذ دخل وھابی من باب آخر مسترقا وخانت التفاتة من زید فاخذ المنبر وشرد

فهل يقطع هذا الوهابی السارق شرعًا امر لا۔ فان قالوا لا فقد خالفوا نصوص الائمة اذ قالوا۔

" من سرق من المسجد متاعًا وربه عنده بحيث يراه قطع "

وان قالوا نعم فقد كان شرط القطع ان يكون ربه عنده ليكون محرزًا بالحافظ اذ المسجد ليس بحرز فقد اعترفوا ان القائم على باب المسجد او فی حدوده او فنائه حذاء المنبر قائم عند المنبر فثبت ان الاذان فی فناء المسجد بحذاء المنبر اذان عند المنبر و ذالك ما اردناه ولله الحمد حمدًا كثيرا طيبًا مباركًا فيه كما يحبه و يرضاه۔

نفحه (۵) لئن نزلنا الی مثل مداركهم فلا شك ان عند ظرف زمان ومكان قال تعالیٰ " خذوا زينتكم عند كل مسجد " ای ثيابكم وقت كل صلاة۔

والوقت يضاف الی الامكنة والاجسام ايضا اذا كان له اختصاص بها۔ قال تعالیٰ " يوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم " وانما حنين اسم مكان وكذا يوم بدر يوم احد يوم الدار ليلة عقبة ليلة المعراج ليلة الغار فی الصحيحين " من لها يوم السبع " سبع بسكون الباء مكان المحشر او بضمها الحيوان المفترس وعليه الاكثر ولا شك ان لهذا الوقت اختصاصًا بالمنبر فعند المنبر ای وقته وحينه۔

نفحه (۶) احتجوا بقول بعضهم " على المنبر " فمن هؤلاء من يفسره بعند وقد علمت ان ليس فی عند ما يقر اعينهم واجهلهم يقول " على " ههنا بمعنى الباء يريد ان الباء للالصاق فكان الاذان

ملاصق المنبر مع ان الالصاق الذی فی الباء لیس قطعا بمعنی الاتصال الحقیقی تقول مررت بزید اذا مررت بحیث تراہ وان کان بینکما اکثر مما بین المنبر والباب قال تعالٰی

وکاین من اٰیة فی السموات والارض یمرون علیها وهم عنها معرضون۔ ههُنا لفظ علٰی نفسها وانت لایبلغ الاسباب اسباب السمٰوات حتی تلتصق باٰیاتها انما المعنی تمر بحیث تراها۔

وامثلهم طریقة یقول ان بعض الفقهاء اتٰی بعلٰی تاکیدًا للقرب یرید ان المراد المبالغة فی العقرب حتی کانه علیه فوقه وکل هذا من هوساتهم۔

فاولاً۔ قد اجمع العقلاء ان اللفظ متٰی احتمل الحقیقة لایجاز عنها الی المجاز ومعلوم ان علی بمعنی عند اوبمعنی الباء اوللمبالغة کل ذالك مجاز وهی حقیقة فی اللزوم۔ ففی اصول الامام شمس الائمة ثم کشف الامام البخاری۔

"اما علی فللالزام باعتبار اصل الوضع اهـ"

وفی تحریر الامام ابن الهمام وتقریب الامام ابن امیر الحاج

"وهوای اللزوم هو بمعنی الحقیقی اهـ"

وفی الرضی الکافیة :

"منه سر علٰی اسم الله تعالٰی ای ملتزما اهـ"

قال ربنا عزوجل ــــ فجاءته احدٰهما تمشی علی استحیاء ای ملازمة للحیاء۔ ولاشك ان هذا الاذان اَیما کان لازم ملازم للمنبر فانی

توفكون۔

وثانیًا : "لیست" "علیٰ" للمصاحبة۔ قال الإمام الجلیل الجلال السیوطی فی الاتقان "علیٰ حرف جرلها معان (الی ان قال) ثانیهما المصاحبة کمع نحو وآتی المال علی حبه ای مع حبه۔ وان ربك لذو مغفرة للناس علی ظلمهم اھ وفی الحدیث "زکاة الفطرة علی کل حروعبد" قال فی النهایة "قیل علیٰ ههنا بمعنیٰ مع لان العبد لا تجب علیه الفطرة وانما تجب علی سیده اھ" وفی القاموس "والمصاحبة کمع وآتی المال علی حبه اھ وفی الفتوحات الٰهیة تحت قوله تعالی "تمشی علی استحیاء" علی بمعنی مع ای مع استحیاء اھ" ولا شك ان هٰذ الاذان مصاحب المنبر لا یتقدمه ولا یتأخر عنه فان کانت حقیقة فی المصاحبة فذاك والا بطل مجازکم باحتمال مجاز اٰخر اذ انتم المستدلون۔

ثالثًا۔ قال ربنا عزوجل "(واتبعوا ما تتلوا الشیٰطین علی ملك سلیمان) قال فی الاتقان والفتوحات الالٰهیة —— (ای فی زمن ملکه) وفی مدارك الامام النسفی —— (ای علی عهد ملکه وفی زمانه) اھ ولاشك ان هذ الاذان علی عهد المنبر وفی زمانه۔ فرجعت الی معنی عند الزمانیه۔

ورابعًا۔ اصل الکلام انهم اختلفوا فی الاذان المعتبر لایجاب السعی وترك العمل هل هو الاذان الاول کما هو الاصح وبه قال الحسن بن زیاد عن سیدنا الامام الاعظم رضی الله تعالی عنه ام اذان الخطبة لانه لم یکن عند نزول الکریمة غیره وبه قال الامام الطحاوی رحمه الله

تعالیٰ و نقل السمنی فی شرح النقایہ کلامہ ھکذا قال الطحاوی۔

انما یجب السعی وترک البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام
علی المنبر لانہ الذی کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اھ۔

وفی مرقاۃ علی القاری قال الطحاوی:

انما یجب السعی وترک البیع اذا اذن الاذان والامام علی
المنبر لانہ الذی کان علی عہدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وزمن
الشیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اھ

وھذا کما تری لامثار لوھمھم فیہ۔ وکان بعض المتاخرین اختصروا مقالہ
ولیراجع اصل لفظہ رحمہ اللہ تعالیٰ فانی ارجو ان لایکون فیہ ما اوقعھم
فی الوھم وکیف ما کان فانما استدل بانہ الذی کان علی عہد رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وھکذا ذکر
فی حلیہ من عبرہ بالاذان علی المنبر او عند المنبر کالکافی، والکفایۃ والمبسوط
وغیرھما۔ ومعلوم قطعًا انہ لم یکن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم فوق المنبر ولذا احتاج ھؤلاء ایضا الی تاویل علی بعند أو الباء، أو
المبالغۃ فاذن یجب حملہ علی ما کان علیہ فی زمنہ الکریم وکما لم یثبت
کونہٗ فی عہدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوق المنبر، کذالک لم یثبت
کونہ ملاصق المنبر، او عند المنبر بالمعنی الذی یزعمون۔ وانما ثبت
کونہ علی باب المسجد فیجب ان لا یحمل الا علی ما یوافقہٗ عند کان او
علی، ولکن الانصاف قد عزفی الاخلاف۔

نفحه (٧) لئن تنزلنا لهم عن جميع هٰذه التحقيقات التی ذکرنا بتوفیق ربنا علی الاعلٰی فی " عند وعلٰی "

فاولا - ما قولهم " المعتبر الاذان علی المنارة او الاذان علی المنبر او عند المنبر " الاحکایة حال للتعریف ویعرف کل احد حتی الصبیان انه لیس بحکم وقولهم " لایوذن فی المسجد، ویکرہ الاذان فی المسجد " حکم والعبرة بالحکم لا بالحکایة -

وثانیا - الاذان الذی کذا بیان علامة له فلا یدل علی جوازہ فضلا عن استنانہ قال الامام الاجل ابو زکریا النووی فی شرح صحیح مسلم ثم العلامة المحدث طاهر فی مجمع بحار الانوار -

ان العلامة تکون بحرام ومباح - اھ

ارأیت ان اجتمع فی صعید السلطان والامراء والناس فمن لایعرف السلطان سأل عالما " من فیهم الملك الذی یفترض علینا طاعتہ فی المعروف " فقال الذی علی راسه تاج الذهب - هل یکون ذالك حکما منه بجواز لیس الذهب للرجال کلا، علماؤنا قد ارشدوا الی الحکمین ان لا یؤذن فی المسجد وانه مکروہ فی المسجد ومع ذالك لاشك ان لو فعل فیه کما یفعل هٰؤلاء لکان موجبا للسعی وترك البیع علی قول الامام الطحاوی فلو فرض ان الناس أحدثوہ هکذا فعرفوہ به بیانا لحکم السعی کان ماذا -

ثالثا - الحکم الضمنی فی الوصف العنوانی حکم منطقی والحکم المنطقی ان کان قصدیا لم یلزم ان یکون شرعیا فکیف اذا کان ضمنیا الم تسمع الی ما قاله العلماء فی حدیث " علیك السلام تحیة الموتٰی " -

ورابعًا - بعد التيا والتی ان كان فمن باب «الاشارة» و قولهم لايوذن فی المسجد ویكره الاذان فی المسجد «عبارة» وقد نصوا قاطبة ان العبارة مرجحة على الاشارة وان الحكم و الفتيا بالمرجوح جهل وخرق الاجماع - كما فی تصحيح القدوری والدر المختار -

وخامسًا - فی معانيه انواع الاحتمال، والنصان صريحان والمحتمل لايعارض الصريح واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال -

وسادسًا - مع قطع النظر عن كل ما مرّ غايته تعارض حاظر ومبيح فيترجح الحظر بل الأمر إذا تردّد بين السنة والكراهة كان سبيله الترك كما نصّ عليه فی رد المحتار والبحر وغيرهما - لأنّ درء المفاسد اهم من المصالح - وفی معراج الدراية للامام القوام الكاكی ثم منحة الخالق غض البصر مكروه والجماعة سنة فترك السنة أولى من ارتكاب المكروه اھ فعلى كل حال ما النصر الّا لنا ولا اللہ اثرة إلّا عليهم ولله الحمد -

* فهذه عشرة أجوبه عن «عند» وعشرة عن «على» والحمد لله العلىّ الاعلى - وانت خبير ان كل ما ذكرنا فی هذه النفحة الأخيرة فانما هو على غايته التنزل وارخاء العنان وجرى على سنن المناظرة والا حققنا كلام الفقهاء الكرام بما لا يبقىٰ معه للمنصف كلام ولا للمجادل مجال جدال واما المكابر فداءه عضال نسأل الله العفو والعافية -

نفحه (۸) اعلم ان السنة عند السادة المالكية فی اذان الخطبة ايضًا ان يكون على المنارة وصرحوا ان كونه بين يدی الخطيب بدعة

ومکروهة وقال الامام محمد العبدری الفاسی المالکی فی المدخل۔

ان السنة فی اذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبران یکون
الموذن علی المنارة کذالک کان علی عهد النبی صلی اللہ تعالی علیہ
وسلم وابی بکر وعمر وصدرًا من خلافة عثمان رضی اللہ تعالی عنہم
ثم زاد عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اذانًا آخر بالزوراء وابقی الاذان
الذی کان علی عهد رسول اللہ تعالی علیہ وسلم علی المنار والخطیب
علی المنبر اذ ذاک ثم لما تولی هشام بن عبد الملک اخذ الاذان
الذی فعلہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ بالزوراء وجعلہ علی المنار
ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر
علی عهد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرًا من
خلافة عثمان رضی اللہ تعالی عنہم بین یدیہ۔ قال علماؤنا
رحمہ اللہ تعالی علیہ وسنة النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم
اولی ان تتبع (اھ باختصار)

وفی حواشی الجواهر الزکیة شرح العشماویة للعلامة یوسف الصفطی المالکی۔

الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیہ اهل المغرب
الی الآن وفعلہ بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ البرزلی
وقد نهی عنہ مالک فعلہ علی المنار والامام جالس هو المشروع
اھ سکندری اھ

وفی المواهب اللدنیة للامام احمد القسطلانی وشرحها للعلامة محمد
الزرقانی المالکی رحمهما اللہ تعالی۔

قال الشيخ خليل ابن اسحاق فی التوضیح شرحه علی ابن الحاجب :

" اختلف النقل هل کان یؤذن بین یدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

او علی المنار الذی نقله اصحابنا انه کان علی المنار نقله ابن القاسم

عن مالک فی المجموعة ونقل ابن عبد البر فی کافیه عن مالک

رضی اللہ تعالیٰ عنه ان الاذان بین یدی الإمام لیس من الامر

القدیم الخ "

وسیأتی تمامه بعونه تعالیٰ ۔ فهذه نصوص الامام مالک واصحابه علی أن کون الاذان بین یدی الخطیب بدعة من راسه فضلاً عن کونه فی المسجد وانما السنة فیه ایضا کاذان سائر الصلوات کونه علی المنار فظهران ادعائهم اجماع المسلمین علی الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فریة منهم وای اجماع یقوم مع خلاف امام دار الهجرة وجماهیر اصحابه رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم وکذا کذب من ادعیٰ اجماع المذاهب الأربعة ولعل مالکا لیس عنده من الأربعة ۔ هذا اذا لم یصرح ائمتنا الحنفیة بکراهة الاذان داخل المسجد فکیف وقد صرحوا ۔ ولا نعلم خلافا فیه عن غیرهم فلا یبعد ان الاجماع علی خلاف ما هم علیه وباللہ التوفیق ۔

نفحه (٩) وبه ظهر بطلان زعمهم تعامل جمیع المسلمین فی جمیع بلاد الاسلام بایقاع هذا الاذان داخل المسجد لصیق المنبر الم تسمع السکندری ثم السفطی ، ان الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیه اهل المغرب الی الآن ام ، ونری فی معظم بلادنا الجوامع السلطانیة مبنیة فیها دکة لهذا الاذان بعیدة عن المنبر وعلیها یفعل الی الآن

عه دکک

وقد قدمنا انہ اذان خارج المسجد لکن العوام لایعلمون۔ یعلمون ظاہراً من الحال وعن الحقیقۃ ھم غافلون۔ واذ لم یہتدوا لھا طنوہ اذانا فی المسجد فعن ھذا نشأ وفشا فیہم ھذا ثم قاسوا علیہ اذان سائر الصلوات۔ اذلافارق ولا قائل بالفرق فتری ھم فی کل صلاۃ یقوم احدھم ایما شاء من بیت اللہ فیرفع عقیرتہ بالاذان۔ واذا قیل لہ اتق اللہ قابل بالعناد والطغیان فصار عمل السنۃ عندھم منسیا وتصریحات الفقہ شیئاً فریا احدثوا تعاملا فیما بینھم علی خلاف الشریعۃ ثم جعلوہ لابطال حکم الشرع ذریعۃ والی اللہ المشتکی وھو المستعان۔

ولم یعلموا ان مثل ھذا التعامل لاحجۃ فیہ والا لکان الکذب والغیبۃ والنمیمۃ اجدر بالجواز فانھا اکثر تعاملاً وافشیٰ فی الناس شرقاً وغرباً بعد قرون الخیر قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ثم یفشوا الکذب "

قال فی فتاوی الغیاثیۃ اواخر کتاب الاجارۃ عن السید الامام الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ

انما یدل علی الجواز مایکون علی الاستمرار من صدر الاول فاذا لم یکن کذالک لایکون فعلھم حجۃ الا اذا کان من الناس کافۃ فی البلدان کلھا الاتریٰ انھم لو تعاملوا علیٰ بیع الخمر اوعلی الربا لایفتیٰ بالحل اھ

وفی جمعۃ رد المحتار:

المتعارف انما یصلح دلیلاً علی الحل اذا کان عاما من عھد الصحابۃ والمجتھدین کما صرحوا بہ اھ

وفی جنائزہ نقلاً عن بعض المحققین من الشوافع بالتقریر ما نصہ:

هذا الاجماع اكثری وان سلم فمحل حجیته عند صلاح الازمنة
بحیث ینفذ فیها الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وقد تعطل
ذالک منذ ازمنة

وفی المکتوب الرابع والخمسین من المجلد الثانی من المکتوبات الشیخ احمد النمری السرهندی الشهیر بمجدد الالف الثانی ماترجمته:

غمرت الدنیا فی بحر البدعات واطمأنت بظلمات المحدثات
من یستطیع دعوی رفع البدعة والتکلم باحیاء السنة اکثر
علماء الزمن حماة البدع

ومحاة السنن یحسبون شیوع البدع تعاملا فیفتون بجوازها بل استحسانها ویدلون الناس علی اتیانها یظنون ان الضلال اذا شاع والباطل اذا تعورف صار تعاملا ولا یدرون ان مثل هذا التعامل بشئ لیس دلیلا علی حسنه انما العبرة بتعامل جاء من الصدر الاول او حصل اجماع جمیع الناس علیه ثم احتج بعبارة الغیاثیة المذکورة ثم قال ۔

ولاشک ان العلم بتعامل الناس کافة وعمل جمیع القری
والبلدان خارج عن وسع البشر اھ

واکثر المخالفین لنا فی المسئلة الدائرة انما یفتخرون بانهم من غلمان هذا الشیخ وقد قرأ علیهم قوله هذا مرارًا فلا یسمعون ولا ینتهون عن ادعاء التعامل ولا یرعوون انما اتخذوا شیخهم هواهم ۔ فهم بفتوی الهوی یعملون ۔ نسأل الله العفو والعافیة ۔

قال العلامة الشامی فی رد المحتار من الاجارات وفی رسالته

« تحرير العبارة » وفى كتابه « العقود الدرية » كلها عن العلامة «قنالى زاده»[1]

ان مسألة البناء والغرس على ارض الوقف كثيرة الوقوع فى البلدان واذا طلب المتولى او القاضى رفع اجارتها الى اجر المثل يتظلم المستاجرون ويزعمون انه ظلم، وهم ظالمون. وبعض الصدور والاكابر يعاونهم ويزعمون ان هذا التحريك الفتنة على الناس وان الصواب ابقاء الامور على ما هى عليه وان شر الامور محدثاتها ولا يعلمون ان الشر فى اغضاء العين عن الشرع وان احياء السنة عند فساد الامة من افضل الجهاد واجزل القرب اه

وفى تحرير الغياث :

نعلم بهذا ان هذه علة قديمة ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم اه

وفى رد المحتار :

اذا تكلم احد بين الناس بذلك يعدون كلامه منكرا من القول وزورا وهذه بلية قديمة . اه

وفيه وفى العقود الدرية :

« وهذا علم فى ورق »

وهذه لعمرك حال الناس فى تهالكهم على هذا المحدث وهذه هى اعذارهم فى ابقاءه . والقاء السنة . والله المستعان . ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم .

---

[1] هكذا فى رد المحتار طبع فى قسطنطنيه وفى تحرير العبارة قنلى ثاده بغير الالف وفى العقود الدريه منلى زاده بالميم

نفحه (۱۰) اذ قد ظهران لا تعامل الی الاٰن نما ظنك بالتوارث الذی به یلهجون واذا اخذوا بالحدیث والفقه فهم یتلجلجون ویا سبحان الله انما التوارث التعامل فی جمیع القرون - فاذا لم یتحقق الی الاٰن کیف یثبت من سالف الزمان واذ قد ارشد الحدیث الصحیح ان الذی فی عهد الرسالة والخلافة الراشدة کان علیٰ خلاف ما یزعمون فانی یصح التوارث والی من یسندون وعمن یروون قال المحقق حیث اطلق فی فتح القدیر مسألة الجهر فی الاولین والاخفاء فی الاخریین -

قوله - هذا هو المتوارث ، یعنی انا اخذ نا عمن یلینا الصلاة هکذا فعلاً وهم عمن یلیهم کذالك وهکذا الی الصحابة رضی الله عنهم وهم بالضرورة اخذوہ عن صاحب الوحی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فلا یحتاج الی ان ینقل فیه نص معین - اھ

فهذا معنی التوارث المحتج به شرعاً مطلقا المستغنی عن ابداء سند خاص وانی لهم بذالك وکیف یصح فیما قد علمنا عن صاحب الوحی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وعن خلفائه الراشدین رضی الله تعالیٰ عنهم خلافه

اقول و تحقیق المقام ان الاحوال اربع

(۱) العلم بعدم الحدوث

(۲) وعدم العلم بالحدوث

(۳) والعلم بالحدوث تفصیلاً ای مع العلم بانه حدث فی الوقت الفلانی -

(۴) والعلم به اجمالاً ان علمنا انه حادث ولا نعلم متیٰ احدث ومن احدث فالشیء اذا کان ناشیا متعاملاً به فی عامة المسلمین، وعلمنا انه

هو الذى كان على عهده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فهو القسم الاول۔ وهو المتوارث الاعلىٰ واذ لم يعلم كيف كان الامر على عهد النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولا علم انه حادث بعده صلى الله عليه وسلم فيحمل على ان كل قرن اخذه عن سابقه ويجعل متوارثا تحكيمًا للحال حملا على الظاهر والاصل۔ اذ الاصل فى الامور الشرعية هو الاخذ عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔ والعمل بالسنة هو الظاهر من حال عامة المسلمين۔ وهذا هو القسم الثانى، وهذا ما يقال فيه انه لا يحتاج الى سند خاص اما اذا علم حدوثه فلا يمكن جعله متوارثا عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سواء علمنا وقت حدوثه اولا۔ لان عدم العلم بوقت الحدوث ليس عدم العلم بالحدوث فضلا عن العلم بعدم الحدوث فرب حادث نعلم قطعا انه حادث ولا نعلم متى حدث كاهرام مصر، بل والسماء والارض فى الحدوث المطلق ومعاليق الحجرة الشريفة التى تعلق حولها من قناديل الذهب والفضة۔ ونحوهما۔ فى الحدوث المقيد قال السيد السمهودى فى خلاصة الوفاء۔

ولم اقف على ابتداء حدوثها الخ

وحينئذ ينظر هل يخالف هذا سنة ثابتة فى خصوص الامر اولا۔ على الثانى يحال الامر على حال الشئ فى نفسه فان كان حسنا داخلا تحت قواعد الحسن فحسن على تفاوته من الاستحباب الى الوجوب حسب ما تقتضيه القواعد الشرعية۔ وقد يطلق عليه "المتوارث" اذا تقادم عهده كذكر العمين الكريمين فى الخطبة۔ وهذا ادنى اقسامه۔ ولا اطلاق له على مادونه۔ اللّٰهم الا لغة۔ كتوارث التقية فى الرافضة۔ والكذب

فی الوھابیۃ ۔

وان کان قبیحًا داخلا تحت قواعد القبح فیقیم علی تفاوتہ من الکراھۃ الی التحریم اولا ولا فلا ولا بل مباح عہ والخروج عن العادۃ شھرۃ ومکروہ کما نصوا علیہ ۔ وورد "خالقوا الناس باخلاقھم" فقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "بشروا ولا تنفروا ۔

وعلی الاول یرد ولا یقبل وان فشا ما فشا، وقد اجار اللہ الامۃ عن الاجتماع علی مثلہ الا ان یکون شئ تغیر فیہ الحکم بتغیر الزمان کمنع النساء عن المساجد وھذا فی الحقیقۃ لیس مخالفًا للسنۃ الثابتۃ بل موافق لھا ۔ وان خالف الواقع فی عھدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لان الواقع کان لشئ کان وبان والحادث لشئ لوکان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم لکان ۔

فھذا ھو التحقیق ومعلوم ان مسئلتنا ھذہ من القسم الرابع فی التقسیم الاول ۔ والقسم الاول فی التقسیم الثانی ای نعلم انہ حادث وان لم نعلم متی حدث ۔ ونعلم ان الواقع علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان علی خلاف ذالک ولیس ولیس شیئًا یتغیر فیہ الحکم بتغیر الزمان ومع ھذا تظافرت النصوص عن ائمۃ الفقہ بنھی عام ھو داخل فیہ ۔ بل ارشد الائمۃ الی النھی عن خصوصہ ۔ ودلت الادلۃ علی قبحہ وشناعتہ کما تقدم کل ذالک، فثبت انہ یستحیل جعلہ متوارثا ۔ بل ھو من المحدثات المردودۃ قطعًا ۔ والحمد للہ ۔

وبہ التبیان ان الجھل بمبدأہ لا یجعلہ قدیما للعلم بحدوثہ بل الجھل بالمبدء یوخرہ جدا ۔ لان الحادث انما یضاف الی اقرب الاوقات

عہ بیاض فی الاصل

وزعم انه حدث من زمن سیدنا عثمٰن رضی اللہ عنہ فریۃ بلامریۃ۔
واحتجاج التانوی الوہابی لہ بانہ لما قال فی الہدایہ " اذاصعد الامام المنبر جلس اذن المؤذنون بین یدی الامام بذالک جری التوارث" اھ
قال علیہ امام العینی فی البنایۃ " ای فی زمن عثمان " اھ۔
ولایمکن ان یراد بقولہ بین یدی المنبر مجرد المحاذات لثبوتھا من زمن الرسالۃ فلابد ان یراد بہ کونہ لدی المنبر متصلاً بہ لیصح جعلہ متوارثا من زمن عثمان لاقبلہ اھ
ومازعم الوہابی المفتری وھذہ فریۃ فوق فریۃ، ولقد صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اذالم تستحی فاصنع ماشئت فان عبارت البنایۃ ھٰکذا۔

م بذالک ش ای بالاذان بین یدی المنبر بعد الاذان الاول علی المنارۃ م بہ جری التوارث ش من زمن عثمان بن عفان الی یومنا ھذا اھ

فالاشارۃ الی التاذین بعد التاذین۔ لاالی التاذین بین یدیہ۔
ولکن الوہابیۃ قوم یفترون ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔
وکذا زعمہ بعد التنزل حدوثہ من زمن ھشام بن عبدالملک وھذا انما قالہ بعض المالکیۃ فی التاذین بین یدی الامام لقولھم انہ محدث وانما کان ھذا الاذان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائہ الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم علی المنار ایضا کما تقدم وقد ردہ محققوھم وبینوا ان ھشاما لم یتغیر ھذا الاذان شیأ انما غیر الاذان

الاذل الذی احدثه عثمٰن رضی الله تعالیٰ عنه کان یفعل بالزوراء فنقله هشام الی المسجد علی المنارة ۔ قال العلامة الزرقانی المالکی رحمة الله تعالیٰ علیه فی شرح المواهب (عبارة ابن الحاجب من المالکیة "یحرم الاشتغال من السعی عند اذان الخطبة وهو المعهود) فی زمانه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم (فلما کان عثمان وکثروا امر بالاذان قبله علی الزوراء ثم نقله هشام الی المسجد وجعل الآخر بین یدیه) بمعنی انه ابقاه بالمکان الذی یفعل فیه فلم یغیره بخلاف ما کان یفعل بالزوراء فحوله الی المسجد علی المنار اھ باختصار۔

ولئن فرضنا ان هشامًا هو الذی غیر السنة فمن هشام وما هشام حتی یعتبر بتغییره ویوخذ بفعله وتترک سنة محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وخلفائه الراشدین لاجله لایرضی به احدٌ من اهل الدین۔ ونسبة الوهابی ایاه الی ائمة الهدیٰ مالک وابی حنیفة وغیرهما رضی الله تعالیٰ عنهم۔ انهم اتبعوا هشامًا فیه وترکوا السنة لاجله افتراء منه علیهم وسبة غلیظة فی حقهم حاشاهم عن ذالک ولکن اذ قد الخبیث اذ قد سب محمدًا وسب رب محمد جل وعلا وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم وطبعه واشاعه فمن بقی نعوذ بالله من حال کل مرتد وشقی ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

نفحه (١١) واذ قد طولبوا مرارًا انکم تدعون التوارث عن المصطفیٰ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فهل نص علیه احد، اوعندکم علیه من دلیل ام انتم شاهدتم زمن منه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ام کل ماترونه فی زمنکم فهو مستمر من زمنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الجاءهم[عه] اضطرار

عه فی الاصل هکذا ولعله الجاء

الغريق الی التشبث بکل حشیش فتمسکوا بمنقول ومعقول، اما المنقول فقول الهدایة والہندیة۔

۔ اذن الموذنون بین یدی المنبر وبذالک جری التوارث "

وھذا کما تری نزغة من جہلھم بمعنی بین یدیہ کما عرفت مفصلاً۔

فقول الہدایة حق وہدایة، وفہمہم منہ ان الاذان داخل المسجد متوارث من زمنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہل وغوایة۔

واما المعقول فہوانہ لم یذکر فی شیئ من التواریخ ان ھذا الاذان سری الیہ التغیر بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعلم انہ کما یفعل الآن کان ھکذا یفعل علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

وھذا قول من لیس لہ من العلم الا الاسم۔ فلا التواریخ التزمت ذکر جمیع الحوادث الجزئیة المتعلقة بالمسائل الشرعیة، ولا کل کتب التواریخ وجد المدعی، ولا کل ما وجد طالعہ برمتہ، ولا عدم الوجد ان عدم الوجود ولا عدم الذکر ذکر العدم۔ ولو تنزلنا عن کل ھذا فاذ قد ثبت بالحدیث الصحیح ان الذی کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلاف ماشاع فی ھؤلاء فالتغیر ثابت لامرد لہ افتردون الحدیث الصحیح، ام تکذبون العیان الصریح، بان التواریخ لم تتعرض لبیان التغیر، ولکن الجہل اذا تملک لم یخش الفضوح والتعییر ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

نفحہ (۱۲) لاحجة فی توارث البعض اذا خالف الحدیث والفقہ۔ الاتری ان اجل توارث واعظمہ واہیبہ وافخمہ توارث اہل الحرمین المتحرمین زادہما اللہ تعالیٰ عزا وتعظیما واہلہما فضلاً وتکریما لاسیما

فی القرون الأول ومع ذالك لم یسلمه امامنا الاعظم وجمیع ائمة الفتوٰی فی مسألة الاذان الفجر من اللیل لمجی الحدیث بخلافه قال فی الهدایة لایوذن لصلاة قبل دخول وقتها ویعاد فی الوقت لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهیل وقال ابویوسف وهو قول الشافعی رحمهما الله تعالٰے یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل لتوارث اهل الحرمین والحجة علی الکل قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبلال رضی الله تعالٰی عنه لاتوذن حتی یستبین لك الفجر هکذا ومد یدہ عرضًا اھ، قال الامام الاکمل البابرتی فی العنایة۔

قوله والحجة علی الکل ای علی ابی یوسف والشافعی واهل الحرمین۔

یعنی ان الحدیث حجة علی الآخذ والماخوذ منه اھ۔

فاذا کان هذا فی توارث اهل الحرمین التابعین وتبع التابعین وهم ماهم فما ظنك بتوارث تدعیه الآن فی بعض البلدان وما فیکم ولا فیمن ولی کم اوولی من ولی کم من یکون فعله اوسکوته حجة فی الشرع فضلاً عن ان یکون حجة علی الشرع والله یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

نفحه (۱۳) ظهر بهذا ولله الحمد وهن تمسکه بفعل موذن الحرمین الشریفین نعم ان هذا الاذان فی مکة زادها الله شرفا علی حاشیة المطاف وما کان مسجد الحرام علی عهد سیّد الانام علیه افضل الصلوٰة والسلام الاقدر المطاف کما فی المسلك المتقسط لعلی القاری وغیرہ فاذن محل الاذان الآن هو محله القدیم وان احاط به المسجد بالزیادة کما ارساط بئر زمزم۔ وفی المدینة المنورة صلی الله تعالٰی علی من نورها

وبارك وسلم علیٰ دکة بازاء المنبر فامر قدمت وقد تم الامر لما قدمنا ان الدکك ومئزنة خارجة عن المسجد بالمعنی الاول غیر ان الشان فی احداثہما کما تقدم فکیف یحتج به واللّٰہ الهادی۔ اذ علمت ان امامنا رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وجمیع ائمة الفتوی بعده لم یقبلوا توارث التابعین وتبعهم من اهل الحرمین الشریفین لمخالفة الحدیث فما ظنك بفعل موذن الزمان وهل یسوغ لحنفی ان یستبیح الجهر بکلام لمستمع الخطبة ولو کان صلوٰة علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم او ترضیا للصحابة او دعاء للسلطان اعز اللّٰہ نصره وخذل اعداءه اولسیدنا الشریف حفظه اللّٰہ تعالیٰ۔ الیس قد اجمع ائمتنا علی تحریم الکلام اذ ذاك ولو دینیا وفوق ذالك بکثیر امر التمطیط فی التکبیر قد اقام علیه النکیر المحقق فی فتح القدیر ولم یستبعد فساد صلاة من یفعله ای وکذا صلوٰة من یصلی بتکبیره وتبعه علیه فی الحلیة والنهر والدرر وغیرها وجزم بفساد الصلاة به السید العلامة اسعد مفتی المدینة المنورة تلمیذ العلامه شیخی زاده صاحب مجمع الانهر معاصر المدقق العلامه محمد الحصکفی صاحب الدر المختار رحمهم العزیز الغفار وقد حکی فی اوائل فتاواه من هذا ما یفضی الی العجب فراجعها ان شئت۔ وبالجملة دلائل الشرع محصورة ولا حجة فی فعل کل احد لاسیما من لیس بعالم ولا تحت حکم العلماء ولکن العجب کل العجب من هولاء الوهابیة الملاحدة الزنادقة السابة للّٰہ ولرسوله صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، کیف یحتجون بفعل الموذنین ویرمون حضرات سادتنا علماء الحرمین الشریفین نفعنا اللّٰہ تعالیٰ ببرکاتهم، فی کتبهم وخطبهم

بشنائع فظیعۃ قد براھم اللہ تعالیٰ عنھا۔ والوھابیۃ قوم یکذبون ثم لایقتدون بعلماء الحرمین فی عقائدھم الحقۃ فضلاً عن اعمالھم الحسنۃ کمجلس المیلاد الشریف والقیام فیہ لتعظیم من عظم اللہ تعالیٰ شانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

نفحہ (۱۴) تقدمنا من الخطبۃ ثم فی الاجمال فی بحث التوارث الباطل المظنون (وانہ کیف یسری الی الظنون) مایکفی ویشفی وبینا الحق ورفعنا اللوم عن اساتذتکم واشیاخکم بل وعنکم ایضًا یامخالفین ان رجعتم الی الحق بعد ماظھر ولم تنکروا الصبح حین نہر فراجعہ فانہ مھم ومن لم یرجع فھو جبل واقع بھم ومن الدلیل علی ما ذکرت ان العالم ینکر فلا یسمع ما قدمت الاٰن عن ردالمحتار من تعطل نفاذ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر منذ ازمنۃ وعلیٰ ما ذکرت ان العالم یسکت حینئذ۔ قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذ ارایت الناس قد مرجت عھودھم وخفت اماناتھم وکانوا ھٰکذا وشبک بین انامله فالزم بیتک واملک علیک لسانک وخذ ماتعرف ودع ماتنکر وعلیک بخاصۃ امر نفسک ودع عنک امر العامۃ، رواہ الحاکم عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنھما وصححہ واقرہ الترمذی وابن ماجۃ عن ابی ثعلبۃ الخشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ائتمروا بالمعروف وتناھوا عن المنکر حتی اذا رایت شحا
مطاعًا وھوی متبعًا ودنیا موثرۃ واعجاب کل ذی رأی برایہ
ورأیت امرا لابد منہ فعلیک نفسک ودع امر العوام (الحدیث)

ونظیر ما ذکرت من شیوع امر من قبل السلطنۃ ما فی الھدایۃ فی تکبیرات

العيدين -

ظہر عمل العامۃ الیوم بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لامر بنیہ الخلفاء فاما المذہب فالقول الاول ۔اھ

وماذکرت من سکوت العلماء علیہ سکوتہم وہم صحابۃ متوافرون وائمۃ اجلاً تابعون علی زخرفۃ الولید المسجد الشریف النبوی حتی انفق علی جدار القبلۃ وما بین السقفین خمسۃ واربعون الف دینار مع ان بعضہم قد انکر علی امیر المومنین عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین بناہ بالحجارۃ مکان اللبن وقصصہ وسقفہ بالساج مکان الجرید قال الامام العینی فی العمدۃ ۔

" اول من زخرف المساجد الولید بن عبد الملک بن مروان و ذالک فی اواخر عصر الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وسکت کثیر من اھل العلم عن انکار ذالک خوفا من الفتنۃ اھ "

ولابن عدی فی الکامل والبیہقی فی الشعب عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔

اذا رأیتم الامر لا تستطیعون تغییرہ فاصبروا حتی یکون اللہ الذی یغیرہ والدلیل علی ما ذکرت من اشتباہ الامر فی ذالک علی المتاخرین حتی العلماء بالتعامل ما اسلفت عن الشیخ المجدد وقد کان فی ما قررنا ابانۃ اعذار لمن عبر ومن غبر فان لم یرض بہ المخالفون فہم الذین یقضون علی اساتذتہم ومشایخہم اما بالجہل او بالسکوت عن الحق وقد کانت لہم مندوحۃ عنہ الم یعلموا

ان الخليفة الراشد امير المومنين عمر بن عبد العزيز رضى الله تعالىٰ عنہ کم من سنن احياها وظلمات بدع اجلاها فكان له الاجر الجزيل والذكر الجميل والفخر الجليل ولم يكن عتب قط على من قبله من الصحابة الكرام واكابر ائمة التابعين الاعلام رضى الله تعالىٰ عنهم انهم جهلوا الحق اوسكتوا عنه ولا قيل لامير المومنين انك تقحمت ما اجتنبوه او انكرت ما اقروه افانت اعلم منهم بالسنة او اتقى منهم للفتنة وعلىٰ هذا درج امر كل مجدد فانه لايبعث الا لتجديد ما خلق وتشييد ما وهى وربما كان من قبله اعلم منه واتقى وكذالك غير المجددين من كل عالم تصدّىٰ لاحياء السنة او اخماد بدعة فانه يحمد ويوجر ولا يذم من مضىٰ قبله ولا يعير بخلاف من غير بل من المثل الدائر السائر كم ترك الاول للآخر وهٰذا سيدنا الغوث الاعظم القطب الاكرم سيد الاولياء وسند الائمة والعلماء صلى الله تعالىٰ على ابيه الاكرم وعليه وعلىٰ اصوله وفروعه ومشائخه ومريديه وكل من انتمىٰ اليه روىٰ عنه الائمة الكبار باسانيد صحيحة مفصلة فى البهجة الشريفة وغيرها من الكتب المنيفة۔

انه قيل له رضى الله تعالىٰ عنه ما سبب تسميتك محى الدين قال رجعت من بعض سياحاتى مرة فى يوم جمعة فى سنة احدى عشر وخمسمائة الى بغداد حافيا فمررت بشخص مريض متغير اللون نحيف البدن فقال لى السلام عليك يا عبد القادر فرددت عليه السلام فقال ادن منى فدنوت منه فقال لى اجلسنى فاجلسته فنما جسده وحسنت صورته

وصفالونہ فخفت منہ فقال اتعرفنی فقلت لا قال انا الدین

وکنت دثرت کما رأیتنی وقد احیانی اللہ تعالیٰ بک وانت

محی الدین فترکتہٗ وانصرفت الی الجامع فلقینی رجل

ووضع لی نعلاً وقال یاسیدی محی الدین فلما قضیت الصلوٰۃ

اھرع الناس الی یقبلون یدی ویقولون یا محی الدین۔ وما

دعیت بہ من قبل ام کلامہ الشریف

قلت وھذا وان بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلو ان الاسلام لم یبلغ فی عھدہٖ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی ان یعد میتا فما الذی احیاہ وعلام سمی محی الدین وان کان بلغ الی تلک الغایۃ فما ظنک بائمۃ اجلاء علماء واولیاء کانوا قبلہٗ اھم کانوا عنہ غافلین او ترکوا نصرہ حتی بلغ الی ذالک الضعف المبین۔ ام تزعمون ان الارض کانت خلت عن ولی اللہ وحالم امین کل ذالک من اجلی الاباطیل لا یذھب الیہ عاقل ذو دین وانما الامر ما وصفنا ان لمن احیا لاحقا اجرہ ولمن سکت سابقا عذرہٗ۔ والاشیاء مقسومۃ بید التقدیر القدیر ان الفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

وبالجملۃ انما ھم الشریعۃ یردون وباب احیاء السنۃ یسدون اذ کلما قام عبد اللہ یحی سنۃ اویمیت بدعۃ یقال لہ المیک قبلک علماء بالدین اکانوا جاھلین ام غافلین ام انت اعلم منھم اجمعین وما ھو الا تصدیق قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق ویصدق فیہ

الکاذب وحدیث یکون المعروف منکرًا والمنکر معروفًا کما قدمنا فهذا
بما یریدون والذین یکیدون و ما یکیدون الا انفسهم ولکن لایشعرون
نسأل اللہ العفو والعافیۃ ۔

واذ قد فرغنا بحمد اللہ تعالیٰ عن ابطال ما توافقوا علیہ فلنأت
علی ما انفرد بہ بعضهم عن بعض وباللہ التوفیق ۔

نفحہ (۱۵) ذکر بعضهم اثرا جعلہ من روایۃ جویبر فی تفسیرہ عن الضحاک عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر موذنین ان یوذنا للناس الجمعۃ
خارجا من المسجد حتی یسمع الناس وامران یوذن بین یدیہ کما کان
فی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم
قال عمر نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین ۔

فدل بمفهومہ ان الاذان بین یدیہ لم یکن خارج المسجد ودل
بقولہ کما کان انہ کان فی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
وابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایضًا داخل المسجد ۔

اقول اولا ۔ قد اعطیناک فی النفحۃ التاسعۃ الفقهیۃ من
معانی المسجد ما یغنیک ویعینک علی کل ما یاتیک من امثال هذا التشکیک
فامر موذنین ان یؤذنا خارج المسجد بالمعنی الثانی او الثالث ایضًا کما
فعلہ امیر المومنین ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنهما اذن اذا اذانًا علی
الزوراء ، عند کثرۃ المسلمین ویشیر الیہ فی نفس الاثر قولہ ، حتی یسمع

الناس . وقوله " نحن ابتدعناه " لكثرالمسلمين فلا يدل ان دل الا على كون الاذان بين يديه داخل المسجد باحد هذين المعنيين وهو عين مرادنا فلينظر هل يذهبن كيده مايغيظ ـ

وثانيًا ـ انظروا الى ظلم هولاء يردون حديث صحيح ابى داؤد لاجل محمد بن اسحٰق الذى اجمع عامة ائمة الحديث والفقه على توثيقه ويحتجون باثر جويبر و ماجويبر من ابن اسحٰق الا كالعتمة من الاصباح ـ رجل لم يذكر فى تهذيب الكمال ولا تذهيب التهذيب ولا تهذيب التهذيب ولا ميزان الاعتدال ولا اللالى المصنوعة ولا العلل المتناهية ولا خلاصة التهذيب مع الزيادات توثيقًا له عن احد من ائمة التعديل انما ذكروا عنهم جرحه ـ قال النسائى وعلى بن الجنيد والدارقطنى متروك، قال ابن معين ـ " ليس بشئ ضعيف " قال ابن المدينى ـ " ضعيف جدا " وذكره يعقوب ابن سفيان . فى باب من يرغب عن الرواية عنهم " وقال ابوداؤد ـ هو على ضعفه ـ وقال ابن عدى ـ الضعف على حديثه ورواياته بين وقال الحاكم ابواحمد ذاهب الحديث قال الحاكم ابوعبدالله ـ انا ابرأ الى الله من عهدته ـ وقال ابن حبان ـ يروى عن الضحاك اشياء مقلوبة . وقال فى اللآلى هالك تالف متروك جدا ـ ونقل فى ذيلها عن لسان الميزان ـ متروك الحديث عند المحدثين ـ وقال فى التقريب ـ ضعيف جدًا ـ وقال احمد بن سيار ـ حاله حسن فى التفسير وهولين فى الرواية ـ وعده يحيىٰ ابن سعيد ـ ممن لايوثقونه فى الحديث ـ اولا يحمل

حدیثه ویکتب التفسیر عنه۔ وقال فی الاتقان بعد ذکر ان الضحاک عن ابن عباس منقطع ۔" وان کان من روایۃ جویبر عن الضحاک فاشد ضعفا لان جویبر شدید الضعف متروک ۔ اھ

ولکن اذا لم تستحی فاصنع ما شئت ۔

وثالثًا ۔ من ظلمهم الدندنۃ علی حدیث ابن اسحاق بالعنعنۃ وما فی عنعنۃ المدلس الا احتمال الانقطاع ثم عادوا یتمسکون بهذا الاثر وفیه مکحول عن معاذ منقطع قطعا ۔

ورابعًا ۔ من خیانتهم انهم رووا هذا الاثر عن فتح الباری و ترکوا قوله " هذا منقطع بین مکحول و معاذ "

وخامسًا ۔ ترکوا قوله " ولا یثبت لان معاذا کان خرج من المدینۃ الی الشام فی اول ما غزوا الشام و استمر الی ان مات بالشام فی طاعون عمواس ۔

وسادسًا ۔ ترکوا قوله ۔ " وقد تواردت الروایات ان عثمٰن هو الذی زاده فهو المعتمد اھ "

فقد افاد ان الاثر منقطع ومعلول و منکر لمخالفته لاحادیث صحیح البخاری و غیره الکثیرۃ المشهورۃ فترکو کل ذالک خائنین

وسابعًا ۔ ان کان فیه شیٔ فلیس الا مفهوم و ردہ عند ائمتنا معلوم لاسیما مفهوم اللقب الذی هو اضعف المفاهیم لم یقل به الا شرذمۃ قلیلۃ من الحنابلۃ و دقاق الشافعی واندادالمالکی ۔

وثامنا ۔ جاء الملک ثلٰثۃ سفراء و وصل احدهم الی باب

ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دخل مسجداً الیصلی فخرج الموذن منادیٰ بالصلوٰۃ (الحدیث)

وعن الاصلاۃ الامام السرخسی وصلاۃ الامام ابی بکر خواہرزادہ رحمہما اللہ تعالیٰ ومثلہ فی الضعف بل اضعف واضعف التمسک بحدیث مرفوع لم یہتد الیہ ایضاً وانماد للناھم علیہ فتعلق بہ بعضھم و ھو حدیث ابن ماجۃ عن امیر المومنین عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

من ادرک الاذان فی المسجد ثم خرج لایخرج لحاجۃ وھولایرید الرجعۃ فھو منافق۔

فان فی المسجد ظرف الادراک دون الاذان الاتریٰ الی المناوی فی التیسیر اذ یقول فی شرحہ۔

(من ادرک الاذان) وھو (فی المسجد)

بل کفی الحدیث شرحاً للحدیث فللامام احمد بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اذاکنتم فی المسجد فنودی بالصلاۃ فلایخرج احدکم حتیٰ یصلی۔

لکن السفیہ کل السفیہ والبلید کل البلید من تمسک بحدیث ابی داؤد رایت رجلاً کان علیہ ثوبین اخضرین فقام علی المسجد فاذن / وروایۃ ابی الشیخ فی ھذ الحدیث) علی سطح المسجد فجعل اصبعیہ فی اذنیہ واذن۔

ورأى ذالك عبد الله بن زيد فى المنام - وحديث ابن سعد فى طبقاته عن نوار ام زيد بن ثابت رضى الله تعالى عنهما قالت۔

كان بيتى اطول بيت حول المسجد فكان بلال يوذن فوقه من اول مايوذن الى ان بنى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المسجد فكان يوذن فوقه من اول مايوذن إلى ان بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم المسجد فكان يوذن بعد على سقف المسجد وقد رفع له شى فوق ظهره -

فان فى هذه تصريحات بكون الاذان خارج المسجد بالمعنى الاول والجهول لايميز بين المنافع والضار وقد اسلفنا عدة روايات لهذا محتجين بها والسفيه يبحث عن حتفه بظلفه -

نفحه (١٧) تعلق سفيهان منهم برواية ابن ماجة عن عبد الله بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه فيها - قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان صاحبكم قد رأى رويا فاخرج مع بلال الى المسجد فالقها عليه وليناد بلال فانه اندىٰ صوتا منك قال فخرجت مع بلال الى المسجد فجعلت القيها عليه وهو ينادى بها وهذا كما ترىٰ اشبه بالهذيان -

فاولاً - اين الخروج الى المسجد عن الدخول فى المسجد

ثانيًا - لم يكن لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مجلس غير مسجده الكريم ولا بين المسجد والحجرات الشريفة شئ انما كانت على حافة المسجد الشرقية واتيان عبد الله بن زيد اليه صلى الله عليه وسلم

کان من آخر اللیل قریبا من الصباح کما جمع بہ بین روایۃ ابی داؤد فلما اصبحت واتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ وروایۃ ابن ماجۃ فطرق الانصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلاً ولم یکن ھذا ایاّن خروجہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن مسجدہ الکریم ولا دخول احد علیہ فی الحجرۃ الکریمۃ فلم یکن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذذاک الا فی المسجد الشریف او الحجرۃ المنیفۃ۔ وعلی کل کان عبداللہ حین اتاہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المسجد ھذا ھو الظاہر ولو لم یکن ظاہراً لکفانا الاحتمال لقطع الاستدلال ومعلوم ان من کان فی المسجد اذا قیل لہ اخرج الی المسجد یستحیل ان یراد بہ اخرج حتی تدخل المسجد وانما یراد بہ اخرج الی منتھٰی حد المسجد وحینئذ تکون الحکمۃ فی التعبیر بالی الارشاد الی ان یؤذن فی حدود المسجد لا فیہ لا بعیداً منہ کما اراہ النازل من السماء علیہ الصلوٰۃ والسلام فکان الحدیث دلیلاً لنا علیھم والجھلۃ یعکسون ومما یشھد لہ ان النازل من السماء اراہ الاذان خارج المسجد اذ قام علی حصۃ الجدار فوق السطح وما کان امر[1] النازل الا للتعلیم فلذا امران یخرج من المسجد الی حدودہ وللہ الحمد۔

---

[1] واذا انضم الی ذالک قول الشرنبلالی فی مراقی الفلاح (یکرہ اذان قاعد) لمخالفۃ صفۃ الملک النازل لکان حدیث الملک علی کثرۃ روایاتہ التی قدمنا کثیراً منھا دلیلا برأسہ علی کراھۃ الاذان داخل المسجد فافھم منہ حفظہ ربہ ۱۲

وثالثًا - لو تنزلنا عن الكل فقد ذكرنا الجواب العام التام الشافی الکافی ان المراد بالمسجد احد المعنیین الاخیرین وللہ الحمد۔

نفحہ (۱۸) حاول بعض الوھابیۃ الفجرۃ ان یثبت مطلوبہ الباطل بآیات القرآن العظیم وحاشا القرآن ان یکون لباطل ظہیرًا قال قال اللہ عزوجل:

" واذن فی الناس بالحج " واخرج سعید بن منصور وآخرون عن مجاھد قال لما امر ابراھیم ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام نادی بصوت اسمع ما بین المشرق والمغرب یاایھا الناس اجیبوا ربکم۔

واخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن مجاھد قال تطاول بہ المقام حتی کان کاطول جبل بالارض فاذن فیھم بالحج فاسمع من تحت البحور السبع۔

واخرج ابن جریر عن مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما قال قام ابراھیم خلیل اللہ علی الحجر فنادی یاایھا الناس کتب علیکم الحج فاسمع من اصلاب الرجال وارحام النساء قال قال۔

ونحن ندعی ان ھذا الحجر کان حین نادی علیہ خلیل اللہ داخل المطاف قریب جدار الکعبۃ لان علیا القاری قال فی شرح اللباب۔

قال فی البحر والذی رجحہ العلماء ان المقام کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ملصقًا بالبیت قال ابن جماعۃ ھو الصحیح ورواہ الازرقی۔

ان موضع المقام هو الذی بہ الیوم فی الجاهلیۃ وعهد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنهما ام والاظهر انہ کان ملصقا بالبیت ثم اخر عن مقامہ لحکمۃ هنالك تقتضی ذالك اھ

وذالك لان ابراهیم صلوات اللہ تعالٰی علیہ بنی الکعبۃ قائما علیہ فاستمر منذ ذاك متصل الکعبۃ کما فی تاریخ القطبی وسائر کتب السیر وکان ابراهیم علیہ الصلوات والسلام یبنی واسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام ینقل لہ الحجارۃ علی عاتقہ فلما ارتفع البنیان قرب لہ المقام فکان یقوم علیہ ویبنی اھ۔

فثبت انہ کان حین اذن علیہ للحج متصل جدار الکعبۃ واستمر کذالك الی زمانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم انتقل عنہ بوجہٍ قال ولئن سلمنا ان محلہ منذ القدیم حیث هو الاٰن فالمدعٰی ثابت ایضًا لانہ الاٰن ایضا داخل المطاف لان المطاف هو الموضع المفروش بالرخام ومقام ابراهیم داخل فیہ فثبت ان التاذین فی المسجد جائز مطلقًا ولا کراهۃ فیہ اصلا ولیس بدعۃ بل هو سنۃ ابراهیم علیہ الصلواۃ والتسلیم (انتهٰی)

(کلامہ الردی السقیم مترجمًا)

اقول ۔ انعم بہ من برهان تزری بالهذیان ویغبط بہ المجانین والبلہ والصبیان ۔

فاولاً ۔ کیف لزم من کون المقام ملصقًا بجدار البیت علی

عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و فی الجاھلیۃ کونہ
کذالک علیٰ عہد ابراھیم علیہ الصلاۃ والتسلیم و تحکیم الحال لایجری
فی شئی منقول غیر مرکون وان فرض فظاھر والظاھر حجۃ فی الدفع
لا للاستحقاق وانت مستدل لا دافع۔

وثانیاً۔ مانقل عن تاریخ القطبی فای رائحۃ فیہ لما ادعاہ
من انہ استمر منذ ذالک متصل الکعبۃ فالاستناد بہ جھل۔

وثالثاً۔ بل فیہ فلما ارتفع البنیان قرب لہ المقام فدل علیٰ
ان محلہ کان بعیداً انما قرب الآن للحاجۃ والعادۃ ان الشئی اذا نقل
لحاجۃ یرد الی محلہ الاول بعد قضائھا کما ھو مشاھد فی السلالیم و
فی منبر یوضع لدا باب الکعبۃ یوم دخول العام۔

ورابعاً۔ ان فرض کونہ لصیق الجدار الجمیل علیٰ عہد خلیل
علیہ الصلوٰۃ والسلام بالتبجیل کان ایضاً زعم انہ کان کذالک حین
اذن علیہ للحج رجما بالغیب بلا دلیل غایتہ انہ لم ینقل انہ
نقل حینئذ وعدم النقل لیس نقل العدم والاستصحاب غیر واف
للمستدل عند الاصحاب۔

وخامساً۔ بل قد ورد ما یدل علیٰ انہ کان فی غیر ھذا المحل
حین اذن علیہ وکفی بہ قاطعا لشقشقتہ اخرج الازرقی عن
ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت عبد اللہ بن سلام
عن الاثر الذی فی المقام فقال لما امر ابراھیم علیہ الصلاۃ والسلام
ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام فلما فرغ امر بالمقام فوضعہ

قبلة فكان يصلي اليه مستقبل الباب (الحديث)

وسادسًا - ان شئت قطعت راس الشبهة من راسها وذالك لان روايته قيامه عليه الصلاة والسلام حين الاذان على المقام رواية اسرائيلية كما رأيت وسيدنا ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما كان ياخذ عنهم كما هنا روى ابن ابي حاتم عن الربيع بن انس قال سمعنا عن ابن عباس انه حدث عن رجال من علماء اهل الكتاب ان موسىٰ دعا ربه (الحديث) فى قصة ملاقاته الخضر عليهما الصلاة والسلام واقرها وأخرج ابن ابى شيبة عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال سئلت كعبًا ما سدرة المنتهى قال سدرة ينتهى اليها علم الملئكة وسئلته عن جنة الماوىٰ فقال جنة فيها طير خضر ترتقى فيها ارواح الشهداء وأخرج ابن جرير عن شمر -

قال جاء ابن عباس الى كعب فقال حدثنى عن سدرة المنتهىٰ (الحديث) وقد صح عن امير المومنين على كرم الله تعالىٰ وجهه انه اذن على ثبير روى عبد الرزاق وغيره عن معمر قال قال ابن جريج قال ابن المسيب قال على ابن ابى طالب رضى الله تعالىٰ عنه -

لما فرغ ابراهيم من بنائه بعث الله جبريل فحج به حتى اذا رأى عرفة قال - قد عرفت وكان اتاها قبل ذالك مرة فلذالك سميت عرفة حتى اذا كان يوم النحر عرض له الشيطان فقال احصب فحصبه بسبع حصيات - ثم اليوم الثانى فالثالث فلذلك كان رمى الجمار قال اعل على ثبير فعلاه فنادىٰ يا عباد الله اجيبوا الله يا عباد الله

اطیعوا الله فسمع دعوته من بین الابحر السبع (الحدیث)

وهذا کما تری سند صحیح علی اصولنا فهذا نص عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حکما لان الامر لا دخل فیه للرأی وما کان امیر المومنین علی لیاخذ عن اهل الکتاب فلم یکن الا سماعًا عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم - فثبت ان الاذان کان علی جبلٍ بمزدلفة وسقط انه کان داخل المسجد علی المقام ولك ان تقول لاخلف فان شیئًا من الحرام وقد افاد ابن عباس نفسه "ان المقام ابراهیم الحرام کله" اخرجه عنه عبد بن حمید وابن ابی حاتم بل اخرج هذا عنه قال "مقام ابراهیم الحج کله"

وسابعًا - اضطربت الروایة عن ابن عباس ففی بعضها "اذن علی المقام" وفی بعضها علی ابی قبیس رواه عنه ابن ابی حاتم رضی الله تعالیٰ عنه قال لما امر الله ابراهیم ان ینادی فی الناس بالحج صعد ابا قبیس فوضع اصبعیه فی اذنیه ثم نادی ان الله تعالیٰ کتب علیکم الحج فأجیبوا له الحدیث، وفی أخری له عنه رضی الله تعالیٰ عنه قال صعد ابراهیم ابا قبیس - فقال الله اکبر الله اکبر اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان ابراهیم رسول الله ایها الناس ان الله امرنی ان انادی فی الناس بالحج ایها الناس اجیبوا ربکم -

وفی بعضها علی الصفا رواه حید بن حمید عن مجاهد قال امر ابراهیم ان یوذن بالحج فقام علی الصفا فنادی بصوت سمعه ما بین المشرق والمغرب یا ایها الناس اجیبوا ربکم -

وروی هو وابن المنذر عن عطاء قال ۔

صعد ابراهیم علی الصفا فقال یا یہا الناس اجیبوا ربکم

ومعلوم ان الروایۃ عن مجاھد روایۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فالاضطراب بالتثلیث والافلاشک فی التثنیۃ فکان من ھذا الوجہ ایضا حدیث امیرالمومنین احق بالاخذ ولذا مشیٰ علیہ القطبی فی تاریخہ ولم یلتفت لما سواہ فانذحضت الشبھۃ عن رأس والحمد للہ رب الناس ۔

وثامنًا ۔ بعد اللتیا والتی ان کان شریعۃ من قبلنا فلا تکون حجۃ الا اذا قصھا اللہ تعالیٰ اورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من دون انکار کما نص علیہ فی اصول الامام البزدوی والمنار وسائر المتون الاصولیۃ والشروح قال الامام النسفی فی کشف الاسرار

انا شرطنا فی ھذا ان یقص اللہ تعالیٰ اورسولہ من غیر انکار اذ لاعبرۃ بقول اھل الکتاب دبما ثبت بکتابھم لانھم حرفوا ولا بما ثبت بقول من اسلم منھم لانہ تلقی ذالک من کتابھم او سمع من جماعتھم اھ

ومثلہ فی کشف الاسرار للامام البخاری ۔ وفی فواتح الرحموت لبحرالعلوم

فان قلت لم لم یعتمد علی اخبار عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فانہ لا یتحمل کذبہ قلت ھب لکن التحریف وقع قبل وجودہ فھو لم یتعلم الا المحرف اھ

وھذا شی لم یقصہ ربنا ولا نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذ لم یرد

فی حدیث مرفوع فالاحتجاج به راسًا مدفوع ـ هذا علی التسلیم والا فقد علمت ان الذی یدعیه هذ الوهابی من انه اذن علیه فی جوف المسجد لم یقصه مسلم ولا کتابی ولا کافر سواہ فاحتجاجه به لیس الاحتجاجا بهواہ ـ

وتاسعًا ـ ان تعجب فعجب قوله ان المقام الاٰن ایضًا داخل المطاف وهذ اشئ یردہ العیان ویشهد بکذبه کل من رزق حج البیت الحرام ـ

وعاشرًا ـ اعجب من الاحتجاج علیه بانه مفروش بالرخام وکان فی باله ان کل ما فرش فیه الرخام صار المطاف الذی کان قدر المسجد الحرام علی عهد رسول صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فلید خل ماحول زمزم ایضًا فیه ولو کان فرش بعض الملوک سائر المسجد الشریف ورواقاته بالرخام لحکم هذا الجاهل بان المسجد کان الی الرواقات علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ـ واذا بلغ الجهل الیٰ هذا النصاب سقط الخطاب وانما المطاف هی دائرۃ الرخام حول البیت الحرام وعلیٰ حرفها باب السلام ولا شک انّ قبة المقام خارجة عنها وما کان اهل مکة سفهاء کهٰذا لیبنوا قبة فی نفس المطاف ویضیقوا المحل علیٰ اهل الطواف نعوذ باللّٰه من الجهل والاعتساف ـ

نفحه (١٩) ثم تمسک بقوله تعالیٰ

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللّٰه ان یذکر فیها اسمه ـ

وقوله تعالیٰ .

ومساجد یذکر فیها اسم اللہ کثیرا ۔

وقولہ تعالیٰ ۔

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہ ۔

وحدیث الصحیحین ۔

ان ھذہ المساجد لا تصلح لشئ من ھذا البول والقذر انما ھی لذکر اللہ والصلوۃ وقرأت القرآن[1] ۔

اقول اولاً ۔ قضینا الوتر عن کشف ھذہ الشبھۃ فی النفحۃ الاولی القرآنیہ وبینا ان الاذان لیس ذکراً خالصًا ۔

وثانیًا ۔ منع الاذان فی المسجد منع رفع الصوت فیہ ومنع رفع الصوت بالذکر لیس منع الذکر فقد ثبت عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی بعض المواطن اذ قال صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔

ایھا الناس اربعوا علی انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائبا تدعون سمیعًا بصیرًا ۔

وما کان لینھاھم عن ذکر اللہ تعالیٰ ۔ وقد قدمنا عن الدرر والاشباہ وغیرھما کراھۃ رفع الصوت بالذکر فی المسجد و فی مسلک المتقسط لعلی القاری ۔

قد صرح ابن الضیاء ان رفع الصوت فی المسجد حرام ولو بالذکر اھ وصرح فی الکافی الامام الحاکم الشھید الذی جمع فیہ کلام الامام

---

[1] تبع فیہ صاحب المشکوۃ وانما عزاہ المخرجون لمسلم وحدہ ۱۲ منہ

محمد و فی المحیط والفتح والبحر وشرح اللباب و رد المحتار وغیرها بکراهة رفع الصوت بالقرآن فی الطواف فهل تراهم (والعیاذ باللہ) داخلین فی ھذا الوعید الشدید حاشاهم عن ذالک بل انت فی ضلال بعید -

وثالثًا - انما یعود ھذا التشنیع الشنیع الی الائمة الاجلاء الذین نهوا عن الاذان فی المسجد ونصوا علیٰ کراهة فیہ وقد اجارهم اللہ تعالیٰ عن ھذا ومن شنع علیہم فعلیہ دائرة السوء وھو الملوم والمدحور -

رابعًا - ھؤلاء الوھابیة ھم الذین یتمسکون فی بحث البدعة باثر سنن الدارمی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی انکارہ علی الذین اجتمعوا فی المسجد حلقا جلوسًا ینتظرون الصلواة وفی کل حلقة رجل یقول کبروا مائة ، ھللوا مائة - سبحوا مائة فیفعلون فقال والذی نفسی بیدہ انکم لعلیٰ ملة ھی اھدیٰ من ملة محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او مفتحی باب الضلالة قالوا واللہ یا ابا عبد الرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید الخیر ان یصیبہ (الحدیث) وقد اجبنا عنہ فی المجلد الحادی عشر من فتاویٰنا باجوبة شافیة - لکن این ذھب ھذا منهم ھهنا امیدخلون عبد اللہ بن مسعود ایضًا فی وعید من اظلم نعم لاغرو فقد سبوا اللہ وسبوا رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون -

نفحہ (۲۰) قدمنا فی النفحة الثامنة العودیة ان امام دار الھجرة عالم المدینة سیدنا مالکا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجماھیر اصحابہ ذھبوا الیٰ ان جعل ھذا الاذان بین یدی الامام بدعة مکروھة وانما السنة

فیہ ایضا المنارۃ وھذا مابلغ ھم ولکن نطق حدیث ابی داؤد الصحیح ان فعلہ بین یدی الامام ھو السنۃ من لدن سید الانام علیہ وعلی الہ افضل الصلٰوۃ والسلام۔

فبعض محققی اصحابہ رحمھم اللہ تعالٰی ومنھم الحافظ ابو عمر بن عبدالبر خالف فی ذالک ووجہ الکلام الی بعض الاصحاب مع ذکرہ فی الکافی الفقھی عن صاحب المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ وکانہ وجد عنہ روایۃ اخرٰی او سھا والانسان للنسیان۔ فقال فی الاستذکار مانقلہ الشیخ خلیل فی التوضیح وعنہ فی المواھب وھذا نصھا مع شرحھا للعلامۃ الزرقانی المالکی۔

"فی الاستذکار" اسم الشرح الصغیر علی الموطا لابن عبدالبر" ان ھذا اشتبہ علی بعض اصحابنا فانکر ان یکون الاذان یوم الجمعۃ بین یدی الامام کان فی زمنہ علیہ الصلٰوۃ والسلام وابی بکر وعمر وان ذالک حدث فی زمن ھشام وھذا قول من قل علمہ" بالاحادیث وکانہ یعنی الداؤدی. ثم استشھد" فی الاستذکار" بحدیث السائب بن یزید المروی فی البخاری ثم قال وقد رفع الاشکال فیہ ابن اسحاق عن الزھری عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ وابی بکر وعمر اھ

فانظر ان السادۃ المالکیۃ صاروا فرقتین جمھورھم علی ان الاذان بین یدی الامام بدعۃ وانما سنتہ علی المنارۃ۔ ونازعھم بعضھم بالحدیث فاستشھد بحدیث ابن اسحٰق ولابد اذ لاذکر لبین

یدیہ الا فی حدیثہ فحدیث ابن اسحٰق ھوالسند بھؤلاء وبہ ردوا
علی جمھورھم لا انھم ردوا علیہ ایضًا کما ردوا علی قول جمھورھم
ولکن اشتبہ الراد بالمردود علی العلامۃ علی فقال ۔
اما الذی نقلہ بعض المالکیۃ عن ابن القاسم عن مالک انہ
فی زمنہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم لم یکن بین یدیہ بل علی المنارۃ ۔
ونقل ابن عبد البر عن مالک ان الاذان بین یدی الامام لیس من
الامر القدیم وما ذکرہ محمد بن اسحٰق عند الطبرانی وغیرہ فی ھذا الحدیث
ان بلالاً کان یوذن علی باب المسجد فقد نازعہ کثیرون ومنھم جماعۃ
من المالکیۃ بان الاذان انما کان بین یدیہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام
کما اقتضتہ روایۃ البخاری ھذہ اھ
ولیس فی روایۃ البخاری ما یقتضی من ذالک شیئًا ۔
اقول ۔ قد صدق ان روایۃ البخاری لا یقتضی شیئا من کونہ بین
یدیہ او علی المنارۃ ولکن الاستشھاد کان بروایۃ ابن اسحٰق وانما
ذکر اسم البخاری ایذانًا بان اصل الحدیث عندہ واوضحتہ روایۃ
ابن اسحٰق کما ھو صریح لفظ الاستذکار وکیف یرد علی حدیث ابن
اسحاق بان الاذان انما کان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
مع ان حدیث ابن اسحاق ھو المصرح بھذا افیرد علی الشئ بنفس الشئ
ولکن الامر انہ کتب ھذا المحل معتمدًا علی ما فی الصدر ولو راجع
کلام المنازعین لعلم انھم لا یقولون ان حدیث البخاری یقضی
بالرد علی جمھورھم والرای انھم لاینازعون حدیث ابن اسحٰق

احداث عثمٰن الاذان وانه هو الذی احداثه لا امیر المومنین عمر باحادیث صحاح لامرد لها فلا حجة فی انکار عطاءٍ ولا فی روایة تفسیر جویبر ولهذا الشیخ لما جمع بان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ احدث اعلامًا واستمر الی زمن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجعله بعد اذانا فالی هذا یشیر بقوله ۔ فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن ۔ ولما کان یرد علیه ان علی تطبیقکم هٰذا یکون تقدیم الاعلام علی الاذان ثابتا من زمن الرسالة فکیف یقول الفاروق نحن ابتدعناه لکثرة المسلمین ۔ حاول ان یرفو هذا الخرق فقال ۔

ولعله ترك ایام الصدیق او اواخره منه علیه الصلوٰة والسلام
ایضا فلهذا اسماه عمر بدعة وتسمیته تجدید السنة بدعة علی
منوال ما قال فی التراویح نعمت البدعة هی ام

اقول ۔ ولا یخفی علیك ان الشیخ انما یبدی هذه الاشیاء بیمکن ولعل ومایبده سند علی شیٔ من هذا ولا له فیه سلف ولا به حصول مارام من التوفیق فان مآل ترجیاته واحتمالاته انه کان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اعلام بالجمعة علی باب المسجد ثم اذان بین یدیه اذا جلس علی المنبر ثم ترك الاعلام فی اواخر عهده صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم او فی زمن الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم جدده عمر لکثرة المسلمین وابقاه عثمٰن ثم حوله الی الاذان فالاذان الذی فی حدیث ابن اسحٰق انه کان علی الباب و فی کلام مالك انه لم یکن بین یدیه هو هذا الاعلام اما الاذان فما کان الا بین یدیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وانت تعلم انه اولًا ۔ لا یلائم قول مالك فانه رضی اللہ تعالیٰ عنہ ینهی عن الاذان

بین یدی الامام لاعن اعلام آخر قبله ولا کان فی عهده رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلام بین یدی الامام غیر الاذان حتی ینکرہ ویقول انہ محدث لیس من الامر القدیم فاین التوفیق۔

وثانیاً۔ لایلائم حدیث ابن اسحٰق لانہ ذکر ان الذی کان علی باب المسجد کان ہو بین یدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حین یجلس علی المنبر فکیف یفرق بین الشئ ونفسہ ویقال ان ما علی الباب کان اعلاما وما بین یدیہ کان اذانا۔ فان کان الاذان فی حدیثہ بمعناہ فالذی کان علی الباب کان اذانا وان کان بمعنی الاعلام فالذی بین یدیہ کان اعلاما فکیف التفریق واین التطبیق۔

وثالثاً۔ اجمعت الامۃ ان الذی کان عند جلوسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنبر کان ہذا الاذان المعروف وتظافرت الروایات واجمع من یعتد باجماعہم انہ لم یکن علی عہدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم للجمعۃ شئ غیر ہذا ولا علی عہد الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وانہ لم یکن علی عہدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تثویب فی شی من الصلوات الا الفجر علی جعل قولہ الصلوات خیر من النوم تثویباً۔ فلو کان ہذا اعلاما حملا لحدیث ابن اسحٰق علیہ المصرح فیہ بکونہ اذ اجلس علی المنبر بقیت الجمعۃ علی عہدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدون الاذان المعروف وہو خلاف الاجماع۔

ورابعاً۔ اذا ترک ہذا فی اواخر عہدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوفی زمن الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقیت الجمعۃ من دون ایذان

لا اعلام واذان وهذا خلاف الاجماع۔

وخامسًا۔ اذن لا يستقيم قول عمر: نحن ابتدعناه لكثرة المسلمين لا احداثا ولا تجديدًا لان الذى يفعل عند جلوس الامام لم يزل مستمرًا من زمنه عليه افضل الصلواة والسلام۔

وسادسًا۔ اذن كان اذان الخطبة هو المحدث فكان احق بقول عمر نحن ابتدعناه۔

وسابعًا۔ كيف يكون هذا اصلا لاعلام عمر وعثمان فانه ان كان قبل جلوس الامام وهذا عند جلوسه على المنبر۔

وبالجملة فيه مفاسد اظهر من ان تظهر واكثر من ان تحصر وانما الامر ما وصفنا انه رحمه الله تعالىٰ كتب البحث من دون مراجعته[1] للحديث ولا لكلام المتنازعين۔ ولا لكلام مالك واصحابه الاكثرين والالم تعرض تلك الاوهام ولم يستقم له تاويل حديث ابن اسحٰق ولا ماينكر عليه مالك بالاعلام۔

فظهر ان تعلق بعض جهلة الزمان بهذا البحث الذى ليس له روح ليعيش انما هو تشبث الغريق بالحشيش وتقدم بعض ما يليق به فى النفحة التاسعة الحديثية ثم ليس فيه على ما قررنا ما يقرا عينهم اذ ليس فيه

---

[1] ولذا النسبه للطبرانى مع وجوده فى افضل السنن ابى داؤد وقال الزرقانى فى المقصد الثالث من شرح المواهب على المؤلف المواخذة فى ترك الترمذى ان الحديث اذا كان فى احد الستة لا يعزى لغيرها كما قال مغلطاى انتهى ! منه حفظه ربه۔

ان الاذان کان علی عهده صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی جوف المسجد وفیہ الکلام واللہ المستعان وللہ الحمد۔

نفحہ (۲۱) قال القهستانی فی شرح النقایۃ عند قولها (اذن ثانیا بین یدیہ)

ای بین الجهتین المسامتین لیمین المنبر او الامام ویسارہ قریبا منه ووسطهما بالسکون فیشمل ما اذا اذن فی زاویۃ قائمۃ او حادۃ او منفرجۃ حادثۃ من خطین خارجین من ھاتین الجهتین ولا بأس بشموله بحسب المفہوم ما اذا کان ظهر المؤذن الی وجه مایضاف الیه الیدان، فان قرینۃ الاذان تدل ان وجهه یکون الیه لکن یشکل بما اذا کان ظهرہ الی ظهر المضاف الیه الا اذا قیل باخراجه بقرینۃ قوله استقبلوہ مستمعین اھ

اقول۔ ھذا کلام تحیر ھولاء فی حلّه وتناقضوا فی حمله واستشهد به بعضهم لجهله ولیس فیه الا مشتت لشمله ومسفه لعقله ثم ھو غیر محرر فی اصله فنذکر بتوفیقه تعالیٰ اولا مایشرحه ثم لتکمیل الفائدۃ مایزیفه ویجرحه ثم نتوجه الی جهل ھولاء فنطرحه ولنقدم لذالک مقدمات توضحه۔

الاولی ۔ المنبر فی قولهم بین یدی المنبر مجاز عن الخطیب بالنقل والعقل المصیب اما النقل فقول العلامۃ المحقق البحر فی البحر۔

الضمیر فی قوله بین یدیه عائد الی الخطیب الجالس وفی القدوری بین یدی المنبر وھو مجاز اطلاقًا لاسم المحل علی الحال کما فی سراج

الوهاج فاطلق اسم المنبر على الخطيب اھ

واما العقل فلان المنبر لو كان عريضا يسع رجالا فقام الامام على احد طرفيه والموذن بحذاء طرفه الاخر فقد اخطأ السنة لانه ليس بين يدى الامام مع انه بين يدى المنبر لاشك فعلم ان السنة هو كونه بين يدى الخطيب دون المنبر اذ العود غير مقصود وقد مرت السنون لم يكن منبر فما كان يواجه الا الامام امام الانام عليه وعلى اله افضل الصلوٰة والسلام هذا ظاهر جدا۔

الثانية ۔ فى المغرب الوسط بالتحريك اسم لعين ما بين طرفى الشئ كمركز الدائرة ۔ وبالسكون اسم مبهم لداخل الدائرة مثلاً ولذالك كان ظرفًا فالاول يجعل مبتدأ وفاعلا ومفعولا به وداخلا عليه حرف الجر ولا يصح شئ من هذا فى الثانى۔ تقول وسطه خير من طرفه واتسع وسطه وضربت وسطه وجلستُ فى وسط الدار۔ وجلست وسطه بالسكون لا غير ويوصف بالاول مستويا فيه المذكر والمونث والاثنان والجمع وقال الله تعالٰى جعلناكم امة وسطا۔ ولله على ان اهدى شاتين وسطا الى بيت الله او اعتق عبدين وسطا اھ

وفى الصحاح ۔

كل موضع صلح فيه بين فهو وسط بالتسكين كجلست وسط القوم

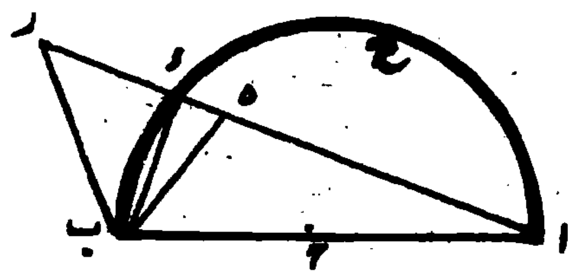
وان لم يصلح فيه فهو بالتحريك كجلست وسط الدار وربما سكن

وليس بالوجه اھ

الثالثة ۔ كل زاوية جعل منتصف وترها مركزا ورسمت عليه ببعد

احد طرفيه قوس الى جهة الزاوية حتى وصلت الى الطرف الآخر فان الزاوية ان كانت قائمة تمر القوس براسها او منفرجة فوراء راسها او حادة فدونه.

وبالعكس ان مرت القوس براسها فهي قائمة او وقعت وراءه فمنفرجة او دونه فحادة وبعبارة اخرى كل خط نصف ورسمت على منتصفه ببعد احد طرفيه قوس وصلت لطرفه الآخر فاذا جعلت هذا الخط قاعدة مثلث واقع الى جهة القوس فان وقع راسه على نفس القوس فزاوية قائمة أو ورائها فحادة او دونها فمنفرجة وبالعكس ان كانت زاوية الراس قائمة تقع على نفس القوس او حادة فورائها او منفرجة فدونها.



وليكن اب خطا رسمنا على نصفه ح ببعد ا قوس اح ب ثم جعلناه قاعدة مثلثات ا ء ب - ا ر ب - ا ه ب فزاوية الواقعة على القوس قائمة والواقعة ورائها حادة والواقعة دونها منفرجة.

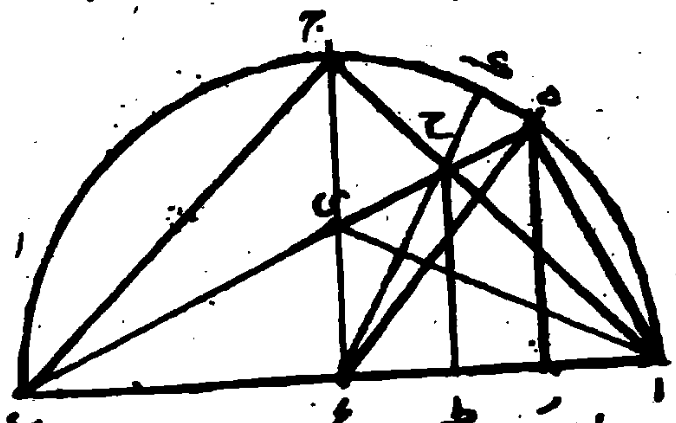
وان كانت الزاوية قائمة تقع على نفس القوس مثل ع ا وحادة تقع خارجها مثل ز ا ومنفرجة فداخلها مثل ه

وذالك لان القوس نصف دائرة وقد وقعت فيها زاوية ء فهي قائمة بحكم ل من ثالثة الاصول فتكون ر حادة والا اجتمع في مثلث ب ء ر قائمتان وهو محال بحكم لب من اولى الاصول. وكذا ب ه ء حادة لعين ذالك فب ه ا منفرجة بحكم ٦ من اولى ها.

ثم لتكن ر قائمة فلا موقع لها الا على نفس القوس اذ لو وقعت دونها مثل ه او ورائها مثل ر وقد تبين ان ر ايضا قائمة لاجتمع فى مثلث قائمتان ولتكن ه منفرجة فلا تقع الا داخل القوس اذ لو وقعت عليها كانت قائمة او ورائها كانت حادة لما مر۔

ولتكن رحادة فلا وقوع لها الا خارج القوس اذ لو وقعت عليها كانت قائمة - او داخلها كانت منفرجة لما سبق وذالك ما اردناه وبه تبنيت العبارة الاولى اصلا وعكسا۔

الرابعة - كل زاويه غير حادة نزل من راسها عمود على قاعدتها فانه يكون نصف القاعدة ان كانت الزاوية قائمة متساوية الساقين والا اقل من نصفها سواء كانت منفرجة مطلقا او قائمة مختلفة الساقين۔



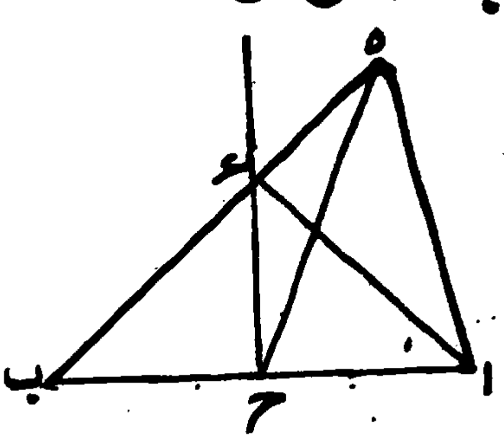
فلتكن ا ح ب قائمة متساوية الساقين فح ا نصف اب بوجوه كثيرة منها ان زاويتى ح اب ح ب ا متساويتان بخامسة الاولى لتساوى الساقين وحيث ان ح قائمة فكلتاهما نصف قائمة يلب منها د ح ء ب قائمة بحكم العمودية فز ح ب نصف قائمة بلب فح و، ء ب متساويان بسادسة الاولى وكذا بعين البيان ح ء، ء ا فيكون ا ء، ء ب متساويين فكل منهما نصف اب مساويا لح ء

ثم لتكن اه ب قائمة مختلفة الساقين فنقول ه ر اصغر من

نصف اب اعنی نصف القطر لان ر لیس مرکزاً والا لکان فی مثلثی ا ر ہ
ہ ر ب ضلعا ا ر، ر ب متساویین و ر ہ مشترک وزاویتا ر قائمتان
فبرابعة الاولی یساوی ا ہ ، ہ ب ہف فلیکن المرکز ر وقلنا ہ ر نصف
القطر فلوکان ہ ر مساویا له تساوت بالماموبی زاویتا ر فاجتمع فی مثلث
قائمتان وان کان ہ ر اکبر من ہ ر کانت ر الموترة بالاکبر اکبر من ر القائمة
الموترة بالاصغر بحکم یح من الاولی فاجتمع فی مثلث قائمة ومنفرجة
فلاجرم ان ہ ر اصغر من ا ر -

والامر فی المنفرجة اظهر سواء کانت متساویة الساقین مثل
ا ی ب - اومختلفتهما مثل اح ب لانها تقع داخل القوس فالعمود النازل
منها علی القطر ان مر بالمرکز مثل ی ر کان جزءً من نصف القطر ح ر وان
لم یمر به مثل ح ط اخرجناح الی ر ک کان ح ر الاصغر من ر ک نصف
القطر لکونه وتر القائمة اکبر من ح ط وتر الحادة بحکم ر ط من الاولی و
ذالك ما اردناہ -

الخامسة - کل خط اقیم علی نصفه عمود غیر محدود واخرج من طرفیه
خطان یحدثان معه زاویتین مجموعهما اصغر من قائمتین فان تساوت
الزاویتان فملتقی الخطین علی نفس العمود والا فخارجة وعلی کل تحتمل
زاویة ملتقاهما ان تکون قائمة اوحادة او منفرجة



فلیکن اب خطاً نصف علی ح واقیم علیه عمود ح غیر محدود فاخرج من جنبیه

خطا ا ر ـ ب ر محدثين زاويتي اب مساويتين فانهما يلتقيان على نقطة ء من العمود والا فيلتقيا خارجه مثلا على ه وصلنا ه ح ففي مثلثي ا ح ه ب ح ه نصفا ا ح ب ح متساويان بالفرض وكذا ا ه ب ه لخامسة الاولى لتساوي زاويتي اب بالفرض و ه ح مشترك فبثامنة الاولى تتساوي زاويتا ا ح ه ـ ه ح ب فبحكم ٦ منها كانتا قائمتين وقد كانت ا ح ر قائمة فتساوى الكل والجزء هف وليخرج عن جنبيه ا ه ب ه عن زاويتين مختلفتين فملتقى هما خارج العمود على ه والا فيلتقيا على ء من العمود ففي مثلثي ا ح ء ، ء ح ب نصفا ا ح ، ح ب متساويان و ء ح مشترك ور زاويتا ح قائمتان فبالرابع تتساوى زاويتا اب وقد فرضنا مختلفين هف فالحكم ثابت وذالك ما اردناه.

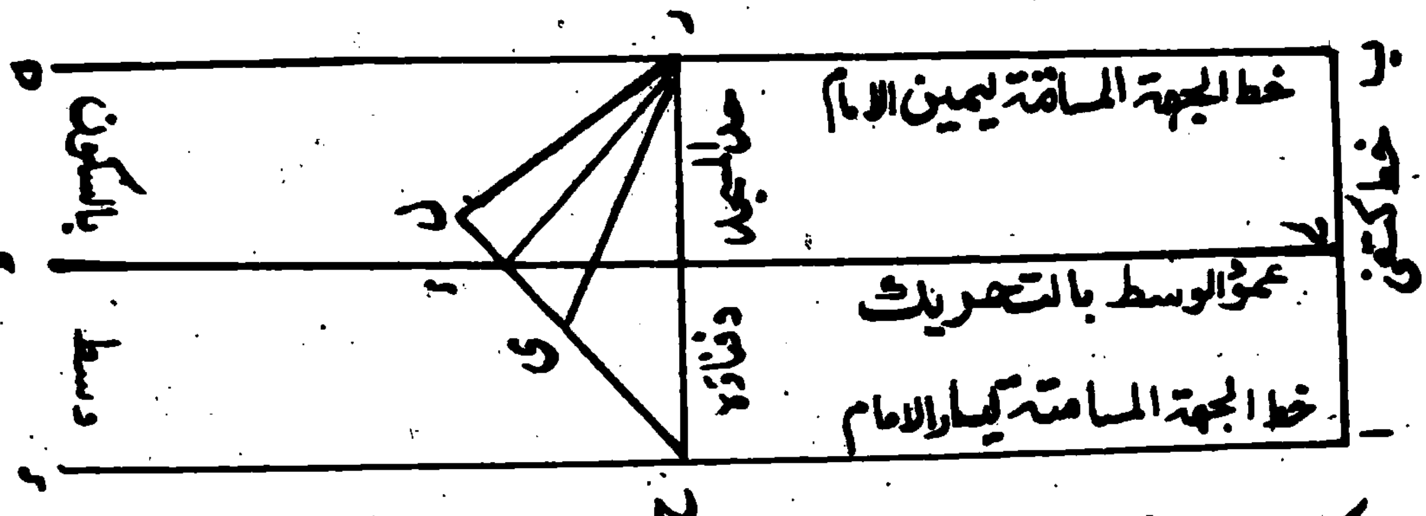
اما احتمال الزوايا الثلث في الملتقى على كل تقدير فظاهر لان الزاويتين الحادثتين منهما لحادة سواء كانت الزاويتان على الخط الاول متساويتين او مختلفتين كل ذالك يلب من الاولى ـ

اذا عرفت هذا واعلمناك في النفحة الاولى العودية ان معنى بين يديه التركيبي الفضاء المحقق المحصور بالجارحتين عند بسطهما او الموهوم عند ارسالهما اعني الخط النافذ على الاستقامة من وسط احد كتفيك الى وسط الكتف الاخر ولا يمكن ارادته هنا وفي عامة استعمالات هذا اللفظ بل اريد فيها باليدين الجهتان الواقعتان على سمتهما اي تخرج من طرفي كتفيه خطين عمودين على ذالك الخط الواصل بين كتفيه فهذان الخطان هما الجهتان المسامتان ليمين من اضيف اليه اليدان وشماله كما قدمنا ثمه عن الكشاف والمدارك وغيرهما فكل ما وقع بين هذين الخطين بشرط

القرب اللائق بالشئ المتفاوت تفاوتاً شديداً بحسب المقام فهو بين يديه كما افدناك تحقيقه بما لا مزيد عليه الى هنا اتم معنى كلام القهستانی الى قوله قريبا منه - ثم اذا نصفت الخط الواصل بين الكتفين ونسميه الخط الكتفى واقمت عليه عموداً ثالثاً وايا ه نسمى العمود كان هو ومايقع عليه وسط الجهتين المذكورتين بينهما بالتحريك وما كان بينهما محاذا عن العمود فهووسطهما بالسكون فالأن يريد الشيخ يفيد ان ليس شرط كون الشئ بين يديك وقوعه على العمود بل يكفى كونه بين خطى الجهة اينما كان فلذا قال ووسطهما بالسكون وهو عطف على قريبا منه لانه قريب منه او على بين الجهتين تفسيراً له ثم فرع عليه جواز قيام الموذن فى زاوية قائمة اوحادة اومنفرجة .

وبيانه انه لا يمكن جعل الخط الكتفى وتر زاوية قائمة اومنفرجة يقوم فيها اى بين ساقيها الموذن لان ما بين كتفى الانسان نحو ذراع فان جعل وتر زاوية غير حادة كان مابينها وبين الكتفى شبرا او اقل بحكم القاعدة الرابعة وتدم الانسان اكثر من شبر ولذا اعتبر اهل الهيئة والمساحة ثلثى ذراع بالقدم حيث يقولون ان بارتفاع الناظر عن وجه الارض كذا قد ما ينحط الافق كذا دقيقة كما ذكرنا ضابطته وتفاريعها النفيسة المحتاج اليها فى علم الاوقات فى تحريرا تنا فى فن التوقيت وبالله التوفيق فلذا لم يخرج الخطين المحدثين زاوية مقام الموذن بالتقائهما ونسميها خطى المقام عن يمين الامام وشماله بل عن موضع ما من امتداد خطى الجهتين وذالك قوله خارجين من هاتين الجهتين

وهما كما ترى غير محدودتين وانما يأتي التحديد من قبل قضية المحل وهي هنا كما بينا بدلائل قاهرة ونصوص باهرة كونه خارج المسجد في حدوده وفنائه فتعين هو وتر الزاوية المقام بحكم فقهاء الكرام وسنة الشارع سيد الانام عليه وآله افضل الصلوة والسلام فكان الشكل هكذا.



اب الخط الكتفي ا ر ب ه خطا الجهتين المسامتين ح ط العمود ح ر حد المسجد وفناؤه . اخرج من ح الى خطا المقام ح ك ر ك فالتقيا على العمود واحدثا قائمة ك او خطا ح ى رى فاحدثا اى المنفرجة او خطا ح ل ر ل فاحدثا حادة ل ففي ايها اذن المؤذن كان بين يديه والقيام في ك غير متعين عليه .

فان قلت — هذا كما يشمل الزوايا الثلث يشمل ما اذا كان ظهر المؤذن الى وجه الامام .

قلنا — نعم هو داخل في مفهوم بين يديه ولكن ليس كل ما يشمله مفهوم اللفظ يكون مرادا فان الاطلاق غير العموم وقد دلت القرائن ههنا ان المراد المواجهة بين الامام والمؤذن لان الامام على المنبر مستدبر القبلة والمؤذن بين يديه وقد امر ان يستقبل القبلة في الاذان فتعين ان يكون وجهه الى وجه الامام كما ان مفهوم بين يديه يشمل

المتصل والمنفصل والخارج عن المسجد والداخل لكن دلت الدلائل ان داخل المسجد غير مقصود ولا البعيد بحيث لا يعد اذانه اذانا لهذا المسجد فتعين كونه فى حدود المسجد وفنائه مرادًا والاعتراض عليه بشمول مفهوم اللفظ جهل بعين كشموله لمستدبر القبلة -

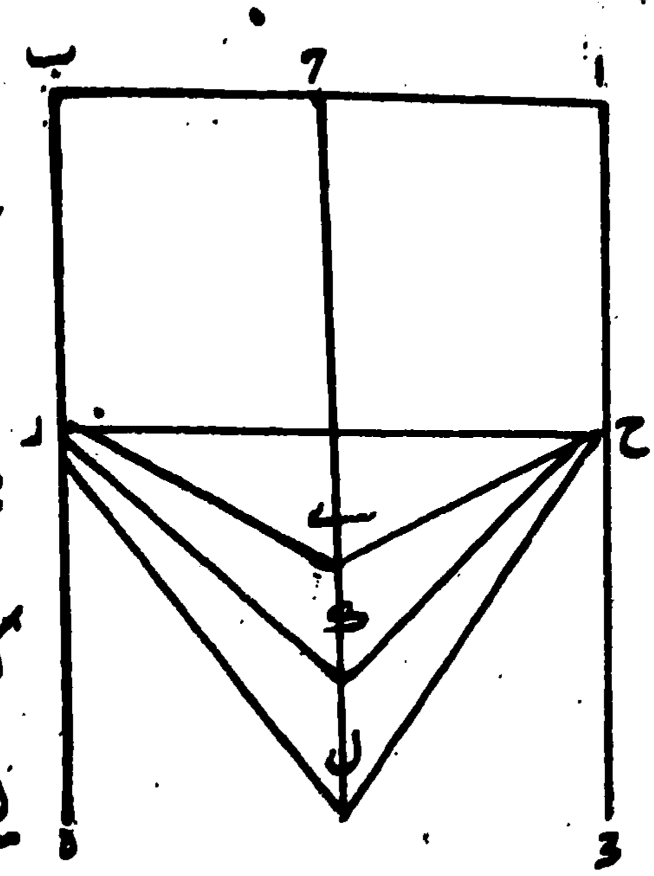
فان قلت - قرينة امر الموذن باستقبال القبلة لا تنفى ما اذا كان ظهر الموذن لظهر الامام بان قام الموذن بين الامام والقبلة متوجهًا لكعبة وربما يتركون مستعا كبيرًا بين المنبر والقبلة كما هو مشاهد فى مكة المكرمة وذالك لان الجهتين المسامتين تمتدان خلف اليدين ايضا كما تمتدان امامهما -

قلنا - نعم هذا مشكل الا ان يقال باخراجه بقرينة قول الماتن واستقبلوه فان الموذن داخل فى عموم هذا الجمع وفيه نظر لان عبارة المتن واستقبلوه مستمعين وهذا بيان حال الخطبة والاذان قبلها ولذا مرضه بقوله الا اذا قيل الخ - هذا شرح كلامه حسب مرامه

اقول وفيه اولاً -

لا يظهر تفريع شمول الزوايا الثلث على تسكين الوسط بل لو كان بتحريكه لشملها ايضًا كما علمت فى الخامسة

الاترى عند تساوى زاويتى ح ر تقع الكل على العمود لما تقدم فى الخامسة مع ان ى منفرجة ولك قائمة ول حادة الا ان يقال ليس المراد مجرد شمول الاقسام بل الافراد والزوايا الثلث كما تحدث على العمود كذا خارجة فانما يشملها بالسكون ـ



وثانيا الذى استشكله ليس بوارد اصلاً فانك ان اردت المعنى التركيبي فالكل خارج وان اردت الاجمالى فهو للامام والقدام كما نصوا عليه وقدمناه ولا يقال سمت وجهك الاجهة توجهك وان امكن مد الخط خلفا وقداما ووجه يديك الى جهة وجهك فلا يسامتهما الا الخط الممتد الى هذه الجهة فالصواب اسقاط هذا الاشكال ـ والاصوب ان يقول ووسطهما بالسكون فتشمل ما اذا كانت جهة الموذن على سمت جهة الخطيب او منحرفة عنهما الى احدى كتفيه ما لم يخرج عن الخطين كما ان مستقبل القبلة مستقبل لها ما لم يخرج عن الربع الذى الكعبة فى وسطه كما حققناه بتوفيق الله تعالى فى رسالتنا ، هداية المتعال فى حد الاستقبال ، هذا ما يتعلق بكلامه شرحًا وجرحًا.

اما هؤلاء فتعرض لهذه العبارة منهم وهابيان ضالان واخوان جاهلان وخامسًا من الطلبة ـ اما احد الضالين واضلهما فجعله دليلاً على انه لاحاجة الى المحاذاة عينا بين الخطيب والموذن وجعله ردًا على كلام اهل الحق من هذه الجهة وهذا اجهل منه شديد فان المحاذاة سنة لاشك ـ وان اراد بها مسامتة جهتى الموذن والامام فلا محاذاة

مقصورة عليه ولا كلام اهل الحق يومی اليه لكن الجهلة لا يفهمون ۔

والباقون استدلوا بها على ان هذا الاذان داخل المسجد لضيق المنبر فاما الضال الآخر فاقتصر على الاستدلال بقوله قريبًا منه ۔ قد علمت ردہ مرارًا وفسر قوله الجهتين المسامتين الخ بما بين جهتي الامام اما يمينه او يساره ۔ اترى مثل هؤلاء الجهلاء اهلا للمخاطبة ۔

واما الذی يعد من الطلبة فزاد فی الطنبور نغمة وفی الشطرنج بغلة فزعم ان القهستانی ذكر قوله ای قريبا منه بعد قوله عند المنبر وهذا افتراء منه عليه فليس هنا فی كلام القهستانی لفظة "عند المنبر" اصلا ولا لفظة "ای" ولوكان لم يكن فيه ما يقر عينه فلا القرب ينكر ولا فی جوف المسجد يحصر كما تبين مرارًا واما الجاهلان فاقتحما خوض بحر اغرقهما فقال احدهما ان وتر المثلث عرض المنبر وقد علمت ردہ ان المراد بالمنبر الامام وما بين كتفيه يستحيل ان يراد وترا وقال الآخر فی تفسير كلام القهستانی يخرج خطان عن يمين الامام ويسارہ حتى يلتقيا على زاوية قائمة او حادة او منفرجة فيقوم الموذن فی هذه الزاوية ويوذن قال وكان عرض منبر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذراعين وقدم الانسان شبر وربع شبر فان اخذ المثلث متساوی الاضلاع تحدث زاوية حادة ويكون الفضل ذراعين الا قليلا وفی القائمة اقل منه وفی المنفرجة اقل من الاقل والحادة وان امكن اخراجها خارج باب المسجد لكن يسقط هذا الاحتمال قيد ان يوذ الموذن قائمًا فی زاوية لان الباب ان يعد اربعين ذراعًا والوتر كما تقدم ذراعان

فالزاوية الحادثة خارج الباب تكون ضيقة جدا لا تسع عودا دقيقا فضلا عن الانسان مع ان المقصود القهستانی ان تمکن الزوايا الثلاث ثمه ولا امکان هناك لغير الحادة ام

هذيانه المتعلق بالبحث الهندسی و قد علمت انه جهل منه وسوء فهم۔

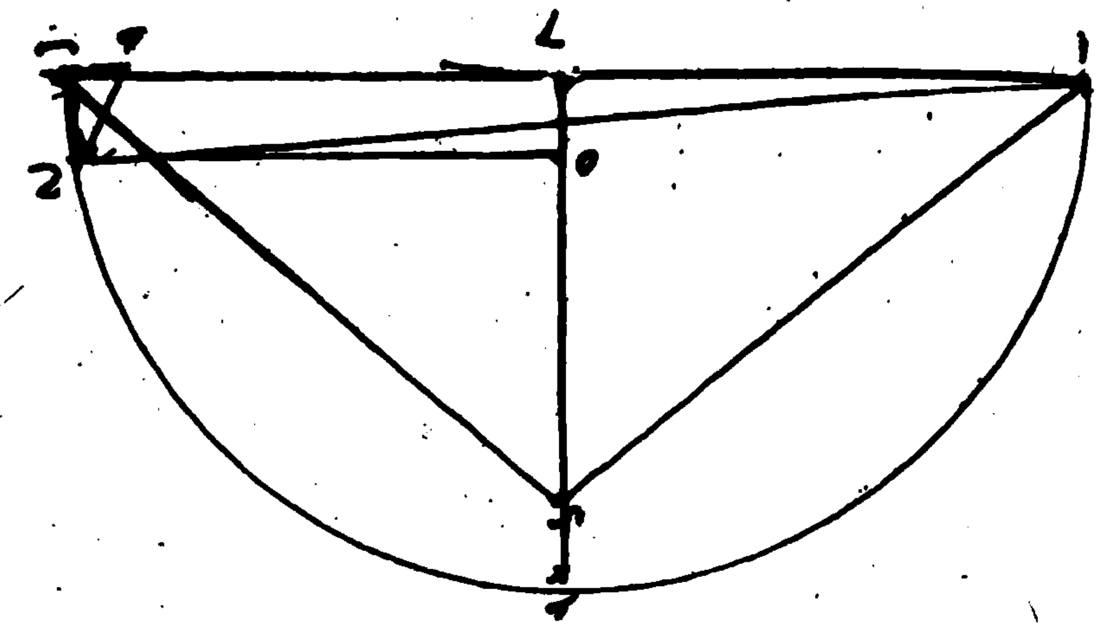
فاولاً۔ لم يخرج القهستانی خطی المقام عن كتفی الامام بل عن خطی الجهتين لما مرّ۔

وثانيا۔ لو اخرجا من كتفيه استحال قيام المؤذن فی قائمة او منفرجة كما علمت۔

وثالثا۔ جری علی لسانه بعض الحق من حيث لا يدری ان الملحظ ههنا يمين الامام ثم عاد الی الباطل الصرف فجعل عرض المنبر مطمح النظر وقد علمت بطلانه۔

ورابعًا۔ تخصيصه الحادة بالمثلث المتساوی الاضلاع من ضيق العطن ولم يقدر علی تعيين قدر العمود فقال ذراعين الا قليلاً والعلم ان نسبة الی ذراعين كنسبة جذر ما الطيد الی المرفوع ولو علم لقال فی القائمة ذراع او اقل ثم لا يجب ان يكون الفصل فی المنفرجة اقل منه فی القائمة بل ربما يكون اكثر بكثير مثلا ادرنا علی اب القوس واقمنا علی نصفه ح عمود ح ر واخذنا ثمن ح ء فی الطرفين ح ہ ر د ووصلنا ا ر ب ر كانت ا ر ب منفرجة عمودها ح ر ورسمنا من ہ۔ ہ ح موازی ح ب ووصلنا ا ح ب ح فكانت ا ح ب قائمة نزلنا منها عمود ح ط فكان مساويا لـ ہ ء بحكم لد من

اولی الاصول وھو سبع ح ر بالفرض فکانت فصل المنفرجه سبعة امثال فصل القائمة ویمکن ان یکون الف ضعف والف الف ضعف کما لا یخفی۔



خامسًا۔ من جهله الاشد حسبانه ان الزاویة القائمة او المنفرجة عند ملتقی خطیها تسع النسا نا بخلاف الحادة الذی ذکر ولم یدر ان التقاء الخطین علی نقطه لا تتجزیٔ ولا سعة هناك لحبة خردل ولا لعشر عشیر معشار ها مالم یبلغ الجوهر الفرد۔

وسادسًا۔ رسم له قائمة ساقاها قدر شعیرة او نصفها مثل هذا ا ب ح

وقل له تم فی زاویة اب ح هذه بحیث تسعك ولا یبقیٰ شئ منك خارجها فان قال لا استطیع فقد کذب نفسه لانه کانت تسعه حادة المثلث المتساوی الاضلاع عند المنبر وهذه اکبر منها بقدر نصفها لانها قائمة والقوائم کلها متساویة فکیف لا تسعك الکبرت او تخلخلت ام تکاثفت القائمة وضاقت حتی صارت اصغر من اصغر منها وحینئذ یصیر جهله بمرأی عینیه فیعترف به اضطرار التجربته علی نفسه ومشاهدته جهارًا ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

وسابعًا۔ وزعمه ان لا امکان هناك لغیر الحادة شهادة منه بجهله

الشديد مبنى على زعمه الطريد۔ ان الوتر عرض المنبر وقد علمت مازم الحق به فظهر والحمد لله العلى الاكبر وليكن هذا آخر الكلام وقد اتينا بحمد الله تعالیٰ على جميع ما ابدوا من الاوهام ولم نترك الاما يستنكف الهذيان ان شبه به، وقد تكفل بالرد على قضها وقضيضها رسائل اولادى واصحابى فى هذه المسألة مثل "اذان من الله، وقاية اهل السنة، وسلامة الله لاهل سنة، ونفى العار" وسيف القهار" وتعبير خواب، وحق نما، فيصله واللطمات والاسواط۔ الى غير ذلك مما تانت عشراً ولم يبق لاحد عذراً والحمد لله فى الاولى والاخرىٰ فالمرجو من سادتنا واخوتنا العلماء الكرام ادام الله بهم نفع الاسلام ان ينظروا بعين الانصاف ويسمحوا برفع الخلاف ويظهر والحق لاجل الحق تعالى الحق وجل الحق۔ والحمد لله رب العالمين وافضل الصلوات واكمل السلام على سيد المرسلين خاتم النبيين واله الكريم وصحبه العظام وابنه الكرام وحزبه اجمعين عدد كل ذرة ذرة الف الف مرة فى كل آن وحين الى ابد الابدين استراح القلم واستنار الحق ان شاء الكريم الاكرم لعشر خلون من شوال المكرم سنة ۱۳۳۳ من الهجرة القدسية على صاحبها الكريم واله الكرام اكرم الصلوٰة والتحية آمين۔

والحمد لله رب العلمين سبحن ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين قاله بفمه ورقمه بقلمه احد كلاب باب عبد القادر احمد رضا المحمدى السنى الحنفى البريلوى غفر الله له وحقق له امله واصلح عمله بجاه المصطفىٰ واهله صلى الله تعالى وبارك وسلم عليه وعليهم ابداً قدر حسنه وجماله وجوده ونواله ونعمه وافضاله آمين۔ والحمد لله رب العلمين۔

اضافات افاضات

اعلم ان العبد الفقیر کان ختم الکتاب بحول الوهاب بما فیہ غنیة لاولی الالباب ثم کتابة فی الاخریات کشفت عن وجهها النقاب وقد انطوی کتابنا ۔ وللہ الحمد علی ما یقضی علیها بالتباب غیر ان زیادة خیر زیادة خیر للاحباب والتصریح احسن من التلویح لعامة الطلاب فاجیت اضافة افاضات تجلی الصواب وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ ماٰب

نفحہ ۲۲ ۔ متقاص فی اللداد والعناد ۔ وشیمة الحساد یبقی صامتا الی ان تمت الردود علی کل مردود ننظر جمیع ذلک وحاول ان یستخرج لہ مخرجا من کل تلک المهالک فوسوس الیہ وسواسہ ان یفزع الی عرف عوام یخترعہ مخالفا للغة والشرع واصطلاح الاصول جمیعا لیرد بہ جمیع ما سردنا من نصوص القراٰن المجید والحدیث الحمید واقاویل ائمة التفسیر وشروح الحدیث وکبراء اللغة وعظماء الاصول فی تحقیق معانی " بین یدیہ " وعند ۔

فزعم ان کل ذالک بمعزل عما هو فیہ فان کلامنا فی العرف العام وفیہ بین یدیہ وعند کلاهما للقرب ولیس فیہ القرب الا لذلک الوجہ المخصوص الذی یوجب التصاق الاذان بالمنبر ۔

فتوهم بهذا النافذ قد خرج وشرد عن کل ما وردنا فان ما فی القراٰن والحدیث والتفسیر والشروح کل ذالک معنی شرعی وما فی کتب اللغة معنی لغوی وما فی کتب الاصول عرف خاص علمی والکلام فی العرف العام

ولم يدر ان هذه الحيلة هدمت كل ما بنى وضربت على راس نفسها فقضت عليها بالفناء

فاولاً۔ استندت بقول الراغب فانما كتابه فى لغة العرب والمحاورات الكريمة القرانية وقد عزلتهما معا وقوله يقال ويستعمل لا يخرجه عن لغة العرب الى العرف الجديد وان اخرج عندك فقد قال فى التاج "يقال بين يديك لكل شئ امامك" وفى الرضى "ان عند يستعمل فى القريب والبعيد"

وثانيًا۔ مافزعك الى الكشاف والمدارك اديسا من التفاسير وانما ذكرا ماذكرا شرحا للمحاورة القرانية وهى عندك بمعزل عن الاستناد وقولهما "حقيقة قولهم" والضمير فيه للعرب والعرب لاتتكلم الابلغتها واللغة لاتثبت الابكلامها فهما مثلا زمان وفى الاصل ولاامكان لادعاء النقل الابحجة وبرهان فصل كيف وان النقل خلاف الاصل

وثالثًا۔ كذالك القران العظيم انما نزل بلسان عربى مبين قال تعالى

انا جعلناه قرانا عربيًا

وقال تعالى

انه لحق مثل ما انكم تنطقون

فمافيه الاما كانوا يتحاورونه فيما بينهم غير ماثبت فيه النقل الشرعى فثبوت معنى فى القران اول دليل واجله على محاورة العرب اللهم الا ان يثبت النقل الشرعى ودون ثبوته خرط القتاد وادعاؤه لاجزا فا امرعظيم فى الفساد قال المحقق على الاطلاق فى الفتح والبحر فى البحر والشامى فى رد المحتار۔

الخطاب انما هو باللغة العربية ما لم يثبت نقل كلفظ الصلوٰة ونحوه فيصير منقولاً شرعيا اه

وقال بحر العلوم فی فواتح الرحموت

دعوی النقل دعوی علی اللّٰہ تعالیٰ فلابد لاثباتها من قاطع ولیس ههنا امارة ظنية فضلا عن قاطع فلا يليق بحال مسلم ان يجترأ على الله بما لم يعلم اه

ورابعاً۔ کل کلام انما یحمل علی عرف المتکلم کما نصوا علیہ فی غیر ما مقام و سیدنا سائب بن یزید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما من اهل اللسان ولا یتکلم الا علی عرفهم ولم یکن له اصطلاح خاص علی خلاف العرف العام وقد اطلق "بین یدیه" علی اذان کان علی باب المسجد ولکن الله بیننا فی عند "عند" محاورات عامة لا ینکرها الا مکابر فادعاء ان العرف العام خص اللفظ بما یزعمونه جهل بالعرف او فرية عليه

وخامساً۔ یا للعجب زعم ذاك المدعی فی رد کلمات ائمة الاصول المتواترة المتظافرة علی ان عند للحضرة بقوله ان کل ذالك لغو لا یجدی شیئا انما النظر الی الحقیقة العرفية وکل من سمع باسم اصول الفقه یعلم ان ما یذکر فیه اصول للفقه ولیس مصطلح الفقه مخالفا لما ذکر من معانی الالفاظ فی الاصول و انما البحث ههنا عن لفظ " عند " الواقع فی کلام الفقهاء فان فرض ان هناك عرفا جدیدا للعامة مخالفا لعرف الفقه و الاصول لم یکن فیه ما یقر عینك فان کلام الفقهاء انما یحمل علی عرف الفقهاء دون العوام ولکن التعصب اذا تملك اهلك۔

وسادساً۔ ماذا یقول المعاند فی قول العلامة خیر الدین الرملی رحمه اللّٰہ تعالیٰ فی فتاواه" فی رجل حلف بالطلاق الثلاث انه لایشتی عند

زوجتہ فی البلد نشتی فی جامعها لا یقع علیها الطلاق لان الشرط کون التشتیۃ فی البلد عندها ولم یوجد وعند للحضرۃ الا ان ینوی ذلک واللہ تعالٰی اعلم" اھ

فہذہ مسئلۃ الحلف انما مبنی الحلف علی العرف وقد افصح فیہ ان عند للحضرۃ فظہر ان ما ذکر ائمۃ الاصول ہو العرف وبالجملۃ فالحق ان لاخلف ھٰہنا بین اللغۃ ولسان الشرع والاصول والفقہ والعرف کل ذالک متوارد علی ماذکرنا من معانی بین یدی وعند ولیس ھنا نقل ولا اشتراک ولا تجوز بل معنی مطلق منسحب علی مصادیقہ یتعین بعضہا فی الکلام بقرائن المقام کما فصلناہ وللہ الحمد۔

وسابعًا۔ لئن تنزلنا عن ھٰذا کلہ فالذی لجاء الیہ الحیلۃ امران الاول بین یدی وعند للقرب وقد استند لہ بالراغب وغیرہ وقدمنا انہ غیر مستنکر ولایفیدہ ولا یضرنا والاٰخر ان القرب فی العرف العام خاص بما یلصق المؤذن بالخطیب کما یزعمون وھٰذا ھو الذی فیہ مرامہ ولم یستند فیہ بشیئ سوی شقشقۃ اللسان وقد تقدم من المحاورات ما یکن بہ فلم یرجع سعیہ الی طائل۔

وثامنًا۔ تنزلنا عن ھٰذا ایضًا فرضنا ان ثم عرفًا کما تدعی لکن ان کان ففی نفر مثلک من العوام فما لک لاتفرق بین عرف العوام والعرف العام لان الکلام ھٰہنا فی عرف الفقہاء الکرام فہل عندک دلیل انہم یحصرون القرب فیما تزعم کلا بل کلامہم ناطق ببطلان ما تحکم ولنسرد علیک شیئًا منہ فستہدی الی الحق ان اراد اللہ والا فیستہدی غیرک ممن ھدی اللہ۔

فاقول :- وبالله التوفيق لاشك ان القرب امر اضافی فاذا ذکر الحاشیتان والتفاضل بینهما فلا یمتری غیر مجنون ان القرب لا ینتهی الی حد لایتجاوزہ مالم ینقطع العالم کلہ فکل بعید من شئی مهما بعد اقرب الیہ بالنسبة الی ماهوابعد منہ کالکرسی اقرب الی الارض من العرش مع انہ ابعد الاجسام من الفرش بعد العرش بحیث لایقدر بعدہ الا خالقہ عزوجل ثم من علمہ لکنہ بما تکون للشئی بالنظر الی اٰخر حالة یطلق علیہ بالنسبة الیہ لفظ القریب مطلقًا بدون لحاظ اضافتہ الی شئی ثالث ولہ وجوہ کثیرة مختلفة باختلاف المقام ۔

منها :- "قرب التناول" ان یکون الشئی منك بحیث تصل یدك الیہ کقولہ تعالٰی "فراغ الی اهلہ فجاء بعجل سمین فقربہ الیهم قال الا تاکلون

ومنها :- "قرب السمع" ان یبلغہ صوتك

ومنها :- "قرب السیر" ان لایلحقك کبیر حرج فی الوصول الیہ فلوخص الفقهاء القرب لقرب التناول صلح کلامك وحصل مرامك لکنهم براء عنہ قطعًا اکبر کلما تهم تراهم یطلقون القرب ویعنون بہ احد الوجوہ الثلٰثة الاخیرة حتی تافت عباراتهم فی تفسیر القرب المطلق عشرًا فیما یحضرنی الاٰن ولعل مالم اتذکر نحوها او اکثر ۔ وبیان ذالك فی مسائل ۔

المسألة الاولٰی :- اطبقوا ان الماء ان کان قریبًا لم یجز التیمم للمسافر وان کان بعیدًا جاز واختلفوا ان ای ماء یسمّٰی قریبًا بالاتفاق علی ان المراد قرب السیر والاجماع علی ان لیس المراد قرب التناول قال فی العنایة

المنصوص علیہ کون الماء معدومًا وههنا معدوم حقیقة لکن نعلم بیقین ان عدمہ مع القدرة علیہ بلاحرج لیس بمجوز للتیمم والاجماع

لمن سكن بشاطى البحر وقد عدم الماء من بيته فجعلنا الحد الفاصل بين البعد والقرب لحوق الحرج اھ

وفى البناية

ليس له ان يتيمم اذا كان الماء قريبا منه اھ

وفيها۔ (م)

"الميل هو المختار فى المقدار" (ش) اى مقدار بعد الماء وجه كونه مختارًا ان المسافة القريبة جدا مانع من جواز التيمم والبعد يجوزه فقدر البعد بالميل لالحاق الحرج الى وصول الماء وعند محمد شرطه ان يكون بينه وبين المصر ميلان وعن ابى يوسف لوذهب اليه وتوضأ تذهب القافلة وتغيب عن بصره يجوز التيمم وهذا احسن جدا وقيل اذا كان نائيًا عن بصره واختلفوا فى النائى قيل قطع ميل وعن محمد قطع ميلين وقيل فرسخ وقيل جواز قصر الصلوٰة وقيل عدم سماع الاذان وقيل عدم سماع اصوات الناس وقيل لونودى من اقصى المصر لايسمع۔

وفى البدائع

ان ذهب اليه لا ينقطع عنه جلبة البعير ويحسن اصواتهم واصوات دراء فهو قريب وقيل ان كان بحيث يسمع اصوات اهل الماء فهو قريب قال قاضى خان واكثر المشائخ عليه وكذا ذكره الكرخى واقرب الاقوال اعتبار الميل فان قلت النص مطلق عن اشتراط المسافة فلا يجوز تقييده بالرای قلت المسافة القريبة مانعة بالاجماع والبعيدة غير مانعة بالاجماع فجعلنا الفاصل بينهما الميل اھ

المسألة الثانية:۔ فی التنویر

لو کانت البیر او الحوض و النهر فی ملک رجل فله ان یمنع مرید الشفة من الدخول فی ملکه اذا کان یجد ماء بقربه (قال العلامة الشامی) قال العلامة المقدسی ولم ار تقدیر القرب وینبغی تقدیره بالمیل کما فی التیمم اھ

ورایتنی کتبت علیه اقول فیه تامل فان العطشان ربما یتضرر بذهابه میلاً ولا فی طلب الماء کن الک المحدث فینبغی احالة الامر علی حالته ولعلهم لن ا ار سلوه و لم یقدروه -

المسألة الثالثة:۔ فی شهادات الدر المختار

یجب اداؤها بالطلب بشر وط سبعة مبسوطة فی البحر وغیره منها عدالة القاضی وقرب مکانه اھ

قال البحر ثم الشامی

فان کان بعیداً بحیث لا یمکنه ان یغدو ا الی القاضی لاداء الشهادة ویرجع الی اهله فی یومه ذالک قالوا لا یاثم لانه یلحقه الضرر بذالک وقال الله تعالیٰ ولا یضار کاتب ولا شهید اھ

المسألة الرابعة:۔ فی الذخیرة ثم العالمگیریة

اذا کان المدعی علیه خارج المصر انه علی وجهین الاول ان یکون قریباً من المصر فیعدیه بمجرد الدعویٰ وان کان بعیداً لا یعدیه والفاصل بین القریب والبعید انه اذا کان بحیث لو ابتدأ من اهله امکنه ان یحضر مجلس الحکم ویجیب خصمه ویبیت فی منزله فهذا قریب وان کان یحتاج الی ان یبیت فی الطریق فهذا بعیدة

المسألة الخامسة :۔ قال امامنا الثانی ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی کتاب الخراج ۔

ثم حمل الاموال (ای الضحاک بن عبد الرحمٰن الاشعری) علی قدر قربها وبعدها فجعل علی کل مائة جریب زرع مما قرب دینارًا وعلی کل الف اصل کرم مما قرب دینارًا وعلی کل الفی اصل مما بعد دینارًا (ومثله ذکر الفرق بین القریب والبعید من الزیتون) وکان غایة البعد عن مسیر الیوم و الیومین واکثر من ذالک ومادون الیوم فهو فی القریب وحملت الشام علی مثل ذالک وحملت الموصل علی مثل ذالک (فهذه کلها قرب السیر)

المسألة السادسة :۔ فی مختار الفتاوی ثم الهندیة

ان کان فی کرم وضیعة یکتفی باذان القریة والبلدة ان کان قریبًا والافلا وحد القریب ان یبلغ الاذان الیه منها ۔

المسألة السابعة :۔ قال المحقق فی الفتح ۔

یحرم فی الخطبة الکلام ان کان امرًا بمعروف او تسبیحًا والاکل والشرب والکتابة (الی ان قال) هذا کله اذا کان قریبًا بحیث یسمع فان کان بعیدًا بحیث لا یسمع اختلف المتأخرون فیه فمحمد بن مسلمة اختار السکوت ونصیر بن یحیی اختار القراة ۔الخ

المسألة الثامنة :۔ فی الهندیة من تکبیرات العیدین عن المحیط عن محمد ۔

یری تکبیر ابن مسعود فکبر الامام غیر ذالک اتبع الامام الا اذا کبر تکبیرًا لم یره احد من الفقهاء اھ (ثم نقل عن البدائع) لکن هذا اذا کان یقرب الامام فیسمع التکبیر منه فاما اذا کان یبعد منه یسمع من المکبرین یاتی بجمیع مایسمع وان خرج من اقاویل الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم لجواز ان الغلط من المکبرین فلو ترک

شیئاً منهار بما کان المتروك ما اتی به الامام

المسألة التاسعة: ۔ فی جمعة البحرالرائق ذکر فی المضمرات قال الشیخ الاجل الامام حسام الدین ۔

تجب علی اهل المواضع القریبة الی البلد التی هی توابع العمران الذین یسمعون الاذان علی المنارة باعلی الصوت

المسألة العاشرة: ۔ فی التنویر الابصار

لاتقتل من امنه حرًا اوحرة لوناسقًا بشرط سماعهم ذالك من المسلمین فلا امان لوکان بالبعد منهم

المسالة الحادیة عشرة: ۔ وفی شرح الدرر وفیه

اذا أحیٰ مسلم اوذمی ارضًا غیر منتفع بها ولیست بمملوکة لمسلم ولا ذمی وهی بعیدة من القریة اذا صاح من باقصی العامر (وهو جهوری الصوت (بزازیه) لایسمع بها صوته ملکها ا ه

وفی الکفایة من الذخیرة

الفاصل بین القریب والبعید مروی عن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ قال یقوم رجل جهوری الصوت من اقصی العمرانات علی مکان عال وینادی باعلیٰ صوته فالموضع الذی لایسمع صوته فیه یکون بعیدًا

المسألة الثانیة عشرة: ۔ فی الدر المختار

لووجد قتیلا فی الشارع الاعظم والسجن والجامع لاقسامة والدیة علی بیت المال ان کان نائیًا ای بعیدًا من المحلات والایکن نائیا بل قریبا منها فعلی قرب المحلات الیه (قال الشامی قوله قریبًا منه) الظاهر ان المعتبر فیه سماع الصوت

المسألة الثالثة عشرة ۂ۔ فی الهداية
وان وجد فی برية ليس بقربها عمارة فهو هدر وتفسير القرب ما ذكرنا من استماع الصوت۔ فهذه كلها قرب السمع
المسألة الرابعة عشرة ۂ۔ ما قدمنا فی النفحة الثانية العودية عن الجوهرة النيرة هذا اذا كان الحافظ قريبا منه ای بحيث يراه اما اذا بعد بحيث لا يراه فليس بحافظ فهذا قرب البصر هذه مصاديق القرب المطلق فی عرف الفقهاء الكرام فان كان الرسم لديكم ان خطيبكم يأكل المؤذن او مؤذنكم يبتلع المنبر فنعم لابد من قرب التناول والا فما المعين له والحامل عليه نسأل الله اراءة الحق والهداية اليه۔ آمين۔
وتاسعًا۔ قد اعترف الرجل ان فی العرف لعله فی كل محل حد علیحدة للقرب بقرينة القيام فكان عليه ان يثبت بالدليل ان قضية مقام الاذان فی القرب عن الامام الحد الفلانی لكنه ادعی وقنع بالادعاء اللسانی ولو كفت الدعوی للثبوت لقام بالبرهان كل مبهوت فما لك تقر ولا تقر وتميل الی الحق ثم تفر۔
وعاشرا۔ قال الله عزوجل "وزنوا بالقسطاس المستقيم" ولكل شیء قسطاس وقسطاس الكلام له كفتان الشرع والعقل فمن رزق حظًا منهما

ۂ وفی الهندية من الفتاوی الكبری وهی المسئلة الخامسة العشرة جری بينه وبين امرأته تشاجر من قبل اخته فقال لهما ان سببت اختی فانت طالق ثلثا ثم دخل الزوج عليها وهی تشاجر مع اخت الزوج ان سبتها وهی تراه طلقت لانها سبتها فی بين يديه وسبتها فسمع بين يديه، منه غفرله

لا يحمله الا على ما يوافقهما اما الجاهل فلا بيده ميزان ولا هو يعرف الاوزان فاذا امره من يفترض عليه طاعته ان قم فصل ركعتين ولا تتأخر لمحة فلعله يقول امرني بالصلوٰة بغير وضوء اذ لو ذهبت اسكب الماء ثم توضأت ثم الى محل الصلوٰة رجعت لفات الفور وقد نبأني ان لا تأخر لحظة، ولو حلف زيد والله لا يسكن هٰذه الدار فتاهب من فوره للخروج وجعل ينقل المتاع ولم يقصر ومكث في هٰذا يومًا مثلاً يظن الجاهل انه قد حنث لانه لم ينقل يومًا لكن العالم ان قدر الوضوء مستثنى في الاول شرعًا وقدر ما تيسر له فيه النقل مستثنى في الثاني عقلاً فلا ينتفي بهما الفور في الخانية ثم الهندية حلف لا يسكن هٰذه الدار فخرج بنفسه واشتغل يطالب دارا اخرى لينقل اليها الاهل والمتاع فلم يجد دارا اخرى اياما ويمكنه ان يضع المتاع خارج الدار لا يكون حانثا وكذا لو خرج واشتغل بطلب دابة ينقل عليها المتاع فلم يجد او كانت اليمين في جوف الليل ولم يمكنه الخروج حتى الصبح او كانت الامتعة كثيرة فخرج وهو ينقل الامتعة بنفسه ويمكنه ان يستكرى دوابًا فلم يستكر لا يحنث في جميع ذالك، هٰذا اذا نقل الامتعة بنفسه كما ينقل الناس فان نقل لا كما ينقل الناس يكون حانثا ام

وكذالك اذا جلس عالم يفيد ويلقى الدرس او المسائل والناس جلوس صفوفا حتى الباب فجاء احد من الطلبة او سائلى المسائل فعاقته هيبة المجلس عن الاقتراب بهم وجعل يستمع من بعد فامره العالم ان يقترب او امر السطان بعض حواشيه بالقرب فالجاهل يقول القرب مطلق والمراد به في العرف اقصى ما يكون فيركب اكتاف الناس ويتخطى رقابهم حتى يصل الى العالم ويجلس في حجره ويطأ فراش الملك ويطلع سريره الى ان يلزق جنبه بجنبه فيستحق التعذير في الدنيا والتعذيب في الاخرة والعياذ بالله تعالى والعاقل يعرف ان ليس المراد الا القرب السائغ شرعًا وعرفًا

فالسائل لينتهي عند الباب دون مجلس العالم والحاشية يتقدم الى منتهى منصب البواب الى الباب، والوزير الى قرب السرير ثم يقف، ويعلم ان الجاهل المستند بالعرف هو الذي اخطأ العرف فان المفهوم بالقرب المطلق هو القدر السائغ دون تحدي الحد.

وبالجملة اطباق الشرع والعقل والعرف جميعًا ان الشئ يذكر مرسلا ولايراد الا على ماعرف من شروطه وقيوده وآدابه ومن يقطع النظر عن كل ذالك مقتصرًا على القدر الملفوظ فاسم المجنون اخف القابه قال الامام الزيلعي في ذبائح التبيين.

الشئ اذا عرف شروطه وذكر مطلقا ينصرف اليها فقال الله تعالى اقم الصلوة اى بشروطها.

واذا عرفت هذا فلئن فرضنا فرض باطل ان الفقهاء اذا اطلقوا القرب ارادوا به اقصى مايكون من القرب لم يكن فيه الاما يسخن عين السفيه فانه لايراد الا اقصى قرب سائغ شرعا. وقد عرف من الشريعة المطهرة كراهة الاذان في المسجد فمنتهى قرب المؤذن على حدود المسجد ثم في الحد ايضا استماع و اقرب مواضعه من المنبر ما كان على محاذاته لانا اذا اخرجنا من المنبر خطوطا الى اسفل المسجد كان الخط الذاهب على استقامة سمته وترا الحادة و سائرها اوتار القائمة فان تقدم المؤذن في احد الطرفين كان بعيدا عن المنبر وان قام بحذائه كان قريبا منه بحيث لااقرب فوقه فكان هذا معنى قولهم عند المنبر وهو اقصى مايسوغ له من القرب.

فوضح الحق ولله الحمد وصلى الله تعالى على سيدنا ومولانا محمد واله وصحبه اجمعين افضل صلوة المسلمين واكمل سلام المسلمين والحمد لله رب العالمين.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حمد اس وجہ کریم کو جس کا یہ اعلان ہے کہ سب تعریفیں میری ذات کے لئے ہیں۔
اور افضل ترین درود و سلام اس ذات گرامی پر جس کے نام نامی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی بلندیوں، اور زمینوں کی پستیوں میں فرمایا۔ اور روز قیامت کی بھیڑ میں اولین وآخرین سے منتخب فرما کر آپ کو اپنی مخصوص حمد و ثنا، کی اجازت اور اِذن دے گا۔
اور آپ کی آل واصحاب پر، اور آپ کے فرزند غوثِ اعظم پر۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ساری امت پر۔ آمین۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد! یہ چند سطریں ہیں، بظاہر تھوڑی اور مختصر، مگر ان میں لوازن خطبہ سے متعلق علوم و فنون کا سمندر سمٹا ہوا ہے۔ ہم نے جس کا نام ۔ ندائے منبر کے آداب میں عنبر کے شمامے ، رکھا۔ جس سے ہمارا مقصد حدیث رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فقہ حنفی سے روشن ہونے والے تابناک حقائق کو جملہ علمائے اہلسنت عموماً اور خصوصاً علمائے حرمین شریفین کی خدمات عالیہ میں پیش کرنا ہے (اللہ تعالیٰ انھیں توفیق خیر عطا فرمائے ، اور قیامت تک ان سے مذہب حق کی حفاظت و حمایت کا کام لے) تاکہ ہم رسول انام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک مردہ سنت کی احیا رمیں ان سے مدد حاصل کریں۔
یہ بندۂ عاجز اپنے جلیل و بزرگ پروردگار کے وجہ کریم کے جلال، اور اس کے حبیب

لبیب کے چہرۂ جمیل کی پناہ ڈھونڈتا ہے ایسی آنکھوں سے بھی جو انصاف کو نہ دیکھ سکیں۔ اور ظلم و اختلاف کا ارادہ رکھیں۔ نہ کہ وہ جو رسم و رواج کی پابندی میں ثابت قدم ہوں، اور حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کریم پر اس کو ترجیح دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

بندہ اپنے رب حلیم سے مدد مانگتے ہوئے (کہ وہی اچھا مددگار ہے) پھر اپنے حبیب رؤف و امین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین کی حمایت چاہتے ہوئے۔ حمد و صلاۃ سلام و تشہد پڑھتے ہوئے، عرض پرداز ہے۔

اے ہمارے سردارو۔ اور بھائیو، (اللہ تعالیٰ ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے، اور ہم سب کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے) آپ خوب جانتے ہیں کہ تمام باتوں سے بہتر خدا کی کتاب ہے۔ اور تمام سیرتوں سے برتر سیرتِ رسول ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور سب چیزوں سے برے وہ نو ایجاد ہیں (جن کی دلیل قرآن و حدیث سے نہ ہو) پسندیدہ چیز پسندیدہ ہی رہے گی، چاہے لوگ اسے ناپسند کریں۔ اور ناپسندیدہ چیز ناپسندیدہ ہی رہے گی، چاہے سب لوگ اس میں مبتلا ہوں۔

بہت ساری ناپسندیدہ باتوں کی سرگزشت یہ ہے کہ پیدا ہو کر پھیل جاتی ہیں۔ اہل حق اس پر نکیر بھی کرتے ہیں، لیکن یہ رد و قدح ضائع ہو جاتی ہے۔ جس کے چند اسباب ہوتے ہیں۔

(۱) ان نو ایجاد امور کی اشاعت کیلئے حکومت اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتی ہے۔

(۲) سرکش نفوس اسے رواج دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

(۳) علماء، جو انھیں روک سکتے تھے ان کا خیال ہوتا ہے، لوگ اتباعِ نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو تیار نہیں۔ اور ہم اس سلسلے میں ہدایت کا حق ادا

کر چکے ہیں۔ اب خاموش بھی رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ عالم یہ سوچ کر رشد و ہدایت چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہی پھیلتی رہتی ہے نشو و نما پاتی رہتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے۔ چھوٹے لوگ اسے بڑھاوا دیتے ہیں اور بڑے لوگ ان کے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔ اور لوگ انہیں متوارث سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک نو پیدا بات ہوتی ہے۔ اس کے نوزائیدہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ سنت مرویہ کے خلاف اور خصائل حمیدہ کی ضد ہوتی ہے، اور اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا کہیں پتہ نہیں ہوتا۔ اس کی ایجاد کے وقت اور موجد کا پتہ پوچھا جائے تو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ لوگ اس لاعلمی کو اس بات کا ثبوت مان لیتے ہیں کہ یہ شروع سے ہی ایسے ہی ہو رہی ہے۔ حالانکہ نہ تو تاریخ اس کی تائید میں ہوتی ہے نہ دلیل۔ سوائے اس امر کے پتہ نہیں کب سے ایسا ہی ہو رہا ہے۔ لوگوں کی طبیعتیں اس درجہ خود فراموش واقع ہوئی ہیں کہ بہت سے قریب العہد نو پید امور کی تاریخ بھی ان لوگوں کو معلوم نہیں رہتی۔ اور لوگ اسی کو سنت سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس وقت برائی اچھائی بن جاتی ہے۔ اور اچھائی برائی۔ حدیث شریف میں ہے:

ویکذب الصادق ویصدق الکاذب (ابن عساکر)	سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ صحیح حدیث بھی مروی ہے۔

فمن القی علیهم السنة فانما یحول جبلة او یحاول جبلا او یبتدع حکما من عنده قبلا۔	تو جو انہیں کسی سنت پر ابھارے، گویا انکی فطرت بدل رہا ہے۔ یا پہاڑ منتقل کرنے کا قصد کر رہا ہے یا اپنے پاس سے کوئی حکم گڑھ رہا ہے۔

عـه ابن ابی الدنیا۔ اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام سجزی نے کتاب الدیانۃ میں، امام ابن عساکر نے
آگے ہے

اور دل میں جب کوئی بات سما جاتی ہے۔ تو آدمی اپنی عادت جاریہ کے خلاف کچھ قبول ہی نہیں کرتا۔ اگر کوئی بات اس کے خلاف پڑھتا ہے تو حلق کے نیچے نہیں اترتی۔ اور سنتا ہے تو کان سے آگے نہیں بڑھتی۔ جبکہ لوگوں کو اس ہٹ دھرمی کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ وہ تو یوں فرماتا ہے۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب۔

ہمارے ان بندوں کو بشارت دو جو اچھی بات سن کر اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی۔ اور وہی اہل عقل وبصیرۃ ہیں۔

تو راستہ تو سن کر انتفاع اور اتباع کا تھا۔ نہ کہ قناعت کر کے بیٹھ رہنے اور نہ سننے کا۔ یا سن کر ان سنی کر دینے کا۔ ایسے لوگ قرآن سے کچھ مستفید نہیں ہوتے۔ نفع تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو ارادہ قلبی اور سماع حضور کیساتھ سنتے ہیں۔

پس اے برادران محترم! غایت توجہ اور رعایت قلب کے ساتھ قبل از مطالعہ یکطرفہ فیصلہ کیے بغیر اس ارادے کہ حق ہوگا تو قبول کروں گا۔ ہمارے معروضات سنیں کہ حکمت مومن کا

تاریخ دمشق میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک گوارا سند کے ساتھ اس کو روایت کیا۔ طبرانی نے کبیر میں، حاکم نے کنیٰ میں اور ابن عساکر نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے کبیر میں۔ امام بیہقی نے بعث میں۔ اور ابن نجار نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے، اور نعیم بن حماد نے۔ فتن۔ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ اور سب نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی، ام المومنین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق ویصدق فیہ الکاذب الحدیث اور یہ سب کے نزدیک حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ ۱۲ منہ

گمشدہ مال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے۔ ہماری اور آپ دونوں کی ہدایت فرمائے۔

پہلے تو ہم احادیث کریمہ، فقہ مستقیمہ، بلکہ قرآن عظیم میں ایک فقیہ مسئلہ دائرہ میں جو کچھ پا سکتا ہے اسے اجمالاً بیان کرتے ہیں۔ پھر انشاء اللہ مسئلہ کی ضروری تفصیل بیان کرینگے۔ کہ اجمال کے بعد تفصیل نفس میں زیادہ جاگزیں، اور ظن و تخمین کو زائل کرنے والی ہوتی ہے، پوری تفصیل کے لئے تو صحیفے درکار ہیں۔ مگر جب واجبی بیان سے کام چل جائے۔ تو مکمل تفصیل کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں، حدیث شریف میں ہے۔

ماقل وکفیٰ خیر مما کثر والھیٰ ۔ جو کلام مختصر اور کفایت کرنیوالا ہو۔ طویل اور الجھا دینے والے بیان سے اچھا ہے۔ (ابو یعلیٰ وضیاء مقدسی، فی المختارۃ عن ابی سعید الخدری)

فاقول وبہ استعین ۔ سنن ابی داؤد، صحیح امام ابن خزیمہ، معجم کبیر امام ابو القاسم طبرانی کی صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اذان خطبہ میں سنت یہ ہے کہ امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے حدود مسجد کے اندر (نہ کہ خاص مسجد میں) اذان دی جائے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد ہائے مبارک و مسعود میں، اور دیگر خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ کرام و زمانہ تابعین و ائمہ مجتہدین میں ایسا ہی ہوتا رہا، کسی سے اس کا خلاف مروی نہیں۔ اور معاذ اللہ رب العالمین وہ اس کے خلاف کہہ بھی کیسے سکتے تھے۔

اس حدیث پر بے شمار ائمہ مفسرین نے آیت مبارکہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ کی تفسیر میں اعتبار کیا۔ چنانچہ کشاف[۱] میں زمخشری، مفاتیح الغیب[۲] میں امام رازی، لباب التاویل[۳] میں للخازن، رغائب الفرقان[۴] میں امام نیشاپوری، خطیب[۵] و جمل[۶] وغیرہ نے اسے ذکر کیا۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامۃ میں اس پر اعتماد کیا۔ عبارتیں سب کی آگے آرہی ہیں۔

◉ ہمارے ائمہ فقہ نے کثرت کے ساتھ فقہ کی کتب معتمدہ میں مسجد کے اندر اذان کی ممانعت فرمائی، کہ مکروہ ہے۔ فقیہ النفس[۱] امام قاضی خان نے خانیہ میں۔ امام بخاری[۲] نے خلاصہ میں، امام اسبیجابی[۳] نے شرح طحاوی میں۔ امام اتقانی[۴] نے غایۃ البیان میں۔ امام عینی[۵] نے بنایہ میں۔ امام محقق[۶] علی الاطلاق نے فتح القدیر میں۔ امام زندویستی[۷] نے نظم میں۔ امام سمعانی[۸] نے خزانۃ المفتین میں۔ مختار زاہدی[۹] نے مجتبیٰ میں۔ محقق زین[۱۰] ابن نجیم نے بحر الرائق میں۔ محقق[۱۱] ابراہیم حلبی نے غنیہ میں۔ برجندی[۱۲] نے شرح نقایہ میں۔ قہستانی[۱۳] نے جامع الرموز میں۔ سید[۱۴] طحطاوی نے مراقی الفلاح میں نیز اصحاب فتاویٰ عالمگیریہ[۱۵] فتاویٰ تاتارخانیہ[۱۶] اور مجمع البرکات نے اس کی تصریح فرمائی۔

ان حضرات نے نہ تو کسی جزئے کا استثناء کیا، نہ تخصیص کی طرف اشارہ فرمایا۔ تو غیر مخصوص کی تخصیص کا ارادہ ایک ناقص رائے، اور وہمی خیال آرائی ہے۔

◉ اس مسئلہ میں مزید چند امور بھی قابل غور ہیں۔

(۱) جوف مسجد میں اذان دینا، دربار الٰہی کی بے ادبی ہے۔ اس پر قرآن وحدیث اور عہد قدیم سے آج تک کا عرف شاہد ہے۔

(۲) جوف مسجد میں اذان، مشروعیت اذان کے مقصد کے خلاف ہے۔

(۳) جوف مسجد میں اذان کے جواز پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں۔ اگر کہیں علامت یا اشارۃ النص یا احتمال ومجاز کے طور پر اس کا تذکرہ ہو بھی تو یہ اسی باب میں علی الترتیب حکم، عبارۃ النص، اور صریح وحقیقت کے معارض نہیں ہوسکتے۔

(۴) اندرون مسجد اذان گو آجکل بعض مقامات میں شائع وذائع ہو، مگر پورے عالم اسلام میں نہ تو اس پر اجماع ہوا ہے۔ نہ عہد رسالت سے اس کا توارث ثابت ہے۔ پس ایسے امر کا جواز نہ تو محتمل ہے، نہ قابل قبول، اور جو فعل شرعاً ناپسندیدہ ہو، گو لاکھ معروف

و مشہور ہو۔ گو ہم اس کے ایجاد کا زمانہ متعین نہ کر سکیں۔ معقول و معروف شرعی نہیں ہو سکتا۔

اے سرداران امت، علمائے اہلسنت! اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو احیائے سنت کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ اور آپ کے رسول گرامی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں[1] میں آپ کو اس کی دعوت دی ہے۔ اس پر سو شہیدوں کے اجر[2] اور دار آخرت میں اپنی ہم نشینی[3] کا وعدہ فرمایا ہے۔

سنت کا احیاء جبھی ہوگا کہ لوگوں نے اسے مردہ کر ڈالا ہو۔ اور موت اسی صورت میں ہوگی کہ لوگ اس پر عمل درآمد ترک کر دیں۔ اور اس وقت کے علماء مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر ان کی اس حرکت پر خموش رہے ہوں۔ پس جو ایسی سنت زندہ کرے، اسے اس کا اجر ملیگا۔ اور جس نے خاموشی اختیار کی وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اسی نہج پر احیائے سنت کا معاملہ عہد قدیم سے آج تک چلتا رہا ہے۔ اس لئے لوگوں کے عمل یا عادت، یا کسی عمل پر ماضی قریب کے علماء کی خموشی سے استدلال۔ اور یہ خیال کہ اگر مسئلہ دائرہ خلاف شرع ہوتا، تو اس پر ان علماء کی

---

[1] ترمذی نے حضرت بلال، محمد و ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضوان اللہ علیہم اجمعین سے انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی من احیا من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجر من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجورہم شیئاً۔ جس نے میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیا، اسے تمام عمل کرنیوالوں کے اجر کے برابر ملے گا۔ ان کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

[2] امام بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔ جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنتوں پر مضبوطی سے عمل کیا۔ اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

[3] امام سجزی نے کتاب الابانۃ میں حضرت انس اور انھوں نے حضور سے روایت کی من احیا سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ جس نے میری سنت زندہ کی اس نے مجھ سے محبت رکھی۔ اور جس نے مجھ سے محبت رکھی میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ امام ترمذی نے لفظ احبنی کے بجائے لفظ احب روایت فرمایا۔ یا اللہ ہم سب کو آپ کی محبت عطا فرما۔ ۱۲ منہ

خموشی ان کے لئے باعثِ عار ہوتی ۔

یہ سب خیال کھلی جہالت، اور واضح وہم پرستی ہے۔ اور احیائے سنت کا سدباب ہے۔ حالانکہ حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احیائے سنت کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اور اس پر عظیم انعام واکرام کا وعدہ فرمایا ہے ۔

اب ہم مہکتے شماموں اور لہکتے نفحات میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حبیب صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب پر مقدس درود اور مبارک تسلیمات نازل فرمائے ۔ آمین

عنبر حدیث کا شمامۂ اولیٰ

نفحہ ۱

ہمارے شیخ، شیخ علمائے حرم سید احمد ابن زین ابن دحلان مکی قدس سرہٗ نے مکہ مکرمہ میں ۱۲۹۶ھ میں ہم سے بیان کیا، ان سے شیخ حسن دمیاطی ازہری نے ان سے شیخ محمد امیر مالکی نے اور شیخ عبداللہ شرقاوی شافعی ازہری نے ح

ہم سے علامہ مولانا مفتی عبدالرحمٰن بن سراج مکی نے ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں مولانا مفتی مکہ جمال ابن عبداللہ ابن عمر کے واسطہ سے بیان کیا ح

ہمیں حسین ابن صالح جمل اللیل مکی نے باب صفا کے پاس اپنے گھر ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں بیان کیا۔ اور احمد بن زید جمل اللیل نے بھی۔ دونوں حضرات نے شیخ عابد سندھی اور انھوں نے شیخ صالح فلانی اور سید عبدالرحمٰن اہدل اور یوسف ابن محمد زجاجی اور سید احمد وقاسم ابنائے سلیمان اور اپنے چچا محمد حسین انصاری سے ح

ہمارے شیخ سید امام، عارف باللہ شاہ آل رسول احمد نے جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں ہمکو خبر دی، انھیں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے انھیں ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے اور انھیں شیخ ابوطاہر بن ابراہیم کردی مدنی نے ح

ان سب لوگوں نے اپنے مشائخ کرام سے جن کی معروف و مشہور سندیں امام ابوداؤد تک متصل ہیں۔ انھوں نے اپنی سنن میں نفیلی، محمد بن مسلمہ، محمد ابن اسحٰق، زہری عن سائب

ابن یزید رضی اللہ عنہم سے روایت کیا۔

قال کان بلال یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لیجاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے۔ ایسا ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ہوتا رہا۔

یہ حدیث حسن وصحیح ہے۔ اس کے راوی محمد بن اسحٰق قابل بھروسہ، نہایت سچے، اور امام ہیں۔

- ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابوزرعہ، اور ابن حجر نے فرمایا۔

"صدوق" "یہ بہت سچے ہیں"

- امام عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں۔

"ہم نے انھیں صدوق پایا۔ ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا"

- امام عبداللہ بن مبارک۔ امام شعبہ، اور سفیانین ثوری وابن عیینہ، اور امام ابو یوسف نے ان سے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کیں، اور ان کی شاگردی اختیار کی۔

- امام ابوزرعہ دمشقی نے فرمایا۔

"اجلہ علماء کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے۔ اور آپ کو اہل علم نے آزمایا، تو اہل صدق وخیر پایا"

- ابن عدی نے کہا،

"آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں، اور آپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں"

- امام علی ابن المدینی نے کہا:

بکسی امام یا محدث کو ابن اسحاق پر جرح کرتے نہیں دیکھا!

● امام سفیان ابن عیینہ علیہ فرماتے ہیں :

. میں ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت میں رہا - اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا۔ نہ ان پر کچھ تنقید کی ،

● امام ابو معاویہ نے فرمایا

. ابن اسحاق سب لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے ،

علامہ سفیان ابن عیینہ کے اس قول سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ جو یہ کہتا ہے کہ۔ حضرت سفیان ابن عیینہ نے ابن اسحٰق پر جرح کی ہے ، خدا کی پناہ انھوں نے تو ابن اسحق کی شاگردی اختیار کی ہے اور ان کی طرف سے مدافعت کی ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ میں نے امام زہری کو دیکھا ، کہ ابن اسحٰق سے پوچھا آپ کہاں تھے۔ انھوں نے جواب دیا۔ کوئی آپ کے یہاں باریابی بھی تو پائے (یعنی دربان روکے ہوئے تھا) تو امام زہری نے اپنے دربان کو بلا کر فرمایا ، آئندہ ابن اسحٰق کو اندر آنے سے کبھی مت روکنا۔ حضرت ابن عیینہ کی ہی روایت ہے کہ کسی نے امام زہری سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غزوات کے بارے میں پوچھا انھوں نے ابن اسحٰق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ اس کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں ؛

حضرت علی ابن المدینی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان سے پوچھا کہ ابن اسحٰق فاطمہ ابن منذر کے پاس بیٹھتے تھے ؟ تو حضرت سفیان نے کہا کہ مجھ سے خود محمد بن اسحٰق نے کہا کہ مجھ سے فاطمہ نے حدیث بیان کی اور میں ان کے پاس گیا (تو پاس بیٹھنے کی حقیقت صرف یہ تھی کہ ان سے حدیث سنی) ابن عیینہ نے تو ابن اسحٰق کی تعدیل میں امام شعبہ کا وہ شاندار قول نقل کیا کہ یہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں (کیا جرح ایسی ہی ہوتی ہے ؟) ہاں آپ نے ابن اسحٰق کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے ان پر قدری ہونے کا الزام لگایا ہے۔ لیکن کیا یہ جرم ہے اگر یہ جرم ہو تو بخاری شریف ایسے مجروح راویوں سے بھری پڑی ہے اس کے بہت سے راویوں پر قدر کا الزام ہے۔

اگر یہ جرح ہوتی تو ابن عیینہ کا ابن اسحٰق سے حدیث روایت کرنا تو بڑی بات ہے۔ ان کا ساتھ ہی چھوڑ دیتے لیکن انھوں نے نہ تو ان کا ساتھ چھوڑا نہ ان کی شاگردی ترک کی۔ نہ ہی عوام کے الزام کی تصدیق کی یہ تہمتیں بے اصل ہیں۔ مزید ابن نمیر کا کلام آرہا ہے ۱۲ منہ

● امام ابو اللیث نے فرمایا۔

"یزید بن حبیب سے روایت کرنے والوں میں ابن اسحاق سے زائد ثبت کوئی نہیں،"
ابن یونس فرماتے ہیں کہ ان یزید بن حبیب سے اکابر علمائے مصر نے روایت کی جیسے عمرو[۱] بن حارث، حیوۃ[۲] ابن شریح، سعید[۳] بن ایوب، اور خود لیث[۴] بن سعد یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں۔ اور پانچویں یحییٰ[۵] ابن ایوب غافقی صدوق ہیں اور رجال شیخین میں سے ہیں۔ اور عبداللہ[۶] ابن لہیعہ صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔ ان کے بارے میں اسی امر پر ائمہ رجال کی رائے مستقر ہوئی۔ اور عبد[۷]اللہ بن عیاش ہیں۔ یہ دونوں مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ سلیمان[۸] تیمی بصری، زید بن[۹] ابی انیسہ، یہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین سے ہیں اور عبدالحمید[۱۰] بن جعفر مدنی صدوق رجال مسلم سے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد ہیں تو بقول امام ابو اللیث ابن اسحاق ان سب سے افضل ہوئے۔

● امام شعبہ نے فرمایا

"میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحاق کو محدثین پر حاکم بناتا۔ یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں"
ایک روایت میں ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا آپ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ تو حضرت شعبہ نے فرمایا۔ ان کے حفظ کی وجہ سے۔ دوسری روایت میں ہے۔ حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہو سکتا ہے تو وہ محمد ابن اسحاق ہیں۔

● علی ابن المدینی سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں چھ[۶] آدمیوں میں منحصر ہیں۔ پھر ان سب کے نام گنوائے۔ اور فرمایا اس کے بعد ۱۲ آدمیوں میں دائر ہوئیں۔ اور ابن اسحاق اُن بارہ[۱۲] میں ہیں۔

● امام زہری فرماتے ہیں۔

۔ مدینہ مجمع العلوم رہے گا۔ جب تک یہاں محمد بن اسحاق قیام پذیر رہیں گے،

آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحٰق پر ہی بھروسہ کرتے تھے۔ ہر چند کہ آپ مدیث میں

ان کے استاذ تھے۔ بلکہ دنیا بھر کے شیخ تھے۔

- ابن اسحاق کے دوسرے استاذ عاصم ابن عمر بن قتادہ نے فرمایا۔

جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں۔ دنیا میں علوم باقی رہیں گے۔

- عبد اللہ ابن قائد نے کہا۔

۔ ہم لوگ ابن اسحٰق کی مجلس میں ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے، اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی۔

- ابن حبان نے کہا۔

۔ مدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہو یا دیگر علوم و فنون کی۔ ابن اسحٰق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی۔ اور خبروں کی حسن ترتیب میں یہ اور لوگوں سے آگے تھے:

- ابو یعلی خلیلی نے فرمایا۔

۔ محمد ابن اسحٰق بہت بڑے عالم حدیث تھے۔ روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے،

- یحیی ابن معین یحیی ابن عجلی ابن عبد اللہ المدینی استاد امام بخاری، احمد عجلی، محمد بن سعد وغیرہ نے کہا۔

۔ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں،

- حضرت ابن البرقی نے فرمایا:

۔ علم حدیث والوں میں محمد ابن اسحٰق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ان کی حدیث حسن ہے،

- حاکم نے بوشنجی شیخ بخاری سے روایت کی کہ

۔ ابن اسحاق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں،

• محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا۔

، ابن اسحٰق ثقہ ہیں، ثقہ ہیں، اس میں نہ ہمیں شبہ ہے۔ نہ محققین محدثین کو شبہ ہے۔

محمد ابن اسحاق کی توثیق حق صریح ہے۔ اور امام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وہ صحیح نہیں اور برتقدیر صحتِ روایت ان کے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیا۔

اور امام بخاری نے تو جزء القرأۃ میں ان کی توثیق میں طویل کلام فرمایا۔ اور ان کا تذکرہ اپنی کتاب ضعفاء میں بھی نہیں کیا۔ اور ان کی جرح میں امام مالک کا جو کلام نقل کیا گیا ہے۔ اس کی صحت سے انکار کیا ہے۔ اور حضرت علی سے ان کے بارے میں ہشام سے جو مروی ہے، اس کا بھی انکار کیا ہے۔

ان سب باتوں پر ہم نے اپنی تحریروں میں جو علم حدیث سے متعلق ہیں روشنی ڈالی ہے۔ اور ان سب کو میرے عزیز فرزند مولوی مصطفےٰ رضا خاں نے (سلمہ اللہ تعالیٰ) اپنی کتاب۔ وقایہ اہل السنہ عن مکر دیوبند والفتنہ، میں جو وہابیہ دیوبندیہ کے رد میں ہے۔ بیان کیا ہے۔ کہ انھوں نے بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی تھی۔ اور اہل دیوبند پر تو ہمارے سادات علمائے حرمین طیبین نے کفر کا فتویٰ دیا ہے، اور ان کے کفر میں شک کرنیوالوں کی بھی تکفیر فرمائی ہے۔

• ... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بے سند تنقیدوں کا کیا خوب رد فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

ایسی تنقیدوں سے کم لوگ ہی کامیاب ہوئے، جیسے امام شعبی کے بارے میں امام ابراہیم کا کلام، حضرت عکرمہ کے بارے میں امام شعبی کا کلام اہل علم میں سے کسی نے اس قسم کی تنقیدوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب تک جرح صریح اور مدلل نہ ہو، اور ایسی تنقیدوں سے کسی کی عدالت پر اثر نہیں پڑتا۔

امام احمد، امام یحییٰ بن معین، اور محمد بن عبد اللہ بن نمیر و محمد ابن یحییٰ، یہ سب امام بخاری کے

استاذ ہیں۔ اور ابوداؤد، منذری، اور ذہبی، ان سب لوگوں نے محمد ابن اسحٰق کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ اور امام ذہبی اور سیوطی نے اس کو حسن کے اعلیٰ مدارج میں گردانا ہے۔ تدریب میں ہے۔

صحیح کی طرح حسن کے بھی چند درجے ہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے حسن بہز ابن حکیم، عن ابیہ عن جدہ، اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، اور ابن اسحاق عن تیمی اور ان کے امثال ہیں اور اسی کو ادنیٰ درجہ کی صحیح بھی قرار دیا ہے،

چنانچہ ابن مدینی، ترمذی، ابن خزیمہ اور امام طحاوی نے اس کو صحیح کہا، اور بعض وہ حدیثیں جن کے تنہا محمد بن اسحٰق راوی ہیں۔ انھیں دارقطنی نے حسن کہا۔ اور حاکم نے صحیح فرمایا۔

اور ان دونوں حضرات کی امام بیہقی اور امام منذری نے اتباع کی۔ امام منذری اور امام ذہبی نے محمد بن اسحٰق کو ائمہ اعلام میں شمار کیا۔ اور صالح الحدیث قرار دیا۔ اور فرمایا کہ ان کا اسکے سوا کوئی گناہ نہیں، کہ انھوں نے سیر میں منکر حدیثیں درج کیں۔

حافظ ابن حجر نے انھیں مدلسین کے طبقات میں ذکر کیا۔ جن میں تدلیس کے علاوہ نہ کوئی ضعف ہے۔ نہ علت امام نووی بھی فرماتے ہیں کہ ان میں تدلیس کے علاوہ کوئی کمی نہیں۔

---

[1] سنن میں حدیث احمد بن خالد، ابن اسحٰق، مکحول، محمد بن ربیع، عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ باب قرأۃ خلف الامام میں نقل کرکے فرمایا علی بن عمر نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے۔ اور امام بیہقی نے اس کو ثابت رکھا ہے۔ اور باب وجوب الصلوٰۃ علی النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو نقل کیا۔ ان رجلاً قال یارسول اللہ اما السلام علیک فعرفناہ فکیف نصلی علیک اذا نحن صلینا فی صلاتنا، اور فرمایا کہ دارقطنی اسکو حسن متصل قرار دیتے ہیں۔ اور بیہقی اسکو برقرار رکھتے ہیں۔ ابن ترکمانی کہتے ہیں۔ یہ حدیث ان الفاظ میں ہمارے علم میں ابن اسحٰق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی پھر بھی حدیث باب السلام علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی التشہد، میں نقل کرکے کہا حاکم نے اسکی تصحیح کی اور دارقطنی نے تحسین، اور خود اسکو برقرار رکھا۔ ۱۲ منہ

- محمد بن عبد اللہ نمیری نے فرمایا۔

"ان پر قدریہ ہونے کا الزام ہے۔ لیکن وہ اس سے کوسوں دور ہیں"

- یعقوب ابن شیبہ فرماتے ہیں۔

"میں نے ان کے بارے میں علی ابن المدینی سے سوال کیا۔ تو فرمایا کہ میرے نزدیک انکی حدیثیں صحیح ہیں۔ میں نے امام مالک کی تنقیدوں کا ذکر کیا۔ تو فرمایا۔ وہ نہ ان کے ساتھ رہے نہ انھیں پہچانا"

- ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا اور فرمایا۔

"امام مالک نے ابن اسحٰق کی جرح سے رجوع فرمایا۔ اور ان سے صلح کر لی اور انھیں تحفہ بھیجا"

- مصعب زبیری، دحیم، ابن حبان نے کہا۔

"ان پر حدیث کی وجہ سے جرح نہیں کی گئی"

اور ائمہ میں احمد، ابن مدینی، بخاری، ابن حبان، مروزی، ذہبی اور محقق علی الاطلاق نے انکی طرف سے دفاع کیا۔ یہ اور مزید اضافے میرے فرزند سلمہٗ کی کتاب "وقایہ اہل السنۃ" میں ہیں۔ والحمد للہ۔

نفحہ (۲) تقریب کے قول۔ ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی، سے دھوکہ کھا کر ان پر رفض کا عیب لگانا بدبودار جہالت ہے۔ رفض و تشیع میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

بسا اوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے۔ جب کہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے۔ صاحب تقریب نے خود بھی "ہدی الساری" میں فرمایا۔

التشیع محبۃ علی علی الصحابۃ فمن قدمہ علی ابی بکر و عمر فهو غال فی تشیعہ ویطلق علیہ الرافضی والا فشیعی۔ فان انضاف الی ذالک السب

والتصریح بالبغض فغال فی الرفض۔

تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے۔ تو اگر کوئی آپ کو ابوبکر عمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے۔ اور اسے رافضی بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ گالی اور بغض کا اظہار کرے تو غالی رافضی ہے۔

مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے۔

الافضلیۃ عندنا مع ترتیب الخلافۃ مع التردد فیما بین علی وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہمارے نزدیک خلفائے اربع میں فضیلت خلافت ترتیب پر ہے۔ حضرت عثمان و علی میں تردد کے ساتھ:

شرح مقاصد للتفتازانی میں ہے۔

قال اھل السنۃ الافضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی وقد مال البعض الی تفضیل علی علی عثمان رضی اللہ عنہما والبعض الی التوقف فیما بینہما اہ

اہل سنت نے کہا کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی، اور بعض حضرت علی کو عثمان سے افضل مانتے ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور بعض ان دونوں کے درمیان توقف کے قائل ہیں۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی صواعق محرقہ میں ہے۔

جزم الکوفیون منہم سفیان الثوری بتفضیل علی علی عثمان وقیل بالتوقف علی التفاضل بینہما وھو روایۃ عن مالک۔

ائمہ کوفہ (انہیں میں سفیان ثوری ہیں) نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر بالیقین افضل گردانا اور امام مالک وغیرہ سے توقف مروی ہے۔

تہذیب التہذیب میں حضرت امام اعمش کے حالات میں تحریر ہے کہ ان میں تشیع تھا اور شرح

فقہ اکبر ملا علی قاری میں امام صاحب کے بارے میں لکھا ہے۔

۔ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان غنی پر حضرت علی کی فضیلت مروی ہے۔
(رضی اللہ عنہم) لیکن صحیح وہی ہے جس پر جمہور اہلسنت ہیں۔ اور فقہ اکبر میں اسکو ترتیب
خلافت کے موافق رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی آپ کا قول بھی ہے؛

پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کا فرق بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے۔ بخاری کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کا الزام ہے۔ ۔ ہدی الساری، میں ایسی بیس سندوں کی تفصیل ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں۔ تعلیقات کا تو ذکر ہی الگ رہا۔ بلکہ رواۃ بخاری میں تو عباد ابن یعقوب جیسا رافضی ہے۔ جس پر کوڑے کی حد جاری کی گئی تھی۔ اور جرح میں شبہ کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں۔ خود بخاری میں بہت سے راوی ہیں۔ جن پر انواع اقسام کی بدعت کا شبہ کیا گیا اور اصول محدثین کے رو سے خود بدعتی بھی اپنے مذہب نامہذب کا داعی و مبلغ نہ ہو تو اسکی روایت مقبول ہے۔

نمبر (۳) اصل حدیث جسے ہم نے روایت کیا۔ مسند احمد ابن حنبل میں اس سند کیساتھ ہے۔ یعقوب، ابی، ابن اسحٰق حدثنی محمد ابن مسلم عبید اللہ الزہری، سائب بن یزید، یہاں یہ حدیث لفظ حدثنی سے مروی ہے۔ تو اب اس روایت پر نہ تدلیس کا اعتراض ہو سکتا ہے نہ ارسال کا۔ ایک جواب تو یہ ہوا۔

دوسرا یہ ہے۔ کہ امام محمد ابن اسحٰق امام زہری سے کثیر الروایت ہیں۔ اور ایسے راوی کا عنعنہ بھی سماع پر محمول ہوتا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

راوی جب روایت میں لفظ عن سے کسی بات کا اضافہ کرے تو تدلیس کا احتمال ہو سکتا ہے
مگر جب راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے وہ کثیر الروایت ہو تو یہ روایت
متصل ہو گی۔

اور ابن اسحٰق کے بارے میں معروف و مشہور ہے کہ وہ ایسے اساتذہ کی حدیثوں کو بطور نزول

بھی روایت کرتے جن سے وہ اکثر روایت کرتے ہیں۔ علی بن المدینی فرماتے ہیں۔

"محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں صدق ظاہر ہے۔ وہ سالم ابن ابی نضر سے بنسبۃ انکے دوسرے شاگردوں کے کثیر الروایت ہیں۔ پھر بھی ان کی روایت عن رجل عن سالم ہے (یعنی اپنے سے کم درجہ کے آدمی کے واسطے سے بھی سالم سے ان کی روایت ہے) اسی طرح وہ عمرو بن شعیب کے شاگردوں میں بھی اروی الناس عنہ ہیں۔ اور ان کی روایت عن رجل عن ایوب عن عمرو بن شعیب بھی ہے"

میں کہتا ہوں۔ ابن اسحاق امام زہری کے بھی اروی الناس شاگرد ہیں۔ مگر قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ۔ کتاب الخراج ، میں فرماتے ہیں مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا ان سے عبد السلام نے روایت کی اور ان سے امام زہری نے۔ (تو ابن اسحٰق کی یہ روایتیں لفظا عن سے ہونے کے باوجود تدلیس نہیں ہے۔ روایت متصل ہے۔)

تیسرا جواب :۔ محمد ابن اسحٰق کی تدلیس اور عنعنہ کے بارے میں اب تک جو بحث تھی وہ ان محدثین کے مسلک کی بنیاد پر تھی۔ جو حدیث کی جرح میں عنعنہ اور تدلیس کا لحاظ کرتے ہیں لیکن ہم حنفیوں ، مالکیوں، حنبلیوں اور جمہور علماء کے اصول پر عنعنہ کا لحاظ ہی اصلاً ساقط ہے، کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہ ہے کہ تدلیس سے حدیث کے مرسل ہونے کا ڈر ہے۔ اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک تو خود ارسال بھی سند کا عیب نہیں ہیں، اور حدیث مرسل مقبول ہے تو صرف شبہ ارسال سے حدیث پر کیا اثر پڑے گا۔

امام جلال الدین سیوطی نے تدریب میں فرمایا :

"جمہور علمائے کرام جو مراسیل قبول کرتے ہیں، وہ عنعنہ کو بھی قبول کرتے ہیں،"

اسی میں امام ابن جریر طبری سے منقول ہے۔

"کہ جملہ تابعین نے بالکلیہ مراسیل قبول کرنے پر اجماع کیا ہے۔ نہ تو تابعین نے

مراسیل کا انکار کیا۔ نہ ان کے بعد ۲۰۰ھ ہجری تک کسی اور نے "

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں محمد بن سیرین تابعی سے ہے۔

"کہ لوگ احادیث کی سند کے بارے میں کسی سے سوال ہی نہیں کرتے تھے۔ جب فتنہ واقع ہوا تو سوال کیا جانے لگا۔ کہ اپنے راویوں کو ہم سے بیان کرو "

میں کہتا ہوں کہ۔ امام زید جو امیر المومنین عمر فاروق کے غلام اسلم کے صاحبزادے تھے۔ ان کے پاس امام جلیل زین العابدین بیٹھا کرتے تھے۔ اور اپنے قوم کی مجلس چھوڑ دیتے تھے۔ نافع بن جبیر بن مطعم نے آپ سے کہا، آپ اپنے لوگوں کی مجلس چھوڑ کر عمر بن خطاب کے غلام کی محفل میں بیٹھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا آدمی وہیں بیٹھتا ہے کہ جہاں اس کے دین کا فائدہ ہوتا ہے (تاریخ بخاری) "انہیں زید نے ایک حدیث بیان کی، ایک آدمی نے ان سے کہا ابا اسامہ یہ کس سے آپ بیان کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے بھتیجے ہم سفہاء کے ساتھ نہیں بیٹھتے "

" ئے تابعین، مثلاً سعید بن مسیب، قاسم، سالم، حسن، ابو العالیہ، ابراہیم نخعی عطاء بن ابی رباح و مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ۔ مکحول، ابو اسحٰق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحیٰی بن کثیر، اسمٰعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمٰن تیمی، امام مالک، و محمد اور سفیانین۔ کیا یہ سب حضرات اس لئے ارسال کرتے تھے۔ کہ ان کی حدیثیں رد کر دی جائیں۔

مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے۔

"صحابہ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقاً مقبول ہیں۔ اور دوسروں کے مراسیل بہ اتفاق ائمہ جن میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں، یہ سب لوگ اسے مطلقاً مقبول رکھتے ہیں۔ ہاں ظاہر یہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئے۔ قبول نہیں کرتے "

فصول البدائع مولاخسرو میں ہے۔

"اور محدثین کا ایسا طعن جو جرح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، جیسے عنعنہ میں تدلیس کا طعن کہ اس میں شبہ ارسال ہے، حالانکہ خود ارسال اسباب طعن میں سے نہیں ہے"

چوتھا جواب:۔ ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر سے روایت کی کہ

"رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر وقت وضو کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن یہ جب آپ پر مشقت ڈالنے لگا تو ہر نماز کے وقت آپ کو مسواک کرنے کا حکم ہوا"

اس حدیث میں بھی ابن اسحٰق نے لفظ عن سے روایت کی۔ اس کے باوجود امام شامی اپنی سیرت میں کہتے ہیں۔ "اس کی سند صحیح ہے۔ اور اسمیں اختلاف ہے، جس سے کوئی ضرر نہیں"

پانچواں جواب:۔ امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی مجھے مسواک کیلئے اتنی بار حکم دیا گیا۔ کہ مجھے ڈر ہوا کہیں یہ فرض نہ کردیجائے۔ امام زرقانی نے یہ حدیث مواہب کی شرح میں منذری وغیرہ سے روایت کی۔ اس روایت میں لیث بن ابی سلیم ہیں۔ جو ثقہ مدلس ہیں۔ اور حدیث کو لفظ عن سے روایت کرتے ہیں۔ منذری کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

چھٹا جواب:۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلم الآلی میں کہا۔

"ابوزبیر کی معنعن مقبول نہیں۔ اور اتصال پر محمول نہیں۔ ہاں روایت لیث سے ہو تو مقبول ہے"

محدثین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے لیکن امام مسلم کی صحیح میں چند حدیثیں ابوزبیر بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ مروی ہیں۔ جس میں ابوزبیر حضرت لیث سے روایت نہیں کرتے۔ چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ:

"صحیح مسلم میں چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں ابوزبیر، جابر رضی اللہ عنہ سے بواسطہ لیث کی تصریح نہیں کی ہے۔ جس سے دل میں کچھ شبہ ہوتا ہے"

میں کہتا ہوں کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تو ان حدیثوں کے بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا جبھی تو انھوں نے یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج کیں جس کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجۃ قرار دیا۔

ساتواں جواب :۔ ابن جریر نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بڑھیا اور بوڑھے زنا کریں تو انھیں ضرور سنگسار کرو۔

حضرت عمر نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا (الحدیث)

ابن جریر نے کہا کہ اس حدیث کی کوئی تخریج عمر عن رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی بایں الفاظ سوائے اس روایت کے نہیں، پھر بھی یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح اور مستند ہے۔ اس میں کوئی ایسا عیب نہیں۔ جو اس حدیث کو کمزور کرے۔ تو اس کے ضعیف ہونے کا کوئی راستہ نہیں، کہ یہ عادل راویوں سے مروی ہے۔ البتہ اس میں ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ایک راوی حضرت قتادہ مدلس ہیں۔ اور انھوں نے نہ تو سماع کی بات کی نہ لفظ حدثنا کہا۔

آٹھواں جواب :۔ امام الحنفیہ، امام الفقہا والمحدثین، حافظ، ناقد بصیر، امام ابو جعفر احمد طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، کتاب الحجۃ فی فتح مکۃ رسول اللہ عنوۃ، میں دو حدیثیں روایت کیں۔ ایک حضرت عکرمہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اہل مکہ سے رخصت ہوئے، اور دوسری حدیث امام زہری وغیرہ سے جس میں ہے کہ۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے مصالحت فرمائی، یہ دونوں حدیثیں مکمل نقل فرما کر ارشاد فرمایا۔

کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ زہری و عکرمہ کی مذکورہ حدیثیں منقطع ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی کے ہم معنی حدیث مروی ہے۔ فہد بن سلیمان، یوسف بن بہلول، عبد اللہ بن ادریس، محمد بن اسحٰق قال قال الزہری عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی۔

یہ حدیث حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی طویل ایک بڑے ورق کی مقدار میں روایت کر کے فرمایا۔ یہ حدیث متصل الاسناد ہے۔

حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اصطلاح میں قال کا حکم لفظاً عن کا ہے۔ اور اس میں سماع کی تصریح نہیں۔ اور امام نووی نے تقریب میں فرمایا کہ:

یہ اسناد یہ نہیں کہ راوی اس سے روایت کرے، جس کی مجلس کا حاضر باش ہو، جب تک اس سے خود نہ سنے، اور الفاظ ایسے بولے جس سے وہم ہو کہ راوی نے خود اس سے سنا ہے۔ جیسے قال فلان یا عن فلان مگر ان روایتوں میں جنکو محمد بن اسحاق نے لفظاً عن سے روایت کیا ہو بے شک ان کی ایسی روایت کا بھی حکم یہی ہے کہ وہ متصل الاسناد ہیں۔ وہ امام حجۃ ہیں۔ ابو اسحاق سبیعی نے ان سے دونوں شبہوں کو دفع کیا ہے۔

ہمارے امام مذہب ثانی الائمہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت کے ساتھ کتاب الخراج میں ان حدیثوں سے استدلال فرمایا جو حضرت محمد ابن اسحٰق سے بصیغہ عن و بغیر عن مروی تھیں۔ اور علمائے حدیث نے تصریح کی ہے (جیسا کہ رد المحتار وغیرہ صحیفوں میں ہے) کہ مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا، اس حدیث کی تصحیح شمار ہوتا ہے، تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن حدیثوں کو اپنی کتاب میں داخل فرما کر انکی تصحیح کی۔

اور استدلال بھی ایسی کتاب میں کیا جس کے واجب العمل ہونے کی تصریح خود اس کتاب کے مقدمہ میں فرمائی۔ آپ لکھتے ہیں:

بے شک امیر المومنین نے (خدا انکی مدد فرمائے) مجھ سے ایک ایسی جامع کتاب کی فرمائش کی، جس پر وہ اپنی زندگی بھر جبایا خراج، عشر، صدقات اور جوالی وغیرہ میں عملدرآمد کریں، اور وہ احکام واجب العمل ہوں تو میں نے انکی تعبیر اور توضیح کر دی۔

نفحہ (۴) روایت ابن اسحٰق کی تائید و توثیق اذان کی طرف سے دفاع کی مشقت سے اللہ تعالیٰ نے ہماری یوں کفایت کی، کہ ان کی محولہ بالا حدیث کو اس امام نے اپنی مسند میں روایت کیا۔ جن کے ہاتھ میں علم حدیث اس طرح نرم و ملائم ہو گیا تھا۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے دست کریم میں لوہا نرم کر دیا گیا تھا جن کے مجموعہ حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ شہادت ہے۔ کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو، اس گھر میں گویا نبی ہے جو کلام کر رہا ہے، ایسے امام نے یہ حدیث اپنی کتاب میں درج فرما کر سکوت کیا اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

○ مقدمہ ابن صلاح میں خود حضرت ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس کتاب کے بارے میں منقول ہوا۔

"میں نے اپنی کتاب میں صرف صحاح کو جمع کیا۔ یا جو اس کے مشابہ اور قریب ہو"

○ فتح المغیث میں امام ابن کثیر سے انھیں کا یہ قول منقول ہوا۔

"اس کتاب میں میں جس حدیث پر سکوت کروں تو وہ حسن ہے"

○ ابو داؤد نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا۔

"اس کتاب میں اگر کوئی منکر حدیث ذکر کروں گا تو اس کا سبب بھی بیان کروں گا کہ کیونکر منکر ہے"

○ ابو عمرو بن عبد البر نے کہا۔

"جس حدیث کو ذکر کر کے ابو داؤد نے سکوت کیا، تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے"

○ امام منذری نے فرمایا۔

جس حدیث کی نسبت ابو داؤد کی طرف کرو۔ اور ابو داؤد نے اس پر سکوت کیا ہو۔ تو وہ ابو داؤد کے قول کے مطابق ہے۔ یعنی درجہ حسن سے تو کم نہ ہو گی۔ بسا اوقات صحیحین کے اصول پر ہوتی ہے۔

○ ابن صلاح اور نووی دونوں اماموں نے فرمایا۔

"امام ابو داؤد کی کتاب میں جو حدیث مطلق مروی ہو، وہ ان کے نزدیک حسن ہے"

○ امام ترکمانی جوہر النقی میں فرماتے ہیں۔

" ابوداؤد نے جس حدیث کی تخریج فرماکر سکوت کیا، اور اس پر کوئی جرح نہیں کی، تو اس حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہوگا۔ جیسا کہ یہ بات مشہور ومعروف ہے "

○ نصب الرایہ میں امام زیلعی فرماتے ہیں:

" ابوداؤد نے حدیث قلتین روایت کیا۔ اور اس پر سکوت فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے "

○ حضرت عراقی اور شمس الدین سخاوی نے "مقاصد حسنہ" میں فرمایا۔

" اس حدیث پر ابوداؤد کا سکوت ہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور یہ حدیث حسن ہے "

○ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

" ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا تو یہ حدیث حجت ہے "

○ علامہ محمد ابن امیر الحاج فرماتے ہیں۔

" ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا تو یہ ان کی شرط کے موافق حجت ہے "

○ علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں فرمایا۔

" ابوداؤد اور ان کے بعد امام منذری نے اپنی مختصر میں اس پر سکوت فرمایا۔ تو یہ ان دونوں کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔"

○ علامہ خطابی نے معالم السنن میں تحریر کیا۔

" ابوداؤد کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث پر مشتمل ہے۔ اور حدیث سقیم کی تو کئی قسمیں ہیں۔ سب سے بے حیثیت موضوع، پھر مقلوب پھر مجہول، اور ابوداؤد کی کتاب سقیم کی تمام قسموں سے خالی اور بری ہے"

○ امام بخاری نے اپنی کتاب جزء القرآۃ میں لکھا۔

"علی ابن عبد اللہ نے کہا کہ میں نے ابن اسحاق کی کتابیں دیکھیں، تو سوائے دو حدیثوں کے اور کسی میں کوئی عیب نہیں پایا۔ اور ممکن ہے کہ وہ دونوں بھی صحیح ہوں"

ان دونوں حدیثوں کو قسوی نے حضرت علی بن عبد اللہ سے روایت کیا۔ بحمد للہ ہماری ذکر کردہ حدیث ان میں نہیں ہے۔ دونوں میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سے روایت کی۔ کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز اونگھے۔ اور دوسری زید بن خالد سے کہ۔ تم میں سے کوئی جب اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔

یہ علی ابن المدینی اس پائے کے محدث ہیں کہ ان کے شاگرد (امام بخاری کہتے ہیں کہ سوائے علی بن المدینی کے اور کسی کے سامنے میں نے اپنے کو چھوٹا نہیں محسوس کیا۔ تو مذکورہ بالا تفصیلات سے بحمد للہ ثابت ہو گیا کہ حضرت محمد ابن اسحٰق ثقہ ہیں۔ اور اذان خطبہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔

نمبر (۵)

امام زہری کے اکثر شاگردوں نے حدیث میں "علی باب المسجد" اور "بین یدیہ" کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ان دونوں ٹکڑوں کا ذکر صرف ابن اسحٰق نے کیا ہے۔ جو ایک ثقہ راوی کا اضافہ ہے۔ اور اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ "بین یدیہ" کو تو تسلیم کیا جائے اور "علی باب المسجد" کو ترک کر دیا جائے۔ اور اس سے بڑا ظلم یہ ہے کہ ابن اسحٰق کے اس اضافہ کو اس وجہ سے ترک کیا جائے کہ صرف ابن اسحاق اس کے راوی ہیں۔ اوروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور اسی بنا پر اس اضافہ کو ان کی ثقہ راویوں کی مخالفت قرار دیا جائے۔ اور حدیث کو مضطرب قرار دیا جائے۔ اگر یہ ظلم روا رکھا جائے تو چند معدود اور مختصر روایتیں ہی اضطراب سے محفوظ رہیں گی۔ کیونکہ کون حدیث ہے جو دو یا دو سے زائد طریقوں سے مروی نہیں۔ اور ہر طریقہ روایت کے متن میں کچھ ایسا حصہ بھی ضرور ہے جو دوسرے میں نہیں۔ شاید ہی ایسا ہو گا کہ دونوں روایتوں کے الفاظ بالکلیہ

یکساں اور برابر ہوں۔ اور نادر کا کیا اعتبار؟

بوجہ دیگر۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ائمہ محدثین چند سندوں کو ایک ساتھ جمع کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں فلاں فلاں اور فلاں نے فلاں سے روایت کی جس میں بعض نے بعض سے زائد بیان کیا۔ اور پھر پوری حدیث ایک ہی سیاق میں بیان کرتے ہیں۔ تو کیا وہ لوگ مچھلی اور گوہ دونوں کو ایک ساتھ ہی ملا دیتے ہیں؟

ثالثًا۔ قرآن عظیم کے مفسروں میں، صحابہ ہوں یا تابعین (بعد کے لوگوں کا بھی یہی حال ہے) کہ کسی ایسے واقعہ کی تفسیر کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں مذکور ہے۔ تو اس واقعہ میں کچھ ایسا اضافہ بھی کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں نہیں ہے، تو کیا سب کے سب نے قرآن عظیم کی مخالفت کی۔ پناہ بخدا

رابعًا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

میں تم سے دجال کے بارے میں وہ بات نہ بیان کروں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہ کیا، تو کیا پیغمبر خدا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور انبیاء سے زائد بات بتا کر ان سب انبیاء کی مخالفت کی۔ کون مسلمان یہ کہے گا؟

خامسًا۔ قرآن شریف میں حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے مختلف جگہ بیان کئے گئے ہیں۔ کہیں کم کہیں کچھ زیادہ تو کیا قرآن شریف نے اپنے بیان کی خود مخالفت کی؟

نفحہ (۶) وہ شخص بھی کیا خوب جاہل ہے جو یہ کہتا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث خود ہی متناقض ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے الفاظ "خطیب کے سامنے، اور مسجد کے دروازہ پر"، میں تناقض ہے۔ تو اگر باب مسجد پر ہو گی تو خطیب کے سامنے کیسے ہو گی؟ یہ شبہ سراسر وہم کی پیداوار ہے۔ کیونکہ جب تم منبر پر بیٹھو

اور تمہارے منہ کے سامنے مسجد کا دروازہ ہو تو دروازہ پر کھڑا ہونے والا کیوں تمہارے سامنے نہ ہوگا؟ کیا اس کو تمہارے پیچھے کھڑا ہونے والا کہا جائے گا؟ شاید یہ سوچتے ہوں گے کہ اس صورت میں امام اور موذن کے بیچ میں صفیں حائل ہیں پھر سامنے کیسے ہوا۔ صفیں بیچ میں ضرور ہیں لیکن وہ موذن اور امام میں حائل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان وزمین تمہارے آگے پیچھے ہیں۔ حالانکہ کتنے پہاڑ اس کے اور ہمارے درمیان میں حائل ہیں۔ "بین یدیہ" کر زیادہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

نفحہ (۷)

اور جب "بین یدیہ" اور "علے الباب" کا تناقض ختم ہوگیا۔ تو اس پر حدیث کی جو تاویل مبنی تھی وہ بھی ختم ہوگئی کہ درخت بیج کے بغیر اگ نہیں سکتا۔

لیکن اس تاویل میں حیرتناک بات یہ ہے کہ مؤول کے نزدیک سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں دروازہ سے مراد وہ دروازہ ہے جو دیوار قبلہ میں منبر کی پشت پر تھا تو خطیب کے سامنے منبر کے بالکل متصل کھڑے ہونے والے موذن کو مسجد کے دروازہ پر کہدیا۔ اگرچہ موذن اور دروازہ کے بیچ میں خود خطیب اور منبر حائل تھا۔ مگر کھڑے ہونے والے موذن کے سامنے ہی دروازہ تھا۔

یاللعجب! مؤول جس دروازہ کی بات کر رہا ہے وہ اب نہیں ہے، اسے بند کر کے اب دیوار کر دیا گیا ہے وہ تو مراد ہو سکتا ہے۔ اور حقیقی دروازہ جو فی الوقت موجود ہے۔ اور خطیب کے سامنے ہے وہ مراد نہیں ہو سکتا۔ کیا ایسی صورت میں کوئی باب المسجد کہے تو کسی کا ذہن اس بات کی طرف منتقل ہو سکتا ہے؟ کہ اس سے مراد موجود اور مشاہد دروازہ نہیں۔ بلکہ یہ دیوار مراد ہے۔ اس کو تاویل نہیں کہتے۔ یہ تو تحویل ہے۔ تعلیل ہے۔ اور تبدیل ہے خصوصاً اس صورت میں کہ سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بند شدہ دروازہ کو دیکھا بھی نہیں، اس لئے کہ وہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت سات سال

کے تھے۔ اس حساب سے ان کی ولادت ۳ھ ہجری میں ہوئی۔ جبکہ تحویل قبلہ کا واقعہ ۲ھ ہجری کا ہے۔ تو جب وہ اپنے مشاہدہ کی بات کر رہے ہیں تو یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ وہ اس ان دیکھے دروازہ کی گواہی دیں گے۔

پھر اس تاویل میں مجاز در مجاز ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ دروازہ قبلہ کی دیوار میں تھا۔ اور اسی کے پاس منبر تھا۔ اس دروازہ اور منبر کے درمیان بکری کے گذرنے بھر جگہ تھی۔ اور منبر کے بعد موذن کھڑا ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں موذن حقیقی معنی میں دروازہ پر کس طرح کھڑا ہوسکتا ہے۔ کیونکہ حقیقی معنی میں دروازہ پر ماننے کی صورت تو یہ ہوگی موذن منبر سے آگے بڑھ قبلہ کی دیوار کے اندر والے دروازہ پر کھڑا ہوکر، حضور کی پشت اقدس کے پیچھے قبلہ کی طرف پشت اور آپ کی پشت کی طرف رخ کرے۔ بلکہ سچ پوچھو تو یہ اذان بھی دروازہ پر نہ ہوگی کہ دروازہ تو بند ہوکر اس جگہ دیوار بنادی گئی تھی۔

نفحہ (۸) اور دروازہ سے مسجد کا باب شمالی مراد لینا جو منبر کے سامنے واقع تھا۔ اور علی باب المسجد کے علی کو محاذات پر محمول کرنا۔ اور مطلب یہ بتانا کہ موذن تو منبر سے متصل ہی کھڑا ہوتا تھا۔ لیکن لفظ علی باب المسجد سے اس کی تعبیر اسلئے کی گئی کہ دروازہ منبر کے سامنے تھا تو موذن اور دروازہ میں آمنا سامنا تھا۔ یہ بے وزن اور حقیر کلام ہے۔

اولاً ۔ بلا قرینہ معنی بعید مراد لینا، اور ایسا کلام بولنا سامع کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے صحابی رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی حرکت نہیں کرسکتے۔

ثانیاً ۔ اس تاویل کی رو سے علی باب المسجد کا لفظ بے سود ہے۔ کیونکہ دروازہ جب امام کے سامنے ہے تو جو امام کے سامنے کھڑا ہے وہ دروازہ کے سامنے بھی کھڑا ہے۔ تو لفظ "بین یدیہ" کے ذکر کے بعد لفظ علی باب المسجد نہ تو اس پہلے معنی کی توضیح ہوئی۔

نہ تخصیص اور نہ ہی اس لفظ سے کسی معنی کا افادہ مقصود۔ کیونکہ بقول مؤول مقصد تو امام کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ دروازہ پر کھڑا ہونا نہیں۔ ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد لغو اور بے کار ہوا۔ جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

ثالثاً ۔ اولاً یہ تاویل خود اپنے وجود کے ابطال کی دلیل ہے، کیونکہ تاویل کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ کلام کے معنی ظاہر درست نہ ہوں، اور مخالف نے علی باب المسجد کو محاذات پر اس لئے محمول کیا کہ اس کے نزدیک بین یدیہ اور علی باب المسجد میں تضاد تھا۔ اور بین یدیہ کے معنی محاذات بلا حائل ہیں۔ جیسا کہ تمہاری خالہ کے ابن اخت نے اس کا اعتراف کیا، اور اب تمہاری تاویل سے جب امام کے پاس کھڑا ہونے والا دروازہ کے سامنے اور محاذی ہے تو دروازہ پر کھڑا ہونے والا امام کے محاذی و متقابل کیوں نہ ہوگا، جب کہ دونوں کے درمیان حائل نہیں۔ تو جب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی ظاہر کی تائید کرتی ہے۔ تو اس تاویل کی کیا ضرورت ہے۔ اسی لئے ہم نے کہا تھا کہ آپ کی تاویل اپنی تخریب کا سامان اپنے ساتھ ہی لائی ہے۔

نفحہ (۹)

اس سے بڑی[۱] تاویل یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ الفاظ حدیث میں لفظ علی الباب سے پہلے واو، یا او محذوف ہے۔ اور مطلب یہ ہے

---

[۱] اور اس سے بھی زیادہ بعید اعجاز الحق کا قول ہے۔ کہ محمد ابن اسحاق کی روایت میں پورا ایک جملہ مقدر ہے۔ یعنی عبارت یوں ہے۔ اذا جلس النبی صلی اللہ تعالیٰ علی المنبر اذن بین یدیہ بعد ما کان علی باب المسجد آپ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو دروازہ پر ہونے کے بعد اذان آپ کے سامنے ہوتی، یعنی وہ ندا جو دروازہ پر ہوتی اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتی تھی، ایسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ پھر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ میں اسکو اذان ہی کے الفاظ میں مقام زوراء پر کہلانا شروع کیا۔ جو مسجد سے دور ایک

بقیہ ص۳۱ پر

کہ اذان کبھی حضور کے سامنے منبر کے پاس ہوتی، اور کبھی دروازہ پر، یا مطلب یہ ہے کہ موذن بانگ دونوں جگہ دیتا۔ منبر کے پاس والی تو اذان ہوئی۔ اور دروازے کے پاس والا

بلند جگہ تھی۔ ایسا ہی ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا۔ یہ تحقیق لائق قبول ہے۔ اور اس سے تمام روایتوں کا تعارض بھی اٹھ جاتا ہے۔

مسمی اعجاز الحق نے اپنی اسی بات کو فصیح الفاظ سے آراستہ کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ تاویل بھی سخت گندی ہے، کہ اس نے ایک لفظ کے مقدر ماننے پر قناعت نہ کی، پورا مرکب غیر مفید مقدر کر ڈالا اور یہ سوچکر کہ حدیث شریف میں یوذن کا مطلب چونکہ اذان معروف ہے اس لئے باب مسجد والا اعلان ہوگا۔ اور اسکو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کردیا۔

واللہ العظیم اگر ایسی کی خرافات کلام تم جائز ہوں تو ہر شخص کو اپنی ہوائے نفس کے مطابق قرآن عظیم کی آیتیں پھیرنا آسان ہوگا۔ مثلاً جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو زنا جائز ہے، وہ یہ کہنے لگیں گے کہ آیت شریفہ لا تقربوا الزنا (زنا کے قریب مت جاؤ) میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعدما تزوجتم۔ یعنی جس کی شادی ہو چکی ہو۔ وہ زنا کے قریب بھی نہ جائے۔ کیونکہ شادی کرلینے والے کو زنا کی حاجت نہیں بخلاف غیر شادی شدہ کے کہ اس کے پاس بیوی نہیں ہے تو کس طرح اپنی شہوت پوری کرے گا۔

اسی طرح جو لوگ جوانوں کا قتل جائز رکھتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعدما تہرم اور مطلب بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل نفس حرام کیا ہے۔ یہ ہے کہ بوڑھے ہونیکے بعد انسانوں کا قتل حرام ہے۔ کیونکہ کسی کو قتل اس لئے کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کی ایذا سے نجات ملے۔ اور بڈھا ایذا پہونچانے کے لائق نہیں۔ تو اس کا قتل حرام ہونا چاہئے۔ بخلاف جوانوں کے کہ فی الوقت ایذا نہ دیں ایذا دے تو سکتے ہیں۔ اور موذی کو ایذا سے پہلے قتل کردینا چاہئے۔ اس طرح آیت میں صرف بڈھوں کے قتل کی ممانعت ہے۔ جوانوں کے قتل کی نہیں ______ بلکہ خود یہ مؤول اسی مسئلہ میں قرآن کی آیت کو بھی اپنے مقصد کے موافق بنا سکتا ہے مثلاً قرآن شریف کی آیت مقدسہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ (جمعہ کے دن جب اذان پکاری جائے)

(بقیہ صـ۲۳۱ پر

اعلان تھا۔ جو اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتا تھا۔

یہ بات خود ہی اپنا بطلان کر رہی ہے۔ کیونکہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کفارہ ظہار کی آیت صیام شہرین متتابعین من قبل ان یتماسا (صحبت سے قبل مسلسل دو مہینہ روزہ رکھنا ہے) میں یہ کہے کہ آیت میں لفظ من قبل کے پہلے حرف واو جو بمعنی اَوْ ہے مقدر ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل دو مہینہ روزہ رکھے یا عورت سے صحبت کے پہلے روزہ رکھے۔

پھر اولاً اس تاویل کی بنا اس واہمہ پر ہے۔ کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب میں تقابل ہے۔ دونوں ایک مصداق پر صادق نہیں آسکتے۔ اور چونکہ یہ وہم باطل ہے۔ اس لئے اَوْ بھی یہاں تقسیم کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ اس بات کے اظہار کیلئے ہوگا کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب دونوں ایک ہی ہیں، یعنی جمع کے لئے ہوگا۔

ثانیاً ۔ علی الباب اور بین یدیہ دو الگ الگ اذانوں سے متعلق ماننے پر یہ لازم آئے گا، کہ عہد رسالت میں نماز جمعہ کیلئے تثویب ہوتی تھی۔ اور یہ تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ خود سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں ایک ہی موذن ہوتا تھا۔ جو امام کے منبر پر بیٹھتے ہی اذان دیتا۔ یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔

میں یہ مقدمان لے اذا نودی للصلوٰۃ داخل المسجد لضیق المنبر من یوم الجمعۃ (جب مسجد کے اندر منبر سے متصل جمعہ کے دن اذان دی جائے) لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ——— رہ گئی اس تقدیر نا معقول کی نسبت ملا علی قاری کی طرف تو یہ قطعاً غلط ہے۔ انھوں نے اس امر کی طرف نہ کنایۃً کیا نہ تصریحاً۔ بلکہ انھوں نے ایک وہم کی بنا پر حدیث کے الفاظ میں اختلاف تصور کرتے ہوئے اپنی طرف سے چند احتمالات کا ذکر کیا۔ کہ ان مخالف الفاظ میں توفیق ہو جائے لیکن اختلاف ان کا واہمہ تھا۔ تو یہ ساری توفیقیں اسی کی پیداوار مانی جائیں گی۔ اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ شمامہ چہارم نفحہ بستم میں آرہی ہے (۱۲ منہ)

ثالثاً حدیث شریف میں تو ایک ہی اذان کے بین یدیہ اور علی الباب ہونیکی تنصیص ہے۔ اس میں اس تفصیل کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے؟ کہ دروازہ پر اذان سے مختلف کلمات میں اعلان ہوتا تھا۔ ہاں حرف عطف کے ساتھ معطوف کو بھی مقدر مانا جائے۔ یعنی وبعد ما کان الاعلام علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر اعلان ہونے کے بعد سامنے اذان ہوتی۔ یا لفظ یوذن کو ہی عموم مجاز پر محمول کیا جائے۔ جس سے ڈبل مجاز بلکہ بلاکسی قرینہ ملجئہ کے ترک حقیقت ماننا لازم آئے۔

تو یہ سب مخالفین کی ہوس ہے۔ جس سے وہ حدیث کی تفسیر کے نام پر تغییر و تبدیل حدیث کرنا چاہتے ہیں۔

نفحہ (۱۰) اور مخالفین میں سے بعض جن کو ہم نے جہالت پر عار دلایا تھا۔ اس نے حدیث پاک میں ایک ایسی علت پیدا کرنی چاہی جو سرے سے اس حدیث سے استدلال کو ہی ختم کر دے۔ وہ کہتا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد پاک میں کوئی دروازہ منبر کے سامنے تھا ہی نہیں۔ پوری مسجد نبوی شریف میں صرف تین دروازے تھے۔ پوربی رخ پر باب جبرئیل، اور پچھم طرف باب السلام اور باب الرحمۃ (اور شمال و جنوب میں کوئی دروازہ تھا ہی نہیں) یہ خبیث جہالت سے حدیث کو رد کرنا ہے۔ مسجد شریف میں تین دروازے[1] ضرور تھے۔ مگر اور دروازے بھی تھے جن کی تفصیل یوں ہے۔ پوربی جانب باب جبرئیل پھر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی سمت باب النساء قائم فرمایا۔ پچھم طرف باب الرحمۃ پھر اسی طرف امیر المومنین نے باب السلام قائم فرمایا۔ شمالی جانب باب ابی بکر پھر اسی طرف

---

[1] ابواب کے نام بعد میں رکھے گئے ہیں۔ اور موجودہ دروازے بھی ٹھیک انھیں مقامات پر نہیں جہاں تھے۔ بلکہ مسجد کی توسیع کے بعد انھیں دروازوں کی محاذات میں رکھے گئے۔ (منہ غفرلہ)

امیر المومنین نے ایک دروازے کا اور اضافہ فرمایا۔ عالم مدینہ حضرت سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصۃ الوفاء میں اس کی تصریح فرمائی۔ پھر باب شمال کے لئے کسی دوسرے حوالہ کی ضرورت نہیں۔ بخاری شریف باب الاستسقاء کی یہ حدیث کافی ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اس دروازہ سے، جو منبر کے سامنے تھا۔ ایک جمعہ کو آیا۔ آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے (الحدیث)

نفحہ (۱۱) یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ یہاں دو سنتیں ہیں۔ جن میں ایک کا تعلق خاص اذان خطبہ سے ہے۔ یہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان کا اس کے سامنے ہونا ہے۔ اور ایک عام سنت ہے جو ہر اذان کو عام ہے۔ و اذان کا حدود مسجد کے اندر اس کے صحن میں ہوتا ہے نہ کہ خاص مسجد کے اندر، اس کی تصریح ان فقہاء کے نصوص میں ہے۔ جن کا نام ہم بیان کر چکے ہیں، اور سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس حدیث میں، ان دونوں ہی سنتوں کا بیان کیا ہے۔ کہ اذان خطبہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے ہوئی۔ اور یہ کہ اذان مسجد کے دروازہ پر ہوئی۔ اور دروازۂ مسجد کی حد پر ہوتا ہے مسجد کے اندر نہیں۔ لیکن اذان کی سنت میں دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اہمیت صرف منبر کے سامنے ہونیکو ہے۔ اگر کسی مسجد میں منبر کے سامنے دروازہ نہ ہو تو ایسا نہیں ہے کہ دروازہ ڈھونڈ کر وہیں اذان دی جائے۔ بلکہ خطیب کے سامنے حدود مسجد اور صحن مسجد میں ہوگی۔ اس سے دو سوالوں کا جواب ہو گیا۔ جو اکثر کیا جاتا ہے۔

اول یہ کہ علماء نے اس اذان کی سنتوں میں اس کا دروازہ پر ہونا ذکر نہ کیا،

جواب۔ یہ ہے کہ اس لئے اس کا ذکر نہ کیا کہ دروازہ اس باب میں غیر مقصود ہے۔ اس حدیث میں اس کا ذکر ایسے ہی ہے۔ جیسے دوسری حدیث میں سطح بیت نوارام زید کا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سطح بیت نوارام زید پر اذان دیتے تھے۔ تو اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اذان میں

سنت یہ ہے کہ پڑوسیوں کے گھر کی چھت پر ہو۔ اور کوئی شخص منارہ، یا دروازہ کے اوپر کھڑا ہو کر دے تو سنت کے مخالف ہے تو غلط ہے۔ کیونکہ اس گھر کی چھت کے ذکر سے مقصد تو یہ ہے کہ بلند جگہ پر اذان ہو، نہ یہ کہ پڑوسی کے گھر کی چھت پر۔

دوسرا سوال یہ کہ۔ فقہا اس اذان کے لئے خارج مسجد ہونیکی شرط باب جمعہ میں ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام کے سامنے ہو۔

جواب یہ ہے کہ۔ خاص باب جمعہ میں ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنت صرف اذان جمعہ کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ تمام اذانوں کی سنت ہے۔ اس لئے علماء نے اسکو مطلق اذان کے باب میں ذکر کیا۔ ہاں خطیب کے سامنے ہونا اذان جمعہ کے ساتھ خاص تھا۔ تو اس کو باب جمعہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان کے دو خاص و عام حکم کو شامل تھی اصولاً اس کو دو علیحدہ علیحدہ ابواب میں ذکر کرنا چاہئے تھا، فقہائے امت نے ایسا ہی کیا۔

یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل کے قول کو تسلیم کیا جائے۔ ورنہ ہمارے علمائے کرام نے ابواب جمعہ کو بھی اس بیان سے خالی نہیں رکھا۔ انشاءاللہ آئندہ ہم اس کی شہادتیں پیش کریں گے۔

نفس ۱۲ اور جب ہر طرف سے عاجز آگئے تو کہا کہ لوگوں نے اس حدیث کی چرچا ہی نہیں کی، تو یہ متروک العمل رہی مگر یہ بات ایسے شخص کی ہو سکتی ہے جو عوام کے درجے سے بالشت بھر بھی بلند نہ ہو سکا۔ کیونکہ ہر چیز کو وہیں تلاش کرنا چاہئے جہاں اس کا ٹھکانہ ہو۔ اور دوسری جگہ نہ ملنے میں کوئی شکایت نہیں۔ اور یہ بات اسی قبیل سے ہے کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اندھوں کی گواہی پیش کی جائے۔ ورنہ علماء تو

اس حدیث کا مسلسل ذکر کرتے رہے۔ اور اس پر اعتماد کرتے رہے۔

تفسیر خازن میں ہے۔

(جمعہ کے دن جب نماز کیلئے اذان دی جائے) اس سے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے علاوہ اور اذان نہیں تھی۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر بیٹھتے تو ان کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی تھی۔ (اھ مختصراً)

تفسیر کبیر میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول (جمعہ کے دن جب نماز کے لئے اذان دی جائے) یعنی ندا، جو جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے۔

یہی مقاتل کا قول ہے۔ اور ایسا ہی بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس اذان کے علاوہ کوئی اذان نہیں دی جاتی تھی۔ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے دروازہ پر اذان دیتے۔ ایسا ہی ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی تھا۔

تفسیر کشاف میں ہے:

(سورۂ جمعہ کی آیت میں) ندا، سے مراد اذان ہے کہتے ہیں کہ اس اذان کی طرف اشارہ ہے۔ جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک ہی موذن آپ کے منبر پر بیٹھتے ہی مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا۔ خطبہ کے بعد آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے

اور لوگوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا۔ اور دور دور تک مکانات ہوگئے۔ تو آپ نے ایک موذن کا اور اضافہ فرمایا۔ اور اسے پہلی اذان کا حکم دیا۔ جو آپ کے گھر موسوم بہ زوراء پر دیجاتی (یہ مکان مسجد سے دور بازار میں تھا) اور آپ جب منبر پر بیٹھتے تو دوسرے موذن اذان دیتے۔ پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔

درشفاف لعمر بن الہادی میں ہے۔

آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ہی موذن تھے۔ جو آپ کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دروازۂ مسجد پر اذان دیتے پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔

نہر الماء من البحر المحیط لابی حیان میں ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ کہ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی۔ اور جب خطبہ کے بعد آپ اترتے تو نماز قائم ہوتی۔ ایسے ہی صاحبین کے عہد تا ابتداء عہد عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوتا رہا۔ پھر آپ کے ہی زمانہ میں مدینہ شریف کی آبادی بڑھ گئی۔ لوگ زیادہ ہوگئے۔ اور مکانات دور تک پھیل گئے تو آپ نے ایک موذن کا اضافہ فرمایا۔ اور انہیں حکم فرمایا کہ پہلی اذان آپ کے مکان زوراء پر دیں۔ پھر جب آپ منبر پر بیٹھتے تو موذن دوسری اذان دیتا۔ پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ اس اضافہ پر کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا۔

تقریب کشاف لابی الفتح محمد بن مسعود میں ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں ایک ہی موذن تھا جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا تھا۔

تجرید کشاف لابی الحسن علی بن القاسم میں ہے ۔

حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک موذن تھا۔ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا تھا۔ اور آپ جب منبر سے اترتے تو نماز قائم فرماتے ۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے ۔

نداراول وقت ظہر میں اذان ہے ۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک موذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا تھا ۔ (الخ موافق تفصیل کشاف)

تفسیر خطیب و فتوحات الٰہیہ میں ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ،، جمعہ کے دن جب نماز کیلئے اذان دیجائے ،، اس ندا سے وہ اذان مراد ہے ۔ جو امام کے منبر پر بیٹھنے پر دیجاتی ہے ۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں اس اذان کے علاوہ تھی ہی نہیں ۔ ایک ہی موذن تھا۔ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ دروازہ پر اذان دیتا ۔ اور جب آپ منبر سے اترتے تو نماز قائم ہوتی پھر ابوبکر و عمر اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کوفہ میں اسی پر عامل رہے ۔ مدینہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہم میں آبادی بڑھی ۔ اور مکانات دور دور تک پھیل گئے ۔ تو انھوں نے ایک اذان اور زائد کی ۔

کشف الغمہ للامام شعرانی میں ہے ۔

اذان اول حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں جب خطیب منبر پر بیٹھتا ۔ اور اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی ۔

شمامہ ثانیہ از صندل فقہ

نفحہ (۱) اللہ تعالیٰ کے لئے بے شمار حمد ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے پر کثیر التعداد فقہی نصوص ہیں۔ وہ بھی صیغہ نفی کے ساتھ جو ممانعت میں نہی سے زیادہ موکد ہوتا ہے۔

خانیہ[۱]، خلاصہ[۲]، خزانۃ المفتیین[۳]، شرح نقایہ[۴] لعلامہ عبد العلی، فتاوی ہندیہ[۵]، تاتارخانیہ[۶] مجمع البرکات[۷] میں ہے۔

" مئذنہ پر اذان دینا چاہیئے۔ یا مسجد کے باہر، مسجد میں اذان نہ دی جائے "۔

بحرالرائق[۸] شرح کنز الدقائق میں خلاصہ کے حوالے سے ہے۔

" مسجد میں اذان نہ دی جائے "

شرح[۹] مختصر الامام طحاوی، للامام اسبیجابی اور مجتبیٰ، شرح[۱۰] مختصر للامام قدوری میں ہے

" اذان نہ دی جائے مگر صحن متعلقہ مسجد میں یا منارہ پر "

بنایہ[۱۱] شرح ہدایہ لامام عینی میں ہے۔

اذان نہ دی جائے مگر صحن مسجد میں یا مسجد کے کنارے۔

غنیہ[۱۲] شرح منیہ میں ہے۔

" اذان مئذنہ پر یا خارج مسجد ہو اور اقامت مسجد کے اندر[۱] "

---

[۱] ناحیہ، رکن، اور جانب سب کے معنی ایک ہیں۔ قاموس میں ہے۔ ناحیہ جانب اور کنارے کو کہتے ہیں، مصباح

نظم[۱۳] امام زندویسی۔ شرح[۱۴] نقایہ لشمس قہستانی، حاشیہ[۱۵] مراقی الفلاح للعلامہ سید احمد طحطاوی میں ہے۔

مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔

غایۃ[۱۶] البیان شرح ہدایہ لعلامہ اتقانی۔ فتح[۱۷] القدیر شرح ہدایہ لمحقق علی الاطلاق میں ہے۔

مصنف امام برہان الدین صاحب ہدایہ کا قول کہ (مکان ہمارے مسئلہ میں مختلف ہے) اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اذان واقامت کے مقامات کا اختلاف ہی معہود ومعروف نیز حکم شرعی ہے کہ اقامت مسجد میں ہونا ضروری ہے۔ اور اذان مئذنہ پر اور مئذنہ نہ ہو تو مسجد کے صحن میں۔ ائمہ نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔

اور دونوں شارحین نے اپنی دونوں کتابوں میں خطبہ جمعہ کے لئے طہارت مسنون ہونے کے مسئلہ میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا۔

بسکا فی میں دونوں مسئلہ میں علت جامعہ یہ بتائی، کہ خطبہ اور اذان دونوں ہی مسجد کے اندر خدا کا ذکر ہیں۔ جن کیلئے طہارت سنت ہے۔ مسجد کے اندر کا مطلب حدود مسجد ہے۔ کیونکہ اذان داخل مسجد مکروہ ہے۔

میں ہے (یجانب (الناحیہ) جانب اور کنارہ ہی ناحیہ ہے، تاج العروس میں ہے۔۔ پہاڑ اور محل کا رکن اس کا کونہ ہوتا ہے۔ اور ہر شے کا رکن اس کا کنارہ ہی ہوتا ہے۔ جس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے۔ یا اس کے ساتھ قائم ہوتا ہے، یہ لفظ علیحدگی اور جدائی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے جانب دوری انفصال کے معنی دیتا ہے، اور کعبہ شریف کے دونوں رکن اسود اور یمانی کو دیکھا جا سکتا ہے، کہ وہ دونوں کعبہ سے خارج ہیں۔

اور خلاصۃ الوفاء میں ذکر کیا ہے، کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی شریف کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے اور فرمایا کہ یہ چاروں مینار زمین سے لے کر چاند تک خارج مسجد ہیں (منہ غفرلہ)

یہ انیس نصوص ہیں، اور بیسویں نص امام ابن الحاج مکی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدخل میں ایک فصل تحریر فرمائی۔ جس میں مسجد کے اندر اذان کی کراہت بیان فرمائی، اور بتایا کہ مطلقاً سلف صالحین نے اس فعل کی نفی کی ہے: تو اس عموم میں ائمہ اربعہ داخل ہو گئے۔ اور ان سے پہلے کے صحابہ و تابعین بھی۔ مدخل کی عبارت یہ ہے۔

"مسجد میں اذان کی ممانعت کے بیان میں یہ گذر چکا کہ اذان کے لئے تین جگہیں ہیں مسجد کی چھت، مسجد کا دروازہ، اور منارہ، اور جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کئی وجہ سے ثابت ہے اول یہ کہ گذشتہ بزرگان دین مسجد کے اندر اذان نہیں دیتے تھے۔ الخ

یہ کل بیس نصوص ہوئے۔

نفع (۲) یہ نصوص اپنے عموم و اطلاق کے ساتھ سب کے سامنے ہیں۔ اور اصول فقہ سے یہ ظاہر ہے کہ فعل نکرہ کے حکم میں ہے۔ اور نفی کے تحت ہو تو عام ہے پس فقہاء کا قول لا یوذن فی المسجد عام ہے۔ اور باقی اقوال مطلق ہیں۔ جن میں تخصیص و تقیید کا کوئی اثر نہیں تو ان کو اپنے عموم پر ہی جاری رکھنا ہوگا۔

اور جن عبارتوں میں مئذنہ کا ذکر ہے۔ تو وہ خطبہ کی اذان کو اس حکم سے نکالنے کیلئے نہیں اولاً۔ اس لئے کہ صدر اول کے بعد ہی لوگوں نے بلند منبر اور ان کے سامنے اذان جمعہ کیلئے چبوترے بنائے۔ جیسا کہ شاہی مسجدوں میں اب بھی دیکھا جا سکتا ہے (اور ان کی بنا مخصوص شرائط کے ساتھ جائز بھی ہے) تو اذان جمعہ کیلئے یہی مئذنہ ہوئے۔ اور ان پر اذان، اذان علی المئذنہ ہوئی، تو اس حکم میں کہ مئذنہ پر اذان نہ ہو تو صحن مسجد میں ہو۔ اذان جمعہ بھی داخل رہی۔

ثانیاً۔ (یہ جملہ اذان مئذنہ پر ہونی چاہیے نہ ہو تو صحن مسجد میں دیجائے) مطلق یا عام

(اذان) کے لئے ایک حکم مردد ہے۔ اور ایسے تردیدی حکم کا یہ تقاضا نہیں ہوتا کہ مطلق یا عام کا ہر ہر فرد حکم کے دونوں پہلوؤں سے متصف ہو، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا کوئی فرد بھی حکم کے دونوں پہلوؤں سے یکسر خالی نہ ہو کوئی فرد حکم کے ایک پہلو سے متصف ہو، اور کوئی دوسرے پہلو سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(اس تشریح کی روسے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اذان خواہ پنج وقتہ ہو یا اذان خطبہ سب کو مئذنہ پر ہونا چاہیئے۔ (لائق اذان) مئذنہ ہی نہ ہو یا اس پر اذان نہ ہو سکی تو صحن مسجد میں ہو۔ پس مذکورہ بالا حکم اذان جمعہ کو بھی شامل ہوا)

(اعتراض) فتح القدیر اور غایۃ البیان کی مذکورہ بالا عبارت کا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حکم صرف نماز پنج وقتہ کے ساتھ ہی خاص ہو۔ کہ مئذنہ کی ضرورت اسی کے لئے ہے۔ اذان جمعہ تو بعدم محاذات کی وجہ سے متعارف مئذنوں پر منع ہے)

(جواب۔) ان دونوں کتابوں کی اصل عبارت یہ ہے۔ " اما الاذان فعلی المئذنة وان لم یکن (ایک نسخہ) وان لم تکن (دوسرا نسخہ) ففی فناء المسجد، پہلے نسخہ کی تقدیر پر ترجمہ یہ ہوا۔ اگر مئذنہ پر اذان نہ ہوئی۔ اذان نہ ہونے کی دو صورت ہے۔ اول۔ اذان کا مئذنہ پر ہونا تو ممکن تھا۔ مگر موذن نے سستی وغیرہ کی وجہ سے اذان مئذنہ پر نہ دی۔ یہاں عدم اذان علی المئذنہ بوجہ ترک موذن ہے۔ اور دوسری صورت یہ کہ موذن مئذنہ پر اذان دینا چاہتا تھا۔ لیکن وہ مئذنہ پر اذان اس لئے نہ دے سکا کہ شریعت نے اسے روک دیا، کہ یہ مئذنہ خطیب کی محاذاۃ میں نہیں۔ اس لئے اس پر اذان منع ہے یہ عدم اذان موذن کو اذان سے کف و منع کی وجہ سے ہے۔ ان میں پہلی صورت اذان پنج وقتہ میں ہے۔ اور دوسری جمعہ کی اذانوں میں۔ اور عدم اذان کی ان دونوں صورتوں کیلئے حکم یہی ہے۔ اذان صحن مسجد میں ہو تو جمعہ کی اذان کو بھی یہ حکم شامل ہوا۔

اور دوسرے نسخہ کی رو سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر مئذنہ نہ ہو تو اذان صحن مسجد میں ہوگی
مئذنہ نہ ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں۔ عدم حسی، اور عدم شرعی، مسجد میں سرے سے
کوئی مئذنہ ہی نہ ہو یہ عدم حسی ہے۔ اور مئذنہ تو ہو مگر خطیب کی محاذات میں نہ ہو تو عدم
شرعی کی صورت ہے۔ اور حکم مذکور کا مدار عدم شرعی ہے۔ اور جب متعارف منارے
عدم محاذات کی وجہ سے خطبہ کی اذان کے لئے شرعًا معدوم ہیں۔ تو حکم مذکور اذان جمعہ کے
لئے بھی ہوا کہ صحن مسجد میں ہو۔ تو بہر تقدیر اس حکم سے خطبہ کی اذان خارج نہ ہوئی۔ وللہ الحمد۔
اور اگر کسی کو ضد ہی ہو کہ اس حکم میں جمعہ کے خطبہ کی اذان شامل نہیں۔ تو بر سبیل تنزل
گزارش ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کا بھی خیال رکھا ہے۔ چنانچہ اپنی اسی عبارت میں
مذکور بالا ٹکڑے کے بعد اسلوب بدل کر لفظ قالوا کے اضافہ کے ساتھ ایک عام اور تام حکم دیا۔
فرماتے ہیں قالوا لا یوذن فی المسجد فقہا کا قول ہے کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائیگی۔
اور یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ لا یوذن فی المسجد کا حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام اذانوں کو
شامل ہے۔ لیکن بطور تنزل جب ہم نے سابقہ جملہ کو پنج وقتہ اذان کیلئے مخصوص مان لیا۔
تو یہ حضرات اگر عبارت کا اسلوب بدلے اور لفظ قالوا کا اضافہ کئے بغیر لا یوذن فی المسجد
کہہ دیتے۔ تو یہ وہم ہو سکتا تھا۔ کہ حکم بھی اسی معہود اذان (پنج وقتہ) کیلئے ہے جس کا ذکر جملہ
سابقہ میں ہے۔ لیکن جب عبارت کا سیاق بدل گیا۔ اور قالوا کے اضافہ نے اسے ایک علاحدہ
جملہ کر دیا۔ تو وہ وہم بالکلیہ ختم ہو گیا۔ اور یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ یہ ایک علیحدہ حکم جملہ اذانوں
کے لئے مطلق اور عام ہے جس میں خطبہ کی اذان بھی شامل ہے۔ بزرگوں کے کلام میں ان دقائق
کی طرف رہنمائی صرف توفیق الٰہی کا کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ آداب کی بھی توفیق
بخشے۔ آمین۔

نفحہ (۳) اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان دونوں اماموں کی عبارت میں لفظ قالوا کا

قاعدہ ظاہر ہوا۔ بقیہ عبارتوں میں لفظ قالوا نہیں ہے۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جب لفظ قالوا کہیں تو ماسبق سے تبری اور افادہ خلاف کا ہی فائدہ مراد لیں۔ نہ یہ سب[1] کی تسلیم شدہ اصطلاح ہے۔ جیسا کہ کلام علماء کے تتبع وتلاش سے ظاہر ہوا۔

ردالمحتار[2] میں بے وضو آدمی کے حدیث وفقہ کی کتابوں کے چھونے کے بارے میں فرمایا۔

"خلاصہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک چھونا مکروہ ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک چھونا مکروہ نہیں ہے اور فتح القدیر میں اس کی کراہت کا حکم فرمایا۔ اور کہا کہ لوگوں نے کہا کہ مکروہ ہے بے وضو کا تفسیر، فقہ اور سنت کی کتابوں کو چھونا۔ تو اس عبارت میں لفظ قالوا کہکر سابقہ حکم کی تائید ہی کی،

نہر الفائق میں ایک مسئلہ بیان کیا۔

بالغہ کی شادی غیر کفو میں کردی گئی۔ اسے خبر ہوئی تو وہ چپ رہی۔ یہ خموشی صاحبین کے نزدیک رضامندی نہیں ہے۔ اور امام صاحب کے قول پر رضامندی ہے۔ بشرطیکہ شادی باپ دادا نے کی ہو۔ درایہ میں اول کو لفظ قالو سے بیان کیا ہے

اسی طرح ان دونوں اماموں نے یہاں دونوں ہی طرح اثبات مدعا کیا ہے۔ کہ پہلے قول میں وہ امام کے قول معتمد کی علت بیان کرنا چاہتے ہیں (مغرب میں اذان اور اقامت کے بیچ میں جلسہ سے فصل جائز نہیں) اور قالو لایوذن فی المسجد سے اسکی تائید کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسکی مخالفت اور تبری کے درپے ہیں اور تصدیق کیلئے ہدایہ کا یہ مقام اور اسکی وضاحتیں ان دونوں اماموں کا قول یفید کذا وہو کذالک شرعاً دیکھا جائے)

اور دوسرے قول میں کافی کے قول "ھو ذکر اللہ تعالیٰ فی المسجد" کی تاویل

---

[1] اور جس نے اس مسئلہ میں لفظ قالوا کے زیادتی کی نسبت امام قاضی خاں کی طرف کی غلط کیا جیسا کہ انکی عبارت سے پتہ چلا۔ منہ حفظہ ربہ۔

[2] یہاں اعلیٰحضرت نے غالباً طحطاوی کی بھی کوئی عبارت نقل کی تھی جو پڑھی نہ گئی۔ عبدالمنان۔

میں فرمایا اسے فی حدودہ۔ اور بغیر لفظ قالوا کے یہ جزم فرمایا کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے تو یہاں بے قالوا کے تبری اور اظہار خلاف کے لئے یہ جملہ ہوا۔ تو حق واضح ہوا۔ اور حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ثابت ہے۔

نفحہ (۴) یہ بات کسی علم وعقل والے سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ عام سے خاص پر استدلال صحیح اور درست ہے۔ خود حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت مبارکہ (فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ جس نے ذرہ برابر بھلائی کی اس کا بدلہ پائیگا) میں برتا۔ اور آپ کے بعد صحابہ وائمہ اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اپنا دستور العمل بنایا۔ اگر ہر خاص کے ثبوت کے لئے خاص اسی کے بارے میں آیت اور حدیث کو ضروری قرار دیا جائے۔ تو شریعت معطل ہو جائے گی۔ اور انسان بے مقصد کھٹکتا پھریگا۔ حالانکہ شریعت میں احکام تو عام ہی ہوتے ہیں۔ کہ سب لوگ اس پر عمل کریں۔ اگر نصوص عامہ سے استدلال صحیح نہ ہو تو ہر شخص مطالبہ کرے گا خاص میرے نام سے حکم لاؤ۔

تو یہ جاہل دیوبندی اور مسئلہ اذان میں ان کی اتباع کرنے والے سنی جہلاء کس درجہ ناسمجھ ہیں۔ جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم کو ممانعت اذان کی کوئی ایسی حدیث دکھاؤ۔ جس میں خاص طور سے اذان خطبہ کا ذکر ہو۔

اسی کے قریب ان لوگوں کی یہ بات بھی ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دینے کا حکم اذان کے باب میں ہے۔ جمعہ کے باب میں نہیں۔ اسلئے یہ حکم اذان جمعہ کیلئے نہیں ہوگا۔ اس کا تفصیلی جواب تو نفحات حدیثہ کے گیارہویں نفحہ میں گذرا۔ اس نفحہ فقہیہ میں بھی مزید گذارش ہے کہ شاید یہ نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ اذان جمعہ کے ساتھ وہی احکام خاص ہیں۔ جو باب جمعہ میں مذکور ہیں۔ مثلاً اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہ سارے ہی عمومی احکام جو اذان سے متعلق ہیں۔ گو صرف باب اذان میں ہی

ان کا ذکر کیوں نہ ہو۔ سب کے سب اذان جمعہ پر بھی عائد ضرور ہوں گے۔ تو اگر صرف باب اذان کا بیان ہی اذان جمعہ کے لئے کافی نہ ہو۔ تو جمعہ کی اذان میں ان پر عمل درآمد کی کیا سبیل ہوگی؟ یہ بات تو بچوں پر بھی واضح ہے مگر نادان وہابیہ نادانی سے باز نہیں آتے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے خطبہ جمعہ باوضو مسنون فرمایا۔ اور خطبہ کے مسئلہ کو اذان کے مسئلہ پر قیاس کیا۔ کہ جیسے اذان کے لئے طہارت مسنون ایسے خطبہ کے لئے بھی۔ اس سے یہ وہم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان علت جامعہ ان دونوں کا نماز کے لئے شرط ہونا ہے۔ یہ بات غلط تھی اس لئے ان دونوں شارحوں نے مذکورہ بالا علت کو چھوڑ کر اس کی علت جامعہ کی طرف رجوع کیا۔ جس کو امام النسفی نے اپنی کتاب کافی میں متعین طور سے ذکر کیا تھا کہ خطبہ جمعہ اور اس کی اذان کے درمیان علت مشترک ان کا ایسا ذکر ہونا ہے جو مسجد کے اندر ہوتا ہے۔ اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہو رہا تھا کہ اذان تو مسجد کے اندر ہونے والا ذکر نہیں۔ یہ تو مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ تو ان حضرات نے جواب دیا کہ تعلیل میں اذان کو ذکر مسجد کہنے کا مطلب قلب مسجد نہیں ہے، حدود مسجد ہے۔ اور اذان خطبہ اندرونِ مسجد نہ ہوتی ہو۔ حدود مسجد میں تو ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس کو ذکر مسجد کہنا صحیح ہے۔ تو اذان خطبہ کے مسجد کے اندر مکروہ ہونے کی اس سے بڑی اور کون سی نص چاہیئے۔

نفحہ (۵) یہ مسئلہ کتب نوازل کا نہیں ہے۔ نہ اسے مشائخ میں سے کسی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ راوی وہی ائمہ اعلام ہیں جیسے امام قاضی خاں اور ان کے ہم رتبہ حضرات ائمہ۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب کسی مسئلہ کو مرسل روایت کرتے ہیں تو یہ مسائل مذہب میں شمار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان مشائخ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب مشائخ میں سے کسی کی تخریج روایت کرتے ہیں تو مسئلہ کے ساتھ ان کا نام ضرور لیتے ہیں۔ چنانچہ غنیۃ ذوالاحکام میں ہے۔ اونگھنے کے مسئلہ کی تصریح امام قاضی خاں نے فرمائی۔ اور یہ مسئلہ جب کسی کی طرف منسوب

نہیں ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ یہ مذہب ہے۔

تو مسئلہ دائرہ میں یہ شک پیدا کرنا کہ یہ خاص طور سے امام اعظم کی طرف منسوب نہیں اس لئے قابل قبول نہیں۔ اس کا مقصد دو باتیں ہیں۔ عام مسائل شرعیہ و فتاوی جن کی نسبت کسی کی طرف نہ ہو۔ ان سے امام کی نسبت مرتفع ہو جائے اور بقیہ مسائل جو کسی شیخ یا امام کی طرف منسوب ہوں ان کا رد و ابطال ہو۔ کہ جب غیر منسوب مسائل امام کی طرف منسوب نہ ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوئے تو یہ مسائل جو بالتصریح غیر کی طرف منسوب ہیں۔ ان کے رد و ابطال میں کون سا تردد، کہ ان کے بارے میں تو یہ بالیقین معلوم ہے کہ یہ مسائل امام سے مروی نہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب کے دو ثلث یا تین ربع مسائل اکارت ہو جائیں گے۔ جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ مشائخ نے جن مسائل کی تصحیح یا ترجیح فرمائی ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے فتاوے مقبول اور معمول بہا تھے۔ تو ان مسائل سے کیوں روگردانی جائز ہوگی؟ جن کو ان بزرگوں نے یقین کے ساتھ کسی اختلاف کا اشارہ کئے بغیر روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

نفحہ (۶) جب نصوص کی تخصیص ان کے بس سے باہر ہوئی۔ تو سوچا کہ اذان خطبہ کو ہی اذان کی جنس سے خارج کر دیں۔ تاکہ یہ خود اذان کی جنس سے خارج ہو جائے اور ہم تخصیص کی زحمت سے نجات پا جائیں۔

تو وہ کہنے لگے کہ اذان تو غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے۔ اور اقامت مسجد میں موجود رہنے والے مصلیوں کو اطلاع ہے۔ جیسا کہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا۔ اذان غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے، اور الحدادی نے سراج الوہاج اور علامہ بحر نے بحر الرائق میں تحریر کیا ہے۔

پس یہ لوگ اذان خطبہ کو حاضر مصلیوں کی اطلاع مانتے ہیں۔ غائبین کا بلاوا نہیں تسلیم کرتے۔ اور اذان خطبہ اذان کے الفاظ میں ہوتے ہوئے بھی اذان نہیں جیسے وہ اذان جو نو مولود کے کان میں کہی جاتی ہے۔ غمزدہ انسان کے لئے یا مسافر کے پیچھے اور غول بیابانی کا اثر دور کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اور دفن میت کے وقت منکر ونکیر کا جواب یاد دلانے کے لئے اور شیطان کو بھگانے یا دیگر اغراض کے لئے پکاری جاتی ہے جن کا مقصد حاضری مسجد یا دخول وقت کا اعلان نہیں ہوتا بلکہ مبارک کلمات سے تبرک یا بلا کا اندفاع ہوتا ہے۔

اس کے بعد ان کی باتوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ ایک[1] جاہل کہتا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز جمعہ بے اذان کے ہی پڑھتے تھے۔ تو کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مکہ میں ساری نمازیں بغیر اذان کے ہی پڑھتے تھے۔ اس مسکین کو یہ معلوم نہیں کہ یہ اجماع امت و تصریح قرآن کا انکار ہے۔ کیونکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں خطبہ کے علاوہ کوئی اذان نہ تھی، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔ اے ایمان والو جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے دوڑ پڑو، یہ مسجد کی طرف سعی کا حکم غائبین کے لئے ہی تو ہے یہ بھی فرمایا کہ بیع و شراء چھوڑ دو۔ بیع و شراء تو بازار میں ہوتی ہے۔ مسجد میں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ، مسجد میں موجود نہ رہنے والوں کو نماز کے لئے بلانے کے لئے ہی ہوتی تھی۔ اور یہی اذان شرعی و اصطلاحی ہے۔ اور مکہ کی نماز نزول اذان سے قبل ہوئی تو کوئی مومن اس پر نماز جمعہ کو قیاس نہیں کر سکتا۔

اور دوسرے مخالف کا کہنا یہ ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ

[1] یہاں ایک بہت طویل حاشیہ ہے جو حل نہ ہو سکا۔ عبد المنان۔

تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں یہی اذان خطبہ تھی۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب انھوں نے اذان اول ایجاد کی تو یہ اذان حاضرین کا اعلان ہوگئی تو جب پہلے زمانہ میں اعلان تھی۔ تو باب مسجد پر ہونا ہی مناسب تھا۔ اور عہد عثمان غنی میں جب یہ حاضرین کو خطبہ کے لئے خاموش کرنے کے واسطے ہے تو اس کا مسجد کے اندر منبر کے قریب ہونا ہی مناسب ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے۔ کہ یہ بھی ہمارے علمائے کرام کے اجماع کے خلاف ہے۔

(۱) سارے ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ کیلئے دو اذانیں ہیں۔

(۲) جنبی کی اذان دہرائی جائے گی۔ اقامت نہیں دہرائی جائے گی۔ دلیل یہ دی گئی کہ اذان کی تکرار مشروع ہے، اقامت کی نہیں، ہدایہ میں اس کی تصریح ہے۔ اور تکرار اذان کے جواز کے ثبوت میں اذان جمعہ کو ہی پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی، تبیین، عنایہ اور در مختار میں ہے۔

"اذان کی تکرار فی الجملہ مشروع ہے"

یہاں تک پانچوں کتابوں کی عبارت میں اتفاق ہے۔ آگے کافی میں فرماتے ہیں "اقامت کی تکرار تو بالکل جائز نہیں، تبیین میں صرف یہ ہے۔ "اقامت کا یہ حکم نہیں" عنایہ میں ہے۔ "بخلاف اقامت کے" اور در مختار کی عبارت یوں ہے "اذان کی تکرار جمعہ میں مشروع ہے۔ نہ کہ اقامت کی تکرار"

پس اذان ثانی اگر اذان اول کی طرح ہی اذان نہ ہو تو اس کی تکرار کس طرح ہوگی؟

(۳) علامہ بحر نے اپنی کتاب بحر الرائق میں صریح عبارت ارشاد فرمائی

"اس لئے کہ اذان کی تکرار شرعاً جائز ہے۔ جیسے جمعہ کی اذان کہ بار بار ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ غائبین کے اعلان کیلئے ہے۔ تو اس کے بار بار کرنے میں فائدہ ہے کہ کسی نے پہلے نہ سنا ہو تو اب سن لے گا۔ البتہ اقامت کی تکرار جائز نہیں"

(۴) اذان خطبہ کے اذان ہو کر اذان نہ ہونے کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی ایجاد کردہ اذان سے اعلام غائبین کی ضرورت پوری ہوگئی۔ تو اب اذان خطبہ کی اس کے لئے ضرورت ہی نہیں رہی۔ تو یہ اذان نہ رہی۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان ایجاد فرماکر یہ کہا کہ اب اذان خطبہ اذان نہ رہی بلکہ اس سے اطلاع حاضرین کا کام لیا جائے گا۔

● پہلی بات تو باطل ہے، کہ تثویب بھی تو اعلام بعد الاعلام ہی ہے۔ جسے متقدمین نے مکروہ کہا۔ اور متاخرین نے مستحسن گردانا۔ تو متاخرین اور متقدمین دونوں نے مل کر یہ طے کر دیا۔ اعلام تکرار کا امکان رکھتا ہے۔ اگر محال ہوتا تو نہ مستحسن ہوسکتا نہ مکروہ۔ پھر اس کے رد کے لئے صاحب بحر الرائق کا کلام ہی کافی ہے۔

● دوسری بات باطل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بری اور گندی بھی ہے۔ کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور سید کائنات صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت بدل ڈالی۔ پناہ بخدا خلفائے راشدین اس سے بری ہیں وہ آپ کی سنتوں میں اضافہ تو کر سکتے ہیں۔ اس میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ آپ نے جمعہ کے دن اذان کی سنت میں ایک اذان کا اضافہ کیا۔ جمیع اہل اسلام نے تمام شہروں میں اس کی اتباع کی۔ آپ کی سنت بدلنے سے اللہ تعالیٰ نے انھیں محفوظ رکھا۔ تم نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا؟ آپ فرماتے ہیں۔

چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی، اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی، اور ہر نبی مجاب الدعواۃ نے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک سنت کا بدلنے والا ہے۔

اس حدیث کو ترمذی نے ام المومنین سے۔ حاکم نے ام المومنین اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ اور طبرانی نے کبیر میں عمرو بن شفوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلفظ سبعة لعنتهم وکل نبی مجاب روایت فرمایا۔

پس ان لوگوں کی کیسی بوالعجبی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کا انکار کرنے والوں کے فعل کو ضلالت شنیعہ بتاتے ہیں۔ اور خود ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں

کہ آپ کی طرف تغیرِ سنت کی نسبت کرنا بہت بڑی گمراہی ہے۔ اور اس کے مردود ہونے کی سب سے بڑی وجہ خود وہی ہے۔

● دوسری بات کا یہ جواب بھی ہے کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اذان خطبہ کی اذانیت کو ختم کر دیا۔ کیا انھوں نے خود اس کا اقرار کیا ہے۔ یا انھوں نے موذن کو حکم دیا تھا کہ اس اذان میں تخفیف کرے۔ یا اس کو پست آواز سے کہے۔ یا آپ لوگ امیر المومنین پر بے جانے بوجھے افترا کر رہے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔

"اس پر کان بھی نہ دھر و جس کا علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ، دل سب سے پوچھا جائے گا۔"

● اس پر یوں بھی غور کرنا چاہیے کہ عہدِ رسالت کی اذان خطبہ اگر حسبِ سابق اعلان کا فائدہ دے رہی تھی تو اس کو اذانیت سے نکالنے کے لئے اس میں کچھ ایسا تصرف نا روا ضروری تھا۔ کہ اس سے اعلام کا فائدہ ختم ہو جائے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ تو دانستہ فائدہ شرعیہ کو ختم کرنا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تو دور دراز تک پھیلے ہوئے لوگوں کی اطلاع کے لئے اذان اول کا اضافہ فرمایا تھا۔ تو اذان ثانی کو عہدِ رسالت اور عہدِ صاحبین کی طرح اعلام غائبین کے لئے باقی رکھنے میں (کہ جن لوگوں نے پہلا اعلان نہ سنا ہو یہ دوسرا اعلان سن کر تو مسجد میں ضرور آ جائیں گے۔) کیا حرج تھا؟ کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ دوسری اذان کی اذانیت کو ختم کر دیتے۔ تو اس کی اذانیت کے ختم کرنے کی نسبت حضرت ذوالنورین کی طرف کرنا۔ ان پر یہ الزام لگانا ہے کہ انھوں نے سنت بدلی، فائدہ شرعیہ گھٹایا۔ اور دینی مصلحت توڑی۔ ورنہ اتنا تو ہے ہی کہ ایک بے فائدہ کام کیا۔ اور ہدایہ میں ہے کہ العبث حرام ـ ایک لغو فعل ہوا اور قرآن عظیم ان کے اوصاف بیان کرتا ہے۔ "وہ لوگ لغو سے پرہیز کرتے ہیں"

نفحہ (۷)

ہماری گذشتہ بحثوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اذان ثانی کو اب صرف مقتدیوں کو خطبہ کے لئے خموش کرانے کی غرض سے باقی رکھنا صحیح نہیں۔ بلکہ یہ

نص، حرمت صحابہ، اور ہمارے ائمہ کے اجماع اور نصوص فقہاء کے خلاف و معادم ہے تو اب یہ بات نہ ماننے کے قابل ہے نہ لائق التفات، لیکن تباہی تو یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے مذہب کی نصوص چھوڑ کر مذکورہ بالا غیر مفید بحثوں کا سہارا لیا۔ اور بے مقصد زحمتیں برداشت کیں۔ پھر بے تکی حرکت یہ کی کہ اس پر ایک تفریع باطل لگادی، کہ لہذا مناسب یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے بالکل متصل ہو، حالانکہ اس اذان کی غرض اِسکانِ سامعین مان بھی لی جائے۔ تو اس اذان کے زیادہ ضرورت مند حصہ صیفی و بیرونی صحن کے لوگ ہیں۔ اندرونی دالان کے لوگ تو امام کو منبر پر بیٹھا دیکھ کر خود ہی خاموش ہو جائیں گے۔ ضرورت تو باہری صحن میں اذان دینے کی ہے۔ تاکہ جو لوگ امام کو نہیں دیکھتے مطلع ہو جائیں۔

اس اذان کو اقامت پر قیاس کرنا غلط ہے، کیونکہ اس کا مطلب تو جماعت کے لئے صف لگانے کا ہے، اور صف کے لئے پہلی صف سے درجہ بدرجہ صفیں مکمل کرنے کا حکم ہے چنانچہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"پہلے پہلی صف مکمل کرو پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد اور جو کمی ہو تو آخری صف میں ہو،

اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند، امام نسائی، ضیاء مقدسی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا (اب لوگوں نے سرکار کی اس سنت کو بھی ترک کر دیا ہے)

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اقامت تو پہلی ہی صف میں ہونی چاہیے۔ اور اذان خطبہ کے باہر والے زیادہ محتاج ہیں۔

نفحہ (۸)

کچھ طلبہ علم دین کے اس کلیہ کو کہ کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے، یہ کہکر توڑنا چاہتے ہیں، کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ہے:

"ہر دو اذانوں کے بیچ میں اس کے لئے نماز ہے جو پڑھنا چاہے۔"

حالانکہ اقامت کا مسجد کے اندر ہونا ہی ضروری ہے۔ تو فقہا کا یہ حکم کلی نہیں رہا، اور اقامت کی طرح اذان بھی مسجد میں دی جاسکتی ہے۔

ان بیچاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیباً ہے۔ یا بطور عموم مجاز، امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں۔

اذانین سے مراد اذان واقامت ہے۔ جیسا کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کو عمرین کہا جاتا ہے۔ اصطلاح بدیع میں اسکو تغلیب کہا جاتا ہے۔

مواہب لدنیہ میں امام الائمہ ابن خزیمہ سے ہے۔

۔ اذانین سے مراد اذان واقامت دونوں ہیں۔ اور یہ تغلیب ہے۔

زرقانی میں ہے۔

۔ شریعت کے نزدیک اذان اقامت سے الگ ہے؛

عینی اور مواہب میں تغلیب کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

۔ اقامت کو اذان اس لئے کہہ دیا کہ اعلان ہونے میں دونوں شریک ہیں،

زرقانی نے فرمایا۔

۔ ان دونوں میں تغلیب نہیں۔ اس لئے کہ اذان لغت کے اعتبار سے اعلان کے معنی میں ہے" اور اقامت میں دخول وقت کا اعلان ہوتا ہے۔ تو ان دونوں میں عام وخاص کا فرق ہے۔ اور دونوں کے لئے اذان کا اطلاق لغوی ہی ہے،

ایک مرجوح اور مخالف روایت (الاقامت احد الاذانین) اقامت دو اذانوں میں سے ایک ہے۔ اس کو جو اس تعلیل کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ تو وہ ایسا ہی ہے۔ جیسے اہل زبان کا مقولہ ہے القلم احد اللسانین قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ اسی لئے امام نسفی نے اس کی تفسیر میں کہا۔ کہ اذان واقامت دونوں ہی ذکر معظم ہیں جیسا کہ القلم احد اللسانین کی تفسیر

کی جاتی ہے کہ دونوں ہی ما فی الضمیر کو بیان کرتے ہیں۔

ان دونوں میں مغایرت پر دلالت کرنے والی، ہدایہ، کافی، ذیلعی، اکمل، درر، اور بحر کی عبارتیں ہیں کہ "اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں" انھیں سب کتابوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ "جنبی کی اذان دہرائی جائے، اور اقامت نہیں دہرائی جائے گی"، بحر الرائق میں ظہیریہ سے ہے کہ "اگر اذان کو اقامت کی طرح ادا کیا۔ تو اذان دہرائی جائے۔ اور اگر اقامت کو اذان کی طرح کہا تو نہ دہرائی جائے" کیونکہ تکرار اذان مشروع ہے۔ تکرار اقامت نہیں" اسی میں محیط سے ہے کہ "اگر اذان کو اقامت کیا تو استقبال قبلہ ضروری نہیں۔ اور اگر اقامت کو اذان قرار دیا تو استقبال قبلہ کرے"

اس کے علاوہ بھی کتنے مسائل ہیں جن میں اذان و اقامت کا فرق ہے۔ ان سب ارشادات کا حاصل یہ ہوا کہ اذان کے جملہ احکام کے اقامت پر طریان کا دعوی کوئی سمجھدار آدمی نہیں کر سکتا۔ ہاں جہل مرکب بڑی مشکل بیماری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سب کو علم کی توفیق بخشے۔

نفحہ (۹)

مسجد کی دو اطلاقات ہیں۔

الف۔ زمین کا وہ حصہ جو نماز کے لئے وقف کیا گیا ہو۔ مسجد کے حقیقی معنی یہی ہیں۔ اس اطلاق میں مسجد کی بنیادیں مسجد میں داخل نہیں۔ کہ بنیادیں اوصاف کے حکم میں ہیں۔ جیسے کہ اطراف و حدود۔ پس مسجد کا دروازہ اور دیواریں مسجد سے خارج ہیں۔ اسی طرح اذان کے چبوترے، مینارے، حوض اور کنویں حدود مسجد یا جوف مسجد ہی میں کیوں نہ ہوں اگر تمام مسجدیت سے قبل بنائے گئے۔ تو مسجد سے خارج ہیں ہاں مسجد مکمل ہوجانے کے بعد اگر ان چیزوں کو مسجد میں بنایا۔ تو یہ وقف کو بدلنا ہوا جو جائز نہیں۔ واقف نے وقف کی ضرورت کے لئے اس کی شرط لگائی ہو تو اور بات ہے۔ اور مسجد میں یہ ناممکن ہے کہ مسجد حقوق عبد سے بالکلیہ آزاد ہوتی ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف باب احکام

المسجد میں ہے۔

"اگر مسجد کے اوپر امام مسجد کے لئے کمرہ بنایا تو کوئی حرج نہیں کہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے، لیکن مسجد مکمل ہوگئی ہو تو مسجد کی چھت پر منع کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت پہلے سے ہی کمرہ بنانیکی تھی اس کی تصدیق نہ کیجائیگی"

تاتار خانیہ میں ہے۔

"جب خود واقف کا یہ حال ہے، تو دوسرے کا کیا۔ ایسی تعمیر گو مسجد کی دیوار پر ہو۔ اسکو بھی ڈھا دینا چاہئے۔

(ب) اس اطلاق میں زمین مع بنیادوں کے مسجد ہے، تو دروازے اور دیواریں سب مسجد میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ (مسجدیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے تعمیر کرتے ہیں) میں یہی مراد ہے۔

امام احمد، دارمی، ترمذی نے اسکو تخریج کیا۔ اور ترمذی نے حسن کہا۔ ابن ماجہ، ابن خزیمہ ابن حبان و حاکم نے اس کی تصحیح کی روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے۔

"کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کی حاضری اس کی عادت بن چکی ہو۔ تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مسجد تو وہی آباد کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے"

مسجد کی آبادی تو نماز پڑھنے سے ہے۔ تو وہاں کوئی مسجد کی عمارت نہ ہو۔ جیسا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد حرام کا حال تھا کہ وہ کعبہ کے گرد کی زمین تھی۔ جو طواف کے لئے خالی چھوڑی ہوئی تھی۔ اور اس دوسرے معنی پر ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "لھدمت الصوامع والبیع" (تو البتہ یہود و نصاریٰ کے صوامع اور عبادت خانے ڈھا دیئے جاتے) اور بنی ہوئی عمارت ہی ڈھائی جاتی ہے۔

(ج) اور مسجد کا ایک تیسرا اطلاق بھی ہے۔ اس اطلاق پر صحن کا حصہ بھی شامل ہوتا۔ اسی لئے تو معتکف کو اس میں جانا جائز ہے۔ اور اس کے بعد بھی وہ معتکف ہی رہتا ہے۔ بدائع اور شامی میں ہے۔

"معتکف ایسے منارہ پر چڑھ سکتا ہے۔ جس کا دروازہ مسجد سے خارج ہو، کیونکہ وہ مسجد میں شمار ہوتا ہے۔ اور وہاں پیشاب و پیخانہ منع ہے۔ تو وہ بھی مسجد کے ایک کونہ کی طرح ہوا اھ"

اسی لئے لوگ کسی مسجد کے منارہ سے ہونے والی اذان کو سن کر کہتے ہیں۔ کہ فلاں مسجد میں اذان ہوگئی۔ حالانکہ منارہ تو مسجد سے خارج بنا ہے۔ اور چونکہ یہ محاورہ عرب و عجم میں شائع ذائع ہے کہ اذان منارہ سن کر کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہوگئی۔ اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے بھی ہیں جو آپ نے فرمایا تھا۔

"جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں اذان دینا سنت ھدی ہے" (مسلم)

اور فقہاء کرام کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ۔

"مسجد میں اذان ہو چکی ہو تو جماعت میں شریک ہوئے بغیر مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے"

اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ اذان اصل مسجد میں مکروہ ہے۔ وصف مسجد میں نہیں۔ اور تبع مسجد میں بھی نہیں۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے۔ اذان مسجد بالمعنی الاول میں مکروہ ہے معنی ثانی اور ثالث میں نہیں۔ ائمہ کی نصوص سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خاص مسجد کے اندر مکروہ ہے منارہ صحن اور حدود میں نہیں۔ یہی حدیث سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بھی مفاد ہے۔

"کان الاذان علی باب المسجد اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی"

ابوالشیخ نے کتاب الاذان میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ

"میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا تھا"

دوسری حدیث میں انھیں سے ہے۔

۔ کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے کھڑا دیکھا جو کہہ رہا تھا (الحدیث)۔

مدخل کی عبارت ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ

۔ اذان منارہ پر یا سطح مسجد پر، یا اس کے دروازہ پر ہونا چاہیئے،

ان عبارتوں سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اذان چبوترے پر، منارہ پر، کنوئیں کی منڈیر پر، حوض کی گگر پر، اگرچہ یہ چیزیں مسجد کے اندر ہی ہوں جائز ہے جب کہ بانی نے اس کی بنا مسجد سے پہلے کی ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ابتداء سے ہی مسجد سے مستثنیٰ ہیں۔ تو بانی ان مطلوبہ چیزوں کو بنا سکتا ہے۔ اور لوگ اس کو اسی غرض سے استعمال کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی کوئی جگہ جو خاص مسجد میں تمام مسجدیت سے قبل ہی وضو کے لئے خاص کر دی گئی ہو۔ یہ یوں بھی ممکن ہے کہ مسجد کے صحن میں کوئی حوض تھا، کنواں تھا، مسجد میں توسیع ہوئی یا مسجد کا احاطہ کیا گیا۔ (جیسے زمزم شریف کا کنواں کہ اب تو خاص مسجد حرام شریف میں ہے۔ لیکن اس کا اس جگہ مسجد حرام سے قبل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

ہاں مسجد تمام ہونے کے بعد اصل مسجد میں نہ چبوترہ بنانا جائز ہے، نہ منارہ، نہ کنواں نہ حوض جیسا کہ ہم در مختار سے نقل کر آئے کہ

۔ تمام مسجدیت کے بعد دیوار یا چھت پر کوئی اور عمارت منع ہے؛

ہمارے علماء نے اس بات پر تنصیص کی ہے۔ کہ مسجد میں کنواں نہیں کھودا جا سکتا۔ پرانا ہو تو باقی رہ سکتا ہے۔ جیسا زمزم کا کنواں۔ خانیہ، ہندیہ وغیرہ۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جد الممتار حاشیہ در مختار و شامی میں ہے۔ اشباہ و نظائر کے باب احکام المسجد میں ہے۔

۔ مسجد میں کلی وغیرہ منع ہے۔ ہاں کوئی جگہ پہلے ہی سے ان امور کیلئے مقرر ہو تو اور بات ہے،

ایسا ہی در مختار میں ہے۔ امام شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف کے قول الاما اعد لذالك پر فرمایا۔ یہی امر غور طلب ہے کہ واقف کی طرف سے ان امور کے لئے جگہ مقرر کرنا شرط ہے یانہیں، میں نے جد الممتار میں اس پر لکھا۔ یہ شرط تو ضروری ہے ہی، یہ بھی ضروری ہے کہ واقف مسجد مکمل ہونے سے پہلے ان امور کے لئے یہ جگہیں متعین کرے۔ مسجد مکمل ہونے کے بعد نہ واقف کو اس تعین کا اختیار ہے نہ کسی اور کو کہ اس صورت میں مسجد کو گندگی کے لئے پیش کرنا ہے۔

میں نے اس کا استنباط کتاب الوقف کی اس عبارت سے کیا کہ۔ واقف بھی مسجد کے اوپر امام کے رہنے کیلئے کوئی گھر نہیں بنا سکتا، مسجد ہونے کے بعد اس میں ان امور کیلئے جگہ نکالنے میں دوسری قباحتیں بھی ہیں۔ مثلاً اس کی وجہ سے نماز کی جگہ گھر جائے گی۔ اور اس کی وجہ سے صف منقطع ہو سکتی ہے۔ جب کہ حدیث شریف میں ہے۔

جس نے صفیں ملائیں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے ملائیگا۔ اور جس نے صفیں قطع کیں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے گا۔

(احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح روایت کیا)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں (قطعہ) کا مطلب یہ تحریر فرمایا کہ صف سے غائب ہو کر۔ یا صف میں لایعنی کام کرکے یا کوئی چیز بیچ صف میں رکھ کر جو صف کے ملنے سے مانع ہو۔

علمائے کرام نے مسجد میں درخت لگانے سے منع کیا۔ کہ وہ نماز کی جگہ گھیرے گا۔ ایسا ہی خانیہ، خزانۃ المفتین میں لکھا ہے۔ اور مسجد میں نمی ہو تو اسے کم کرنے کے لئے درخت لگانا جائز ہے کہ یہ بضرورت ہے۔ اور ضرورتیں تو ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں۔ بحر الرائق میں ہے۔

مسجد کے نم فرش پر درخت لگا سکتے ہیں، کہ اس کی جڑیں تری چوس لیں، ورنہ درخت لگانا جائز نہیں "

ایسا ہی ظہیریہ و بزازیہ وغیرہ میں ہے۔ منحۃ الخالق میں بحر کے قول (والافلا) پر فرمایا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں مذکورہ بالا ضرورت سے درخت لگانا جائز ہے اور ضرورت نہ ہو تو نہ درخت لگانا جائز ہے۔ نہ اس کا باقی رکھنا۔ اور اگر مسجد وسیع ہو جیسے بیت المقدس اور اس کے کسی حصہ میں سامان رکھنا ہو تو یہ بھی منع ہے کہ اس سے مسجد کو گودام اور دوکان بنانے کی راہ کھلے گی۔ اور اس کے باقی رکھنے میں جبکہ بلا ضرورت ہو مسجد میں دوکان و مکان باقی رکھنے کی راہ استوار ہو گی۔ اور مسجد میں ایسی چیزیں تیار کرنے سے مسجد کی تعمیر کی اصلی غرض فوت ہو گی۔ اس مسئلہ میں ایک رسالہ ابن امیر الحاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا۔ جسے آپ نے اس شخص کے رد میں تحریر فرمایا تھا جس نے بیت المقدس میں اسکو روا رکھا تھا۔ اور اسی کے آخر میں بعض علماء کی تحریر تھی۔ جس میں اس مسئلہ میں علامہ کمال ابن ابی شریف شافعی نے ابن امیر الحاج کی تائید کی تھی۔

میں نے جد الممتار میں ان سب باتوں کو لکھ کر تحریر کیا۔ جو ان کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا۔ بلا توقف اس قسم کی تمام ایجادات کو (جن سے تعمیر مسجد کی اصلی غرض میں خلل واقع ہو) حرام قرار دے گا چاہے گھر ہو یا دوکان، چبوترہ ہو یا منارہ، خزانہ ہو یا گودام، کنواں ہو یا حوض، درخت ہو یا کچھ اور الخ ایسے تمام مقامات پر ہماری مراد مسجد سے قسم اول (اصل مسجد) ہے۔

امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں فرمایا کہ۔

اسی قسم سے وہ صندوق ہیں جن کو مسجد میں رکھنے کا رواج لوگوں نے قائم کر لیا ہے، یہ نماز کی جگہ کو گھیرتا ہے۔ اور اسی قسم کے وہ چبوترے ہیں جو مسجدوں میں اذان خطبہ کے لئے بعد میں بنائے گئے ہیں۔ بلکہ ان کا حکم صندوق سے زیادہ سخت ہے۔ کہ وہ بضرورت کھسک بھی سکتے ہیں۔ جبکہ چبوتروں میں یہ ناممکن ہے۔ اور اسی قسم سے یعنی مسجد کی جگہ روکنے والے اور صفیں قطع کرنے والے وہ رفیع منبر ہیں

جن سے نماز کی قابل ذکر جگہ گھر جاتی ہے۔ جو مسلمانوں کی نماز کیلئے وقف تھی (ملخصاً)
(اللہ تعالیٰ نصیحت کرنے والے اور قبول کرنے والے دونوں کو قبول فرمائے)

(۲) امام کافی کے قول میں اذان کو جو ذکراً فی المسجد (مسجد کے اندر کا ذکر) کہا ہے۔ تو اس سے مراد مسجد کی قسم ثانی ہے۔ جس میں اصل مسجد اور وصف مسجد دونوں ہی شامل ہیں۔ خطبہ اصل مسجد میں ہوتا ہے۔ اور اذان وصف مسجد میں۔ تو مسجد میں ہونا خطبہ اور اذان دونوں ہی کی صفت ہے۔ اگرچہ جگہ میں اختلاف ہو۔ اور "غایۃ البیان" اور فتح القدیر کے قول قالوا لایوذن فی المسجد (مسجد میں اذان ممنوع ہے) اس سے مراد بھی مسجد بمعنی اول ہے۔ تو دقت نظر سے یہ پتہ چلیگا کہ یہ بھی ہدایہ کے قول کی تاویل اور اس کے مقصد کی تعیین ہے اس میں انکے کلام کو ظاہر سے پھیرنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی آدمی کو حق کی توفیق دینے والا ہے۔

(۳) اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول "جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں سے اذان کے بعد بے جماعت چلا جانا منع ہے" اور فقہا کے اقوال جو ذکر کئے جا چکے۔ مسجد سے مراد معنی ثانی یا ثالث ہیں۔ ابوداؤد اور ابوبکر بن شیبہ نے عبدالرحمان ابن ابی لیلیٰ سے صحابہ کا قول نقل کیا کہ

عہد رسالت میں ایک انصاری نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں
عرض کی میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے جسم پر دوہرے رنگ کے کپڑے تھے۔
اس نے مسجد پر کھڑے ہو کر اذان دی

اس روایت میں لفظ قام علے المسجد ہے۔ اگر مسجد کے اندر کہنا ہوتا تو اذن فی المسجد کہتے۔ اس حدیث شریف کی اور زیادہ تشریح و توضیح حضرت ابوبکر بن شیبہ اور ابوالشیخ ابن ابی لیلیٰ کی دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ

" زید ابن عبداللہ انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑہ پہنے ہوئے ایک منہدم دیوار کے ٹیلے پر کھڑے دیکھا جو اذان دے رہا تھا۔"

اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبد الرحمٰن بن لیلیٰ سے روایت کی کہ، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کے لئے جمع کیا۔ حضرت عبد اللہ بن زید انصاری نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی۔ صبح کو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی ہرا جوڑہ پہنے سقف پر اذان دیرہا ہے۔

اس روایت میں سقف کا لفظ ہے۔ دوسری روایتوں میں سور، اور سطح کا لفظ گذر چکا ہے۔

(۴) خانیہ اور خلاصہ کی عبارت۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد میں ایک ایسا گھر بنا لیا جائے جس میں چٹائی وغیرہ اسباب رکھے جائیں کہ عام اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے "۔

اس عبارت میں مسجد سے مراد اس کے تیسرے معنی ہیں اور اس پر دلیل اسی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے کہ۔ اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری۔ اس لئے کہ تعارف تو یہی ہے کہ مسجد بمعنی سوم میں ایسا کمرہ بنتا ہے۔ یا مسجد بمعنی اول میں تو اس جگہ کی مسجدیت مکمل ہونے سے پہلے۔ مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اسی کا ایک ٹکڑا چٹائی اور فرش وغیرہ رکھنے کے لئے بنایا جائے۔ نہ عادت اس پر جاری۔ نہ خاموشی اس پر جائز۔

(۵) جامع الرموز میں ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ ایسا ہی نظم میں ہے۔ لیکن جلابی میں ہے کہ مسجد میں یا اس جگہ میں جو مسجد کے حکم میں ہے۔ اس میں اذان دینی چاہیے مسجد سے دور اذان نہ دینی چاہیے۔ تو نظم میں مسجد بمعنی اول میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے اور جلابی میں مسجد بمعنی ثانی مراد ہے۔ یعنی مسجد میں دینے کا مطلب حدود مسجد میں ہے۔ جیسا کہ امام اتعانی اور ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے قول ذکر فی المسجد کی تفسیر فی حدود المسجد سے کی تو جلابی کی عبارت میں لفظ اوما فی حکم المسجد سے اسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ کہ فناء مسجد

مسجد کے حکم میں ہے۔

ہندیہ میں بھی ایسا ہی امام سرخسی سے روایت ہے کہ

صحن مسجد کے حکم میں ہے ۔ اور اسی کے مثل بہت ساری کتابوں میں ہے۔ جس کی تفصیل ہم نے "جد الممتار" میں لکھی ہے۔ تو حقیقت میں امام جلابی کا کلام "نظم" کی تردید نہیں، جیسا کہ قہستانی نے سمجھا۔

حضرت امام طحاوی نے نظم کا یہ جزیہ قہستانی سے ہی نقل کیا۔ لیکن قہستانی کے ادراک کو غیر معتبر جان کر چھوڑ دیا۔ اور اگر ایسا نہ مانا جائے تو یا تو جامع الرموز کے قہستانی صاحب ائمہ اعلام کے مقابلہ میں اکیلے ہوں گے یا امام جلابی ائمہ اکابر کے مقابلہ میں اکیلے ہونگے اور یہ تسلیم کر لیا جائے تو جلابی اور قہستانی کا یہ قول اختلاف کی منزل سے ائمہ کے خلاف ایک قول مرجوح رہ جائے گا۔ کہ ان کی حیثیت ائمہ سے اختلاف کرنے کی نہیں۔

اور یہ طے ہو چکا ہے کہ قول مرجوح کے موافق فتویٰ اور حکم جہل اور خرق اجماع ہے۔

اور سچ پوچھو تو خلاف بھی نہیں کہ ان کے قول فی المسجد کے معنی فی حدود المسجد واضح ہو گیا ہے۔

نفحہ (۱۰)

جب مخالفین کسی بات پر قادر نہ ہوئے۔ تو ان میں سے بعض نے خانیہ[عہ] اور خلاصہ میں آئے ہوئے لفظ "ینبغی" کا سہارا لیا۔ اور سمجھا کہ

عہ خانیہ کی عبارت یوں ہے۔ ینبغی ان یوذن علی المنارۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد مخالفین کے مغالطہ کا مطلب ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق دونوں سے ہے۔ یعنی مسجد کے باہر اور منارہ پر اذان دینا مناسب ہے اور مسجد میں اذان دینا مناسب نہیں۔ تو مسجد کی اذان زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہوئی۔ تو اگر اندرون مسجد ہی اذان کا رواج ہو گیا تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ پھر اتنا واویلا کیوں؟ اعلیٰحضرت کے پہلے جواب کا مطلب ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق صرف پہلے جملہ سے ہے۔ اور دوسرا جملہ (لا یوذن فی المسجد) اس سے خالی ہے۔ جس کا مطلب اندرون مسجد اذان کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ دیگر کتب فقہ میں لا یوذن یا یکرہ الاذان فی المسجد سے ظاہر ہے۔ اس کی تائید فتاویٰ عالمگیری کی عبارت سے ہوتی ہے۔ جنھوں نے یہ عبارت خلاصہ کے حوالہ سے نقل کی اور ینبغی کا لفظ چھوڑ دیا۔ عبد المنان اعظمی

معاملہ آسان ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں حالانکہ

اولاً ۔ دوسری کتابوں کی عبارتیں لفظ ینبغی سے خالی ہیں۔ اور جہاں یہ لفظ ہے جملہ "لایؤذن" پر داخل نہیں ۔ خود صاحب بحر نے خلاصہ سے یہی عبارت نقل کی ۔ اور جملہ اولیٰ میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کی طرف توجہ نہ فرمائی ۔

ثانیاً ۔ لفظ ینبغی کو مستحب کے معنی میں قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے ۔ کلام مشائخ میں یہ لفظ عام ہے ۔ جیساکہ ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے ۔ انھوں نے فرمایا کہ ایسا قرآن عظیم میں بہت وارد ہوا ہے ۔ مثلاً آیتِ قرآنی ۔

ما کان ینبغی لنا ان نتخذ من دونك اولیاء	ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا ولی بنائیں ۔

مصباح المنیر میں ہے ۔

ینبغی ان یکون کذا معناہ یجب او یندب بحسب مافیہ الطلب ۔	ینبغی کے معنیٰ وجوب اور استحباب دونوں ہی حسب طلب ہو سکتے ہیں ۔

ثالثاً ۔ اس لفظ میں استحباب کے معنی سنت کو بھی شامل ہیں ۔ اور سنت کا معاملہ ایسا آسان نہیں بلکہ لفظ ینبغی بسا اوقات صرف معنی وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے ۔ ہدایہ وکنز وغیرہ میں ہے ۔

من حلف علی معصیۃ ینبغی ان یحنث	جس نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اسے قسم توڑ دینا چاہیے ۔

یہاں قسم توڑنا واجب ہے ۔ صاحب ہدایہ اور بہت سارے ائمہ کا قول ہے ۔

ینبغی للمسلمین ان لایغدروا ولا یغلوا ولا یمثلوا ۔	مسلمانوں کو چاہیے کہ بے وفائی نہ کریں بال غنیمت سے نہ چرائیں ۔ اور مثلہ نہ کریں ۔

یہاں ترک غدر وغلول ومثلہ فرض ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔

ینبغی للمسلمین ای یحرم علیھم ان یغدروا او یغلوا او یمثلوا۔	مسلمانوں کو چاہئے یعنی ان پر حرام ہے کہ غدر مال غنیمت کی چوری۔ اور مثلہ کریں۔

اسی طرح امام قدوری، اور صاحب ہدایہ وغیرہ کا قول ہے۔

ینبغی للناس ان یلتمسوا الھلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان	لوگوں کو چاہئے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کریں۔

محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

ای یجب علیھم وھو واجب علی الکفایۃ	یعنی ینبغی کے معنی ہیں کہ ان پر چاند کی تلاش واجب ہے اور تلاش واجب علی الکفایہ ہے۔

اور جوہرنیرہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ یعنی قدوری میں لفظ ینبغی بمعنی یجب ہے۔ قنیہ میں ہے

فی استحسان القاضی صدر الشھید ینبغی للاخ من الرضاعۃ ان لا یخلوا باختہ من الرضاعۃ لان الغالب ھنالک الوقوع فی الجماع۔	قاضی صدر الشہید کے استحسان میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کیساتھ تنہائی میں نہیں رہنا چاہئے۔ کہ ایسی حالت میں حرامکاری میں مبتلا ہونا غالب ہے۔

علامہ بیری فرماتے ہیں کہ یہاں بھی لفظ ینبغی کا مطلب وجوب ہے (شامی) المختصر اس بات کی بے شمار مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں کہ کلام مشائخ میں ینبغی بول کر واجب مراد لیا جاتا ہے۔

رابعگا۔ پھر خانیہ اور خلاصہ کے کلام کا ظاہر مطلب عدم وجوب ہو۔ تو اسی کلام کا ایک اور ظاہر بھی ہے۔ جو اس کے معارض ہے۔ کہ " نہی بصیغہ اخبار کلام مشائخ میں عموماً وجوب فعل یا وجوب ترک کیلئے ہوتی ہے۔ امام ابن امیر الحاج نے "باب صفۃ الصّلاۃ" مسئلہ قرأت میں فرمایا۔

مسئلة القرأة فی الاخریین ظاهر قول المصنف ۔ لایزید علیهما شیئاً، یشیر الی عدم اباحة علیهما ۔

مسئلہ قرأت رکعتین اخیرین مصنف کے قول لایزید علیهما شیئا کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس سے زائد قرأت مباح نہیں ۔

اور غنیہ کے باب العید میں ہے ۔

الایریٰ الی قوله لایترك واحدًا منهما فانه اخبر لعدم الترك والاخبار فی عبارات الائمة والمشایخ یفید الوجوب ۔

مصنف کے قول "لایترك واحدا منهما" کو دیکھنا کہ یہ عدم ترک کی خبر ہے ۔ اور ائمہ ومشائخ کی عبارت میں اخبار وجوب کا فائدہ دیتا ہے ۔

بحرالرائق کے باب الامامت میں ہے ۔

قوله فان فعلن تقف الامام وسطهن افاد بالتعبیر بقوله تقف انه واجب فلو تقدمت اثمت کما صرح به فتح القدیر ۔

مصنف کے قول "اگر عورتیں جماعت قائم کریں تو امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو" مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے جس پر لفظ تقف دلالت کرتا ہے ۔ تو امام آگے بڑھ کر کھڑی ہو تو گنہگار ہوگی اس کی تصریح فتح القدیر میں ہے ۔

حاشیہ خیر رملی اور منح الخالق میں باب الاذان سے تھوڑے پہلے اسبیجابی کے قول

"اذجئ بالجنازة بعد الغروب بدؤا بالمغرب ثم بها ثم بسنة المغرب"

جنازہ غروب آفتاب کے بعد لایا گیا تو پہلے مغرب کی فرض پڑھیں پھر جنازہ پڑھیں پھر سنتیں ادا کریں ۔

پر تشریح ہے ۔

الظاهر ان ذالك علی سبیل الوجوب

ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بر سبیل وجوب ہے کیونکہ

لتعليلهم بان المغرب فرض عين والجنازة فرض كفاية ولان الغالب فى كلامهم فى مثله ارادة الوجوب۔

علت یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب فرض عین ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اور یوں بھی کہ عام طور پر فقہا کے کلام میں ایسی عبارت سے وجوب ہی مراد ہوتا ہے۔

علامہ سید طحطاوی در مختار کے حواشی میں فرماتے ہیں۔

وفيها (اى فى النهاية) لا يفعل (اى الدهن) لتطويل اللحية اذا كانت بقدر المسنون وهو يقتضى ان الدهن لهذه القصد يكره تحريما لانه يفضى الى المكروه تحريما۔ ولو كان مكروهًا تنزيهيا لما عبر بقوله لا يفعل۔

نہایہ میں ہے کہ ڈاڑھی جب بقدر سنت لمبی ہو تو زیادہ بڑھانے کے لئے تیل نہیں لگانا چاہئے نہایہ کے اس قول کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس نیت سے تیل لگانا مکروہ تحریمی ہے کہ یہ ایک مکروہ تحریمی کا ذریعہ بنے گا۔ اور اگر یہ فعل مکروہ تنزیہی ہوتا تو اسکو لفظ لا یفعل سے منع نہ کرتے

اور ہمارا یہ ظاہر اسبیجابی، مجتبیٰ، بنایہ، اتقان اور فتح القدیر کی عبارتوں کے معارض بھی نہیں (کہ یہ بے اعتبار ٹھہرے)

خامسًا۔ یہاں ایک اور ظاہر غیر معارض بھی ہے کہ نظم، حاشیہ مراقی الفلاح، غایۃ البیان، اور فتح القدیر میں ہے کہ لفظ کراہت مطلقًا بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوگی۔ ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اور بات ہے۔

امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقہ ندیہ باب آفات الید ین، میں رقمطراز ہیں۔

الكراهة عند الشافعيه اذا اطلقت تنصرف الى التنزيهية لا التحريمية

لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو شوافع کے نزدیک کراہت تنزیہیہ پر محمول ہوگا اور

بخلاف مذھبنا۔ ہمارے مذہب (احناف) میں تحریمی پر۔

سَادسًا۔ مسجد میں اذان دینے میں بارگاہ الٰہی کی بے ادبی ہے۔ جیساکہ ہم انشاءاللہ تیسرے شمارہ میں بیان کریں گے۔ تو اس سے پرہیز ضروری ہوا۔

سابعًا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ کبھی کبھی بیان جواز کے لئے افضل کو کبھی ترک کر دیتے تھے۔ جبکہ زمانہ رسالت میں کبھی بھی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ثابت نہیں۔ تو یہ سب باتیں مل جل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے۔ اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو تو کم ازکم اتنا تو ہے کہ یہ مسئلہ کراہت تحریم و کراہت تنزیہہ میں دائر ہے۔ تو ایک امر مشکوک کو چھوڑ دینا دانشمندی ہے۔ اور کم ازکم اتنا تو ہے جس کے مانے بغیر چارہ نہیں۔ کہ مسجد میں اذان مطلقًا مکروہ ہے اور اہل عقل کے لئے ممانعت کا اتنا حکم ہی کافی ہے۔

شمامة ثالثة من مسك القرآن الكريم
قرآن کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ

ہم نے اس شمامہ کو یہاں تک اس لئے مؤخر کیا کہ اس کا اختتام مشک قرآن سے ہوتا کہ اس میں رغبت کرنے والوں کی رغبت میں اور اضافہ ہو۔

نفحہ (۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون۔ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم۔

اے ایمان والو! نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز لیسے بلند نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے آواز بلند کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کیلئے آزمالیا ہے ان کیلئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دربار مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب کی طرف رہنمائی کی کہ اس

بارگاہ میں بلند آوازی جائز نہیں۔ اور ایسی شدید وعید فرمائی کہ اس میں (معاذ اللہ) عمل ضائع ہوجانے کا خطرہ ہے۔ اور وہاں پست آوازی پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

اور شبہ نہیں کہ یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت و اجلال کیلئے ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو دربار الٰہی جل جلالہ کا ادب و احترام تو اس سے بدرجہا اعلیٰ و اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کس نے نہ سنا؟

وخشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا ھمسا۔ — قیامت کے دن دربار الٰہی میں ساری آوازیں سہمی ہونگی۔ اور سرگوشی کے علاوہ کچھ بھی سن نہ سکوگے۔

مسجد اللہ تبارک و تعالیٰ کا دربار عالی ہے۔ واللہ العظیم اگر آدمی مسجد کی حاضری کے وقت قیامت میں رب العالمین کے حضور اپنا کھڑا ہونا یاد کرے۔ اور مقام کی عظمت یاد کرکے سوچے کہ کہاں اور کس واسطے کھڑا ہے۔ تو اجازت یافتہ انسانوں کے علاوہ (یعنی قاری اور خطیب) کسی کی آواز نہ نکلے۔

پس اصل حکم یہی ہوا کہ مسجد میں اجازت یافتہ لوگوں کے سوا کسی کی سرگوشی کے علاوہ کچھ نہ سنا جا سکے۔ اسی لئے احادیث کریمہ میں مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت آئی۔ ابن ماجہ نے واثلہ ابن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(۱) قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم۔ — حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور خرید وفروخت اور لڑائی جھگڑا اور بلند آوازی سے محفوظ رکھو۔

ابن عدی، اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی و ابن عساکر نے مکحول سے انھوں نے

واثلہ سے اور ابوالدرداء نے ابو امامہ رضی اللہ عنہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی۔

(۲) جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وسل سیوفکم واقامۃ حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم۔

اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں، اور بے نیام تلواروں، خرید و فروخت، حدیں قائم کرنے اور جھگڑے سے محفوظ رکھو۔

عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں محمد ابن اسلم، عبد ربہ ابن عبداللہ، مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روایت کی۔

(۳) جنبوا مساجدکم مجانینکم و صبیانکم ورفع اصواتکم وسل سیوفکم وبیعکم وشرائکم واقامۃ حدودکم وخصوماتکم۔

اپنی مسجدوں کو اپنے پاگلوں، بچوں اور آواز بلند کرنے۔ تلواریں بے نیام کرنے، بیع وشرا اور حدود قائم کرنے اور جھگڑوں سے محفوظ رکھو۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عبیداللہ ابن ابی حفص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سند پہونچائی۔ کہ

(۴) قال من اجاب داعی اللہ واحسن عمارۃ مساجد اللہ کانت تحفتہ بذالک من الجنۃ قیل یا رسول اللہ ما احسن عمارۃ مساجد اللہ قال لا یرفع فیہا صوت ولا یتکلم برفث

آپ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی پکار کا جواب دیا۔ اور مسجد کو اچھی طرح آباد کیا۔ تو بدلہ میں اسکو جنت کا تحفہ ملیگا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کو اچھی طرح آباد کرنا کس طرح ہوتا ہے۔ فرمایا اسمیں آواز بلند نہ کرو۔ اور بیہودہ گوئی میں مبتلا نہ ہو۔

امام مالک اور امام بیہقی رحمہما اللہ سالم ابن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) ان عمر بن الخطاب رضی اللہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

تعالیٰ عنہ بنی الی جانب المسجد رحبۃ فسماھا البطیحاء فکان یقول من اراد ان یلفظ او ینشد شعرا او یرفع صوتا فیخرج الی ھٰذہ الرحبۃ۔	مسجد کے پہلو میں ایک کشادہ جگہ نکال دی تھی۔ جسے بطیحاء کہا جاتا۔ تو آپ فرماتے جسے بات کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو، یا آواز بلند کرنی ہو تو اس احاطہ میں جائے۔

امام ابن مبارک و ابراہیم بن سعد نے اپنے نسخہ میں سعید ابن ابراہیم عن ابیہ روایت کی۔

(۶) قال سمع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوت رجل فی المسجد فقال اتدری این انت اتدری این انت کرہ الصوت۔	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کی آواز مسجد میں سنی تو فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے؟ تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے۔ آپ نے آواز کو ناپسند کیا۔

اس حدیث کو ائمہ نے قبول کیا۔ اور فقہا نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا بھی مکروہ ہے۔ ہاں اہل فقہ کی دینی بات چیت کا استثناء ہے۔ ایسا ہی درمختار وغیرہ کتب فقہ میں مرقوم ہے۔

تو جب ذکر الٰہی کا یہ حال ہے۔ تو اذان جو خالص ذکر بھی نہیں۔ کیونکہ اس میں حیعلتین تو نماز کا بلاوا ہے۔ امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا۔

فان قلت الاذان ذکر فکیف تقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشیء غیرہ قلت ھو لیس بذکر خالص علی مالا یخفیٰ انما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر۔	اگر یہ شبہ ہو کہ اذان تو ذکر ہے اسکو ذکر کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مغایرت ہوتی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اذان ذکر خالص نہیں۔ ہاں اس کے بیشتر الفاظ ضرور ذکر ہیں۔ اسی کا لحاظ کر کے اسکو ذکر کہا جاتا ہے۔

کنز کے قول . کلمہ شہادت کے وقت قبلہ کا استقبال اور صلاۃ و فلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں ، کی تشریح میں بحر الرائق نے محیط سے نقل کیا ۔

لانہ حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالیٰ والشہادۃ لہٗ بالوحدانیۃ ولنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالرسالۃ فالاحسن ان یکون مستقبلاً فاما الصلوٰۃ والفلاح دعاء الی الصلوٰۃ واحسن احوال الداعی بان یقبل علی المدعوین ۔

اذان میں کلمہ شہادتین حالت ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ہے اور اس وقت استقبال قبلہ ہی مناسب ہے . اور صلاۃ و فلاح میں نماز کی طرف بلانا ہے ۔ تو اس وقت یہی اچھا ہے کہ بلانے والا بلائے ہوؤں کی طرف متوجہ ہو ۔

پس جب صورت حال یہ ہے ۔ اور شریعت مقدسہ میں مسجد کے اندر اذان دینے کا ثبوت نہیں ۔ تو اذان مسجد ممنوع ہو گی ۔ ہمارا یہی کہنا ہے ۔

نفحہ (۲)

اللہ تبارک و تعالیٰ ایک قوم کی حالت بیان کرتا ہے ۔

فاذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ۔

ایک گروہ آدمیوں سے خدا سے ڈرنے کیطرح ڈرتا ہے ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین

حالانکہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ سے ہی سب سے زیادہ ڈرنا چاہیئے ۔

اور جو آدمی بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیتا ہے ۔ خوب جانتا ہے کہ جب کوئی شخص دربار کے باہر رہتا ہے ۔ اور بادشاہ اس کو بلانے کا حکم دیتا ہے ۔ تو دربان دربار

کے اندر سے ہی اُسے پکارنے نہیں لگتے۔ بلکہ باہر نکل کر آواز دیتے ہیں۔ اگر یہ دربان بادشاہ کے سر پر ہی کھڑے ہو کر چلانے لگیں تو بے ادبی کے مرتکب ہوں گے۔ بادشاہ کے غضب کے مستحق اور سزا کے مستوجب ہوں گے۔

اور جو بادشاہوں کے دربار میں نہ جا سکا ہو تو وہ ہمارے علاقہ کے ججوں کی کچہری میں حاضر ہو۔ جج مسلمان ہوں یا غیر مسلم وہ دیکھے گا کہ جج جب گواہوں یا مدعی مدعا علیہ کو حاضر کرنے کا حکم دیتے ہیں تو چپراسی انھیں کچہری کے کمرہ کے اندر سے نہیں بلاتے بلکہ دروازہ کے باہر آ کر پکارتے ہیں۔ یہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے۔

اور جو اس کے بے ادبی ہونے میں شبہ کرے وہ خود ہی اس کا تجربہ کرے۔ کہ جج کے سامنے کھڑے ہو کر فلاں حاضر ہو، فلاں حاضر ہو پکارنے لگے۔ تو ہمارا ایمان اس کے لئے مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے گا۔ تو اس کا سبب کچہری کا ادب اور حکام کا خوف ہی ہے۔

پس اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے تو اس سے زیادہ ڈرنا چاہیئے۔

اور اس قسم کے امور تعظیم و اظہار ادب میں جہاں کوئی شرعی حکم منصوص نہ ہو۔ معاملہ مشاہدہ پر ہی موقوف ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ کا حال ہم بیان کر چکے۔ تو اسی کی طرف پلٹنا چاہیئے اور غائب مصلیوں کو مصلیٰ کے اندر کھڑے ہو کر پکارنے کو بارگاہ الوہیت میں بے ادبی ہی تصور کرنا چاہیئے۔

ہم نے جو مسئلہ کو مشاہدہ پر محمول کرنے کی بات کہی، وہ عقل سلیم کے نزدیک مسلم ہے۔ اور تتبع اور تلاش سے بزرگوں کے کلام میں اس کی بہت ساری نظیریں مل سکتی ہیں۔

چنانچہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

الثابت هو وضع اليمنى على اليسرى	حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے (کہ قیام
وكونه تحت السرة او الصدر كما قال	کی حالت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جائے

الشافعي. لم يثبت فيه حديث يوجب العمل فيحال على المعهود وضعها حال قصد التعظيم۔ في القيام والمعهود في الشاهد منه تحت السرة۔

یہ امر کہ وہ ناف کے نیچے ہو یا سینہ کے نیچے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اس باب میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس پر عمل واجب ہو۔ تو اس معاملہ کو مشاہدہ پر محمول کرنا چاہئے۔ کہ حالت تعظیم میں جہاں ہاتھ باندھنا معلوم ومشہور ہو وہی اختیار کیا جائے۔ اور یہ زیر ناف ہے۔

انھیں نظیروں میں سے حضرت محقق کا یہ قول بھی ہے۔ جس کی ان کے شاگرد ابن امیر الحاج نے تحسین بھی کی ہے۔

لا ارى تحرير النغم في الدعاء كما يفعله القراء في هذا الزمان ويصدر ممن فهم معنى الدعاء والسوال وما ذالك الا نوع لعب فانه لو قدر في الشاهد سائل حاجته من ملك ادى سواله بتحرير النغم فيه من الرفع والخفض والتغريب والرجوع كالتغني نسب الى التهمة الى قصد السخرية واللعب اذ مقام طلب الحاجة التضرع لا التغني۔

دعا میں گلے بازی (گانا) کو میں جائز نہیں تصور کرتا جیسا کہ آجکل کے قاری کرتے ہیں۔ اور یہ فعل ایسے لوگوں سے بھی صادر ہوتا ہے جو سوال اور دعا کے معنی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور مذاق ہے۔ اگر مشاہدے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کوئی سائل جو بادشاہ سے اپنی حاجت کی درخواست کر رہا ہو۔ اپنے سوال کو گویوں کی طرح گا کر آواز کی بلندی اور پستی گٹکری اور آواز کی آرائش کیساتھ مانگے۔ تو ایسے سائل کو کھیل اور مذاق کی تہمت دیجائیگی۔ کہ مقام الحاح زاری کا ہے نہ گانے کا۔

حلیہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

قد اجاد رحمه الله فيما اوضح وافاد۔

حضرت محقق نے بہت عمدہ توضیح و افادہ فرمایا۔

اس قسم کی بہت سی نظیریں فتح القدیر، حلیہ، غنیہ وغیرہ میں ہیں۔ بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس طرف رہنمائی ہے۔ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

استحیِ من اللہ استحیائك من رجلین من صالحی عشیرتك رواہ ابن عدی عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔	تم اللہ تعالیٰ سے ایسا ہی شرم کرو جیسا اپنے خاندان کے دو نیک مردوں سے شرم کرتے ہو۔ اس حدیث کو ابن عدی نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے حضور سے روایت کی۔

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

ان اللہ احق ان یستحیی منہ من الناس	اللہ تعالیٰ کو اس کا زیادہ حق ہے کہ آدمی اس سے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ شرم کرے۔

اس حدیث کو احمد و ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور نسائی ابن ماجہ اور حاکم نے معاویہ ابن حیدۃ سے روایت کیا۔ اور یہ حدیث۔

اذا صلی للہ فلیلبس ثوبیہ فان اللہ احق من تزین لہ۔	نماز پڑھو تو پورے لباس میں کہ اللہ کیلئے زینت وآرائش کا سب سے زیادہ حق ہے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں اور امام بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہم سے حضور سے روایت کیا اور اس کی وضاحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہوئی کہ۔

انھوں نے اپنے غلام نافع کو دونوں کپڑے پہنائے (یعنی مکمل جوڑا دیا) پھر انھیں مسجد کے اندر ایک ہی چادر میں لپٹا ہوا دیکھا۔ تو فرمایا کیا تمہارے پاس پہننے کیلئے پورا جوڑہ نہیں ہے۔ اگر میں تم کو گھر سے باہر کسی کام کے لئے بھیجتا تو مکمل جوڑا پہن کر جاتے یا ایک چادر لپیٹ کر حضرت نافع نے جواب دیا ضرور پورا لباس پہنتا۔ اس پر ابن عمر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اس کیلئے زینت کیجائے۔ حضرت نافع کو اقرار کرنا

پڑا کہ اللہ تعالیٰ۔

امام عبدالرزاق نے اس کو حضرت نافع سے روایت کیا۔

نفحہ (۳)

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایھاالذین آمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا ذالکم خیرلکم لعلکم تذکرون فان لم تجدوا فیھا احدًا فلاتدخلوھا حتی یوذن لکم۔

اے ایمان والو! دوسروں کے گھر میں بے انس پیدا کئے اور گھر والوں کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ تو جبتک اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرے انسانوں کے گھر میں بے اذن و انس داخلہ ممنوع فرمایا۔ اور مسجدیں بلاشبہ اللہ رب العزت جل وعلا کے گھر ہیں۔ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا۔

ان بیوت اللہ فی الارض المساجد وان حقًا علی اللہ تعالیٰ ان یکرم من زارفیہ۔

روئے زمین پر مسجدیں اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لیا کہ اس میں زیارت کو آنے والوں کی تکریم فرمائے گا۔

ابوبکر ابن شیبہ نے اسکو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا قول بتا کر نقل کیا۔ اور امام طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں ابوقرصافہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول نقل کیا۔

ابنوا المساجد واخرجوا القمامۃ منھا فمن بنی للہ بیتًا بنی اللہ لہ بیتًا فی الجنۃ۔

مسجدیں بناؤ اور ان سے کوڑے صاف کرو تو جو خدا کے لئے گھر بنائے، اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے جنت میں گھر بنا دیا۔

اور بے اجازت داخل ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اجازت کسی اور کام کی ہے۔ اور داخل ہونے والا کسی اور کام کی غرض سے داخل ہوا۔ اسی نکتہ کی طرف حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا۔

من سمع رجلاً ینشد ضالته فی المسجد فلیقل لا ردها الله علیك فان المساجد لم تبن لهٰذا۔	جس نے کسی آدمی کو سنا کہ مسجد میں اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر رہا ہے۔ تو دعا کرے کہ خدا کرے تو اسے نہ پائے کہ مسجدیں اس کام کیلئے نہیں بنائی گئیں۔

امام احمد، امام مسلم، امام ابوداؤد، ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کیا۔

مذکورہ بالا سبھی محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے اس حدیث کو حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا۔

لاوجدته لاوجدته لاوجدته انما بنیت المساجد لما بنیت له۔	تو اسے نہ پائے، تو اسے نہ پائے، تو اسے نہ پائے مسجدیں اس کام کیلئے نہیں بنائی گئیں۔ وہ تو جس کیلئے بنائی گئی ہیں بنائی گئی ہیں۔

عبدالرزاق نے ابی بکر ابن محمد سے روایت کی۔

انه سمع رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم رجلاً ینشد الضالة فی المسجد فقال ایها الناشد غیرك الواجد لیس لهٰذا بنیت المساجد۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں کھوئی ہوئی چیز تلاش کرتے سنا تو فرمایا اے تلاش کرنے والے۔ پانے والا تیرے علاوہ ہو۔ مسجدیں اس کام کیلئے نہیں ہیں۔

اس موضوع پر حدیثیں بہت ہیں۔ اور یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ تلاوت

کے لئے مصحف شریف کو ڈھونڈھے۔ یا کسی کی امانت جو اس کے پاس تھی کھو جانے پر مسجد میں تلاش کرلے حالانکہ ایسی چیز کا تلاش کرنا واجب ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا۔	اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانت واپس کرو۔

تلاش پانے کا مقدمہ ہے۔ اور پانا دینے کا ذریعہ۔ اور جو واجب کا ذریعہ ہو وہ خود واجب ہے۔ فقہاء نے اس عموم میں ہر گمشدہ چیز کی تلاش کو داخل کیا۔ اور کسی خاص گمشدہ کا استثناء نہیں کیا۔ اس کا رمز یہ ہے کہ واجب کی ادائیگی ہر چند کی عمل آخرت ہے۔ پر سبھی عمل آخرت کے لئے مسجد نہیں بنائی گئی۔ حضرات امام احمد و مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

انما ھذہ المساجد لا تصلح لشیٔ من القذر والبول والخلاء انما ھی لقرأۃ القرآن وذکر اللہ والصلاۃ	یہ مسجدیں گندگی پیشاب و پیخانہ کے لئے نہیں یہ تو صرف تلاوت قرآن، ذکر الٰہی اور نماز کیلئے ہیں۔

بخاری و ابن ماجہ حضرت ابو ہریرہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

انما بنی لذکر اللہ والصلاۃ	یہ تو نماز اور ذکر الٰہی کیلئے ہی بنائی گئی ہیں۔

امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت ابو ضمرہ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف ذکر کا ہی ذکر کیا۔

مسند الفردوس میں بروایت ابو ہریرہ مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل کلام فی المسجد لغو الا	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد کے اندر تلاوت کلام اللہ ذکر الٰہی اور بھلائی

القرآن و ذکر اللہ و مسالۃ عن   سے سوال اور اس کو دینے کے علاوہ
خیر و اعطاؤ کا ۔   هر بات لغو ہے ۔

یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ اذان خالص ذکر الٰہی نہیں ۔ اگر مسجد اس کیلئے بنی ہوتی تو شرع شریف مسجد کے اندر اذان کا حکم فرماتی ۔ اور اس پر عمل درآمد ایک بار ہی سہی مروی ضرور ہوتا ۔ بھلا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جس کام کے لئے مسجد کی تعمیر ہوئی وہی مسجد میں کبھی نہ ہوا ۔ نہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں نہ خلفائے راشدین کے عہد میں ۔ تو یہی کہا جائے گا کہ مسجد اس کیلئے بنائی ہی نہیں گئی ۔

اور ایسا ہوتا بھی کیسے یہ تو دربار الٰہی کی حاضری کا اعلان ہے ۔ اور دربار اعلان کیلئے نہیں ہوتا اعلان تو دربار کے باہر ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے ۔

اس ضعیف بندے پر کلام مجید ، حدیث مقدس اور فقہ مبارک سے یہی ظاہر ہوا ۔ باتیں سب کی سب ظاہر ہیں ۔ اگرچہ اخیر میں ہم نے شواہد اور متابعات سے کام لیا ۔ لیکن یہ سب بھی اہل انصاف کے نزدیک قطع مکابرہ اور دفع زیادتی کیلئے کافی ہے ۔

میں اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت ، رحمت کاملہ ، اور نعمت متکاثرہ اور عیش صافیہ کا طالب ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی حمد ہے ۔ اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے آل و اصحاب اور ان کے گروہ سب پر درود و سلام ہو ۔

اختلاف کو خاکستر کر دینے والے عود و عنبر کا
چوتھا شمامہ

حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہی خاص ہے۔ اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام و رحمت ہو۔

حق و ہدایت والے ہمارے بزرگوں اور بھائیوں کو معلوم ہو (اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے) کہ معاندو ہابیہ، اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ابھرتے طلبہ، سب کو اس امر نے تھکا دیا کہ ایک صحیح حدیث یا فقہ کی کوئی نص صریح پیش کریں۔ جو اذان کے مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونے کا افادہ کرے (جیسا کہ آجکل رواج پڑ گیا ہے) مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ باطل کو سربلندی عطا نہیں کرتا۔ پس وہ تنکوں کا سہارا پکڑنے لگے۔ ان میں پانچ باتوں میں تو سب متفق ہیں لیکن کچھ لوگوں نے انفرادی بحیثیں بھی کی ہیں۔

یہ بندہ ضعیف پہلے تو پانچوں متفقہ دلائل کا ذکر فرداً فرداً اور اس کا رد کریگا۔ پھر انفرادی لچر اور پوچ دلائل کی بھی خبر گیری کرے گا۔ پہلی پانچ باتیں یہ ہیں۔

(۱) اذان جمعہ کے لئے تمام فقہا نے بین یدیہ (خطیب کے سامنے) کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا چاہیے۔

② اس مسئلہ کو بیان کرتے ہو کہ جس اذان کو سن کر جمعہ کے لئے مسجد کی طرف جانا واجب ہو جاتا ہے ۔ وہ اذان اول ہے یا اذان ثانی ۔ بعض فقہاء نے یوں تعبیر کی یہ وہی اذان ہے جو عند المنبر (منبر کے پاس) ہوتی ہے ۔

③ اور بعض فقہاء نے علی المنبر (منبر کے اوپر) فرمایا جو پاس سے بھی زائد قریب پر دلالت کرتا ہے ۔

④ معاندین کا یہ گمان فاسد ہے کہ اس اذان کا مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا متوارث ہے (یعنی خلفا عن سلف ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے) توارث کے بیان میں جس نے احتیاط سے کام لیا تو اتنا کہہ کر رہ گیا کہ قدیم سے ایسا ہوتا آیا ہے ۔ اور جو جرأت بے جا کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے ۔

⑤ ان سب کا کہنا ہے کہ تمام ممالک میں اسی پر عملدرآمد ہے ۔ اور تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے ۔

اب میں ان پانچ متفقہ باتوں کا تفصیلی رد ۔ اور بعد میں متفرقات سے بھی تعرض کروں گا اللہ تعالیٰ سے ہی میری توفیق ہے ۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے ، اور اسی کیطرف میرا رجوع ہے ۔

نفحہ (۱)

ہم احادیث و فقہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے ۔ لیکن سامنے کے لفظ میں مخالفین کی آنکھ ٹھنڈی کرنے والی کوئی بات نہیں ۔ بلکہ اس کا مفاد صرف اتنا ہے کہ منبر کے سامنے خطیب کے چہرے کے مقابل ہو ۔ بیچ میں کوئی حائل نہ ہو جو روئے خطیب کا آڑ بنے ۔ یہ بات مسجد کے اندر اور باہر دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے ۔ اس حد تک کہ مشاہدہ اور مقابلہ باقی رہے ۔ اصل لفظ بین یدیہ (سامنے) کا مفاد اس کے سوا نہیں ۔

البتہ فقہ نے ہم کو بتایا کہ اذان مسجد کے اندر نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ مسجد سے اتنی دور ہونا چاہیئے کہ مسجد میں نہ شمار کی جائے۔ بلکہ مسجد کے حدود اور اس کی فنا میں ہو۔ احادیث مبارکہ نے بھی اسی کی طرف رہنمائی کی ہے۔ جس سے اس مقام کی تعیین ہوتی ہے۔

اب میں اس لفظ کی تحقیق کرتا ہوں۔ لفظ "بین یدیہ" دو حرفوں سے مرکب ہے۔ ان اجزائے ترکیب کے اعتبار سے اس لفظ کے معنی حقیقی یہ ہوئے کہ "آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے" چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی۔ کیونکہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔ تو ان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں۔ اور انھیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے۔ تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضا اور دوسری صورت میں پیچھے کے جانب کی اتنی فضا "بین یدیہ" ہے۔ اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں۔

لفظ "بین یدیہ" کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہ یہاں مراد نہیں ہوسکتے اور معنی مرکب میں بسا اوقات یہی ہوتا ہے کہ معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی۔ اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معانی اگرچہ مجازی قرار دیئے جائیں۔ لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں۔ لفظ بین یدیہ کا بھی یہی حال ہے۔ کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہوگیا ہے۔ قرب کے معنی سے قطع نظر کرکے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے۔ اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہد سے کی جاتی ہے۔ کیونکہ رویت عادیہ کے لئے قرب و مقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے دیکھنے کے وقت قریب بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔

لفظ "بین یدیہ" کا اصلی مفاد یہی ہے۔ البتہ قرب چونکہ ایک امر اضافی، حد درجہ

متفاوت المعنی کلی مشکک ہے۔ اس لئے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعیین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب و بعد کے مختلف مراتب پر دلالت لفظ کے تقاضہ سے نہیں عقل کے تقاضہ سے ہے۔

پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لئے تھا۔ لیکن بعد میں ظرف زمان کے لئے بھی مستعمل ہونے لگا۔ یا تو مطلقاً زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لئے، کیونکہ ماضی حضور کے قریب ہے، اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی مقابل اور متوجہ ہے۔

قرآن عظیم اور محاورات عرب میں لفظ "بین یدیہ" ان دونوں معنی میں وارد ہوا۔ مفسرین نے اسی معنی سے اس کی تفسیر کی، میں نے تتبع اور تلاش سے قرآن پاک میں ۲۸ جگہ یہ لفظ پایا جن میں بیس مقامات میں قرب پر کوئی دلالت نہیں۔ اور ایک مقام پر معنی ترکیبی حقیقی کے لئے ہے۔ اور سترہ مقامات پر قرب کے لئے۔ مگر اس قرب میں بھی تفاوت عظیم ہے۔ کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے ہم نے ان سب آیتوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

قسم اول

(۱) سورہ بقرہ (۲) سورہ طٰہٰ (۳) سورۂ انبیاء (۴) سورۂ حج ان سورتوں میں آیات کے الفاظ یکساں ہیں یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ان کے پس و پیش کا اسے علم ہے۔

(۵) سورہ مریم شریف کی آیت له ما بین ایدینا وما خلفنا وما بین ذالك اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ ہمارے پیش و پس اور اس کے درمیان کی حکومت۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت اور اس کا علم قریب یا بعید کے ساتھ خاص نہیں۔

(۶) سورۂ بقرہ، میں فانه نزله علی قلبك مصدقا لما بین یدیه اللہ پاک نے قرآن عظیم کو آپ کے قلب پر اتارا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔

(۷) آل عمران میں نزل علیك الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو گذرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۸) سورۂ انعام میں وھذا کتاب انزلناہ مبٰرك مصدق الذی بین یدیه ہم نے اس مبارک کتاب کو اتارا جو گذرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۹) سورہ یونس میں وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ لکن تصدیق الذی بین یدیه۔ یہ قرآن غیر خدا کی طرف سے افترا نہیں ہے۔ یہ تو گذرے ہوئے کی تصدیق ہے۔

(۱۰) سورۂ یوسف میں ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیه وتفصیل کل شئ یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں۔ لیکن اپنے سے پہلے کاموں کی تصدیق اور ہر شئ کی تفصیل ہے۔

(۱۱) سورہ سبا میں وقال الذین کفروا لن نومن بھذا القرآن ولا بالذی بین یدیه کافروں نے کہا ہم نہ تو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ نہ اس پر جو گذشتہ ہے۔

(۱۲) سورہ ملٰئکہ میں والذی اوحینا الیك من الکتاب ھو الحق مصدقا لما بین یدیه۔ جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی حق ہے۔ اور گذرے ہوئے کی تصدیق ہے۔

(۱۳) سورہ حٰم السجدۃ میں وانه لکتٰب عزیز لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه یہ عزت والی کتاب کہ باطل کو اسکی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔

(۱۴) سورہ احقاف میں قالوا یا قومنا انا سمعنا کتٰبا انزل من بعد موسٰی مصدقا لما بین یدیه۔ اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے۔

(ان سب آیات میں ہے کہ قرآن عظیم گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے)

اور بلا شبہ قرآن عظیم تمام ہی گذری ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے قریب کی ہو یا بعید کی اور گذشتہ کتابوں میں کوئی بھی اس کی مخالفت[1] نہیں کرتی ۔ اور کافر کسی[2] پر بھی ایمان نہیں لاتے ۔

(۱۵) آل عمران کی یہ آیت بھی قسم اول میں ہی ہے ۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت کرتی ہے ۔ مصدقا لما بین یدی من التوراۃ کہ میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی ۔

(۱۶) سورہ مائدہ کی آیت وقفینا علیٰ اثارھم بعیسی بن مریم مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ ہم ان نبیوں کے نشان قدم پر عیسیٰ بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی ۔

(۱۷) اور سورہ صف ۔ کی آیت مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ۔ میں اپنے سے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا ۔ اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا ۔ جو میرے بعد تشریف لائیں گے انکا نام احمد ہے ۔ ان آیات میں لفظ بین یدیہ ۔ کو حضور پر حمل کیا جا سکتا تھا لیکن مفسرین نے اس کی تفسیر من قبلہ ہی کیا کہ ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے ۔

(۱۸) اور سورہ بقرہ میں ۔ فجعلنا ھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا ۔ تو ہم نے (اس بستی کا) واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کیلئے عبرت کر دیا ۔ اس کی تفسیر بھی اگلی اور پچھلی امتیں کی گئی جس کا ذکر گذشتہ امتوں میں مذکور اور بعد والی قوموں میں مشہور ہوا (بیضاوی)

(۱۹) اور حٰم سجدہ میں ۔ اذ جاءتھم الرسل من بین ایدیھم ومن خلفھم

[1] تیرہویں آیت کی طرف اشارہ ہے [2] گیارہویں آیت کی طرف اشارہ ہے ۔

اور جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ حضرت حسن بصری سے اس کی تفسیر مروی ہے۔ کہ رسول انہیں پہلی امتوں کے حادثات اور آخرت میں آنے والے عذاب سے ڈراتے۔ (نسفی) یا گذشتہ اور آئندہ قومیں کہ انہیں پہلوں کی خبر پہونچی، اور ہود اور صالح علیہ السلام نے انہیں دعوت دیتے ہوئے متاخرین کا حال بتایا۔ (بیضاوی)

(۲۰) سورہ احقاف میں اذ انذر قومه بالاحقاف وقد خلت النذر من بين يديه ومن خلفه حضرت ہود نے اپنی قوم کو مقام احقاف میں ڈرایا۔ اور اس کے پہلے سنانے والے گذر چکے تھے اور بعد میں آئے۔ یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد اپنی قوموں کی طرف کہ سوائے خدا کے کسی اور کو نہ پوجو (جلالین)

قسم ثانی

(۲۱) سورہ اعراف میں هو الذی ارسل الرياح بشراً بين يدى رحمة الله تعالیٰ نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔

(۲۲) سورہ فرقان میں هو الذی ارسل الرياح بشراً بين يدى رحمته

(۲۳) سورہ نمل میں امن يهديكم فی ظلمات البر والبحر ومن يرسل الرياح بشرا بين يدى رحمته - یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی۔ اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی۔

ان آیات میں لفظ بين يديه بارش کے قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۲۴) لأتينهم من بين ايديهم ومن خلفهم وعن ايمانهم وعن شمائلهم. ان پر آئیں گے ان کے آگے ان کے پیچھے اور دائیں اور بائیں۔

اس آیت میں شیطانوں کے وسوسہ کا بیان ہے۔ جس کے لئے ان کا ان لوگوں کے قریب ہونا ضروری ہے جنکو وسوسہ دیں گے۔ (اس سے خدا کی پناہ)

(۲۵) ۔سورۂ رعد" میں له معقبات من بین یدیه ومن خلفہ۔ اس کے نگراں اس کے آگے پیچھے ہیں۔ اس آیت میں نگرانی کا ذکر ہے۔ جو قریب سے ہوتی ہے۔

(۲۶) "سورہ سبا" میں افلم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض تو کیا انھوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے۔ آسمان وزمین۔ اس آیت میں سماء سے مراد آسمان دنیا ہے۔ جو نسبتہً ہم سے قریب ہے۔ اور ہم پر سایہ فگن ہے۔

(۲۷) اسی میں ہے ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه (الیٰ قوله تعالیٰ) یعملون له ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات۔ اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے۔ اس کے رب کے حکم سے۔ —— اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں۔ اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن، اور لنگر دار دیگیں۔ اس آیت میں بادشاہ کے حسب مرضی کام کرنے والوں کے اس کے سامنے ہونے سے مراد اس کی نگاہ میں ہونا ہے۔

(۲۸) اسی میں مابصاحبکم من جنة ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید تمہارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں، وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والے، ایک سخت عذاب کے آگے۔ اس میں لفظ بین یدی قیامت کے قرب پر دلالت کرتا ہے۔

(۲۹) ،سورہ یٰسین ،میں وجعلنا من بین ایدیھم سدًا ومن خلفھم سدًا۔ ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔ یہاں لفظ بین ایدی اتصال حقیقی کے لئے ہے تاکہ نابینائی پیدا ہو۔ (پناہ بخدا)

(۳۰) اسی میں ہے۔ واذا قیل لھم اتقوا ما بین ایدیکم وما خلفکم

جب ان سے کہا گیا کہ سامنے اور پیچھے کے عذاب سے بچو، یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے بچو (جلالین)

(۳۱)۔ حم سجدہ، میں وقیضنا لھم قرناء فزینوا لھم ما بین ایدیھم و ما خلفھم۔ اور ہم نے ان پر کچھ ساتھی تعینات کئے۔ انھوں نے انھیں مزین کر دیا جو ان کے آگے۔ اور جو ان کے پیچھے ہے ما بین ایدیھم سے مراد امور دنیا اور شہوتوں کی اتباع اور خلفھم سے مراد امور آخرت (جلالین)

(۳۲) "سورہ حجرات میں " یاایھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ اے ایمان والو اللہ و رسول پر سبقت نہ کرو۔ اس آیت میں نفی کا مفاد حکم خدا و رسول سے پہلے کسی امر کے فیصلہ کی ممانعت ہے۔ اور اس کی شناعت کو محسوس کے ساتھ ممثل کر کے دکھایا گیا۔ اگر چلنے میں غلام آقا سے آگے چلے تو برا ہے۔ اور یہ برائی قرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

(۳۳)۔ سورہ حدید" میں - یوم تری المومنین والمومنات یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم اس دن تم دیکھو گے کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور دائیں چلے گا۔ یہاں کلمہ یسعیٰ اثبات پر دلالت کرتا ہے کہ آگے اور دائیں سے مراد وہ جگہ ہے جو ان کے لئے روشن کی گئی ہے۔ تو یہاں بین یدیہ سے مراد قرب ہے۔ اور نور تو مومنوں سے متصل ہی ہوگا۔

(۳۴)۔ سورہ مجادلہ۔ میں ہے۔ یاایھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین نجوٰی کم صدقہ۔ اے ایمان والو رسول کریم سے بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے صدقہ پیش کرو۔"

(۳۵) اأشفقتم ان تقدموا بین یدی۔ نجواکم صدقات۔ بات چیت

سے قبل صدقہ پیش کرنے سے ڈر رہے ہو۔ ان دونوں آیتوں میں مراد تعظیم رسول ہے تو یہ قرب سے ہی ظاہر ہوگی۔

(۳۶) ۔سورۂ ممتحنہ" میں ہے ولا یاتین ببهتان یفترینه بین ایدیهن وارجلهن ایسا بہتان نہ ظاہر کرو جسے تم نے اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بیچ گڑھا ہو، وہ لڑکا جو دوسرے کا ہو، عورت اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے۔ اور اس کو شوہر کا حقیقی لڑکا بتائے۔ تو عورت جب بچہ جنے گی تو وہ حقیقتاً اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے بیچ میں ہوگا۔ تو یہاں بین یدیہ کے معنی حقیقی ترکیبی مراد ہیں۔

(۳۷) "سورۂ تحریم میں۔ ونورهم یسعیٰ بین ایدیهم وایمانهم۔ ان کا نور انکے آگے آگے اور دائیں چل رہا ہوگا"

(۳۸) "سورہ جن" میں عالم الغیب فلا یظهر علیٰ غیبه احداً الا من ارتضیٰ من رسول فانه یسلك من بین یدیه ومن خلفه رصداً۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ ان رسولوں کے آگے پیچھے نگراں چلتے ہیں، یعنی فرشتے جو وحی کی تبلیغ تک ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ سب آیات واضح ہیں۔

اسی سے ہے جعلناها نکالا لما بین یدیها وما خلفها۔ ہم نے (اس بستی) کا یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لئے عبرت کر دیا"۔ مشہور اور ظاہر یہی ہے کہ ما بین یدیہ اور خلفہ سے مراد وہ اُمتیں ہیں جو اس زمانہ میں تھیں اور ان کے بعد میں (جلالین) یا جو دیہات قریب تھے اور وہ جو دور تھے۔ یا ان دیہاتوں والے (بیضاوی)

ایسا ہی آیت مبارکہ اذ جاءتهم رسلهم من بین ایدیهم ومن خلفهم جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے فرشتے آئے ان کے آگے اور پیچھے" اس آیت کے معنی یہ ہیں،

فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئے اور ان کے ساتھ ہر طرح کے حیلے برتے۔

(مدارک، بیضاوی)

ائمہ تفسیر و لغت کا بیان یہ ہے۔ صحاح[۲]، قاموس[۳]، مختار الصحاح[۴]، تاج العروس وغیرہ میں بین یدی الساعۃ کے معنی قیامت سے پہلے، اور صراح[۵] میں آگے چلنے والے۔ اور تاج العروس[۶] میں ہے کہ بین یدیک ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمہارے آگے ہو، معالم التنزیل[۷] تفسیر سورۂ حجرات میں بین الیدین کے معنی آگے ہے۔ اور خازن[۸] میں بین یدیہ کے معنی جو اس کے آگے ہو۔ تفسیر ابو سعود[۹] میں سورۂ یونس علیہ السلام میں بین یدیہ کے معنی آگے، اور جلالین[۱۰] میں سورہ رعد کے لفظ بین یدیہ کے معنی آگے۔ اسی[۱۱] میں سورہ مریم کے لفظ مابین ایدینا کے معنی ہمارے آگے، اسی[۱۲] میں اور دیگر تفاسیر[۱۳] میں سورہ بقرہ اور دیگر سورتوں کے لفظ مصدقا لما بین یدیہ کے معنی اس سے پہلے کی کتابیں انموذج[۱۴] جلیل میں ۲۷ ویں آیت کے تحت ہے۔ مابین یدی الانسان ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ کرخی[۱۵] اور فتوحات الٰہیہ[۱۶] میں اسی آیت کے تحت ہے۔ انسان کے مابین یدیہ وہ چیز ہے جس پر اس کی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ تکملہ[۱۷] مجمع البحار میں ہے فعلتہ بین یدیک کا ترجمہ میں نے اسکو تیرے حضور میں کیا۔ اور عنایۃ[۱۸] القاضی میں آیۃ الکرسی کے مابین یدیہ کے معنی لکھے ہیں۔ کہ مابین یدیہ کا اطلاق امور دنیا پر ہے کہ وہ تمہارے سامنے ہیں۔ اور حاضر کی تعبیر مابین یدیہ سے کی جاتی ہے۔ اور امور آخرت تم سے پوشیدہ ہیں جیسے وہ چیز جو تمہارے پیچھے ہو۔ اور جمل[۱۹] میں اسی آیت کی تفسیر میں مابین ایدیھم کے معنی جو حاضر و شاہد ہو۔ لکھے ہیں خطیب[۲۰] شربینی۔ اور جمل[۲۱] میں، بین یدی اللہ ورسولہ کے معنی ان دونوں کے حضور کئے ہیں۔ کہ جو آدمی کے پاس ہو وہ بین یدیہ ہے۔ اور آدمی اس کو دیکھنے والا ہے۔ (پوری بات آگے آرہی ہے)

تو قرآن عظیم، احادیث کریمہ، اور قدیم و جدید ائمہ کی نصوص سے ظاہر ہو گیا۔

کہ قول فقہاء " یوذن بین یدی الخطیب " کی دلالت مسجد کے اندر ہونے پر بھی نہیں۔ چہ جائیکہ منبر کے پاس ہو۔

(۱) لفظ " بین یدیہ " افادہ قرب میں متعین نہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کی ہوئی بیس آیتوں سے ظاہر ہوا۔ اور پہلے ذکر کئے ہوئے ائمہ لغت و تفسیر کی تصریحات سے ظاہر ہوا۔ فقہاء کی غرض تو یہ بیان کرنا ہے۔ کہ اس اذان میں مسنون خطیب کا سامنا ہے۔ جیسا کہ فاتح شرح قدوری کی عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ " جب موذنین خطیب کے سامنے اذان دے لیں "۔ فقہاء کو اس عبارت سے صرف سامنا بتانا ہے۔ یہ بات کہ اذان جوف مسجد میں نہ ہو۔ نہ مسجد سے دور ہو بلکہ مسجد کے حدود و اطراف میں ہو۔ یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ جس کو باب الاذان میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس دوسرے مسئلہ سے سامنے کی دوری متعین ہوتی ہے۔

(۲) اور اگر " بین یدیہ " کے معنی قریب تسلیم بھی کر لئے جائیں۔ تو قرب ایک امر اضافی ہے۔ ہر چیز کا قرب اسی کے حساب سے ہوگا۔

(الف) دیکھو اکیسویں آیت میں " بین یدیہ " کے معنی بارش قریب ہونے کے ہیں، لیکن ایسا نہیں کہ ہوا چلی اور بارش آئی۔ بلکہ اس طرح جیسا قرآن عظیم میں ہے۔ " ہوا نے بادل کو اٹھالیا، تو ہم نے اسے خشک علاقہ کی طرف روانہ کیا۔ تو اس سے بارش ہوئی "۔

(ب) ۲۶ ویں آیت میں آسمان کو ہمارے قریب (بین یدیہ) بتایا۔ اور وہ ہم سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری پر ہے۔ حضرت ترجمان القرآن۔ علامۃ الکتاب۔ افصح العرب، اور اعلم القوم باللسان، سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت الکرسی کے۔ یعلم مابین ایدیھم " کے معنی زمین سے آسمان تک بتائے۔ اور ما خلفھم کے معنی آسمان متعین فرمائے۔ (طبرانی نے اسے کتاب السنۃ میں روایت کیا)

(ج) ۲۷ ویں آیت میں کہا گیا کہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے (بین یدیہ) چیزیں بناتے تھے۔ حالانکہ وہ شیاطین تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں داخل ہو کر وہ عظیم الشان عمارتیں، مجسمے اور میدانوں کی طرح وسیع و عریض لگن۔ بڑی بڑی دیگیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کو کافی ہوں۔ بنا ہی نہیں سکتے تھے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں تین لاکھ کرسیاں بچھائی جاتیں۔ جن پر مومن انسان بیٹھتے، ان کے پیچھے مومن جن ہوتے، تو شیطان تو ان سب کے بعد میں ہی ہوں گے۔

(اٹھائیسویں آیت میں ارشاد فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے قریب ہے۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا۔ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ مبعوث کئے گئے۔ احمد و شیخان، نے سہل بن سعد سے اور ترمذی نے حضرت انس سے اس کو روایت کیا)

اور اللہ تعالیٰ نے آج ۱۳۳۳ھ تک امت مرحومہ کو مہلت دی۔ اور اس کے بعد بھی یہ امت باقی رہے گی۔ اس کے باوجود یہ مہلت نہ تو آیت کریمہ کے منافی ہے نہ حدیث مقدس کے۔ آپ کی حدیث ہے کہ مجھے قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیا تاکہ لوگ ایک خدا کو پوجیں (احمد و ابو یعلی اور طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا)

(د) انجیل میں "بین یدی القرآن" ہے۔ اور ان دونوں کے بیچ میں چھ سو سال سے زائد کا فاصلہ ہے۔ اور توریت انجیل کے "مابین یدیہ" ہے ان دونوں کے درمیان حسب روایت جمل انیس سو پچہتر سال کا فاصلہ ہے۔ اور یونہی توراۃ قرآن کے بھی "بین یدیہ" ہے۔ تو توریت و قرآن شریف کا فاصلہ لگ بھگ تین ہزار سال کا ہوا۔

(و) یہ بات یقینی ہے کہ غروب آفتاب کے وقت پچھم طرف رخ کر کے کھڑا ہونیوالا عربی میں کہتا ہے۔ "الشمس بین یدی" اور فارسی میں کہتا ہے "آفتاب پیش روئے من است" اور ہندی میں کہتا ہے "سورج میرے منہ کے سامنے ہے" حالانکہ ان دونوں کے درمیان تین ہزار سال کی مسافت ہے۔ اور یہی بات ثریا کی طرف رخ کر کے بھی کہتا ہے۔ جب کہ اس کے اور ثریا کے درمیان آٹھ ہزار سال کی راہ ہے۔

(ز) انتیسویں آیت میں لفظ "بین یدیہ" سے مراد اتصال حقیقی ہے۔ اس لئے کہ اندھا بے اس کے متحقق نہیں ہو سکتا۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ بین یدیہ کے مدلول کی جولان گاہ اتصال حقیقی سے شروع ہو کر آٹھ ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔ تو اس کی اصل حاضر و شہود کے لئے ہے۔ اور محل و مقصود کے لحاظ سے اس حضور میں اختلاف ہو سکتا ہے مثلاً ثریا اتنی دور سے، اور سورج اتنی دور سے، اور سیارے پانچ سو برس کی راہ سے تو ان اشیاء میں یہ قریب کہا جائے گا۔ اور مزدوروں میں اتنی دور سے کہ نگرانی ہو سکے، مزدور سست نہ پڑیں اور کھسک نہ سکیں۔ اور مصلی کو حکم ہے کہ اپنی نگاہ موضع سجود پر رکھے۔ تو اس کے موضع سجود میں اتنی ہی دوری اصل ہے۔ اور مصلی کے سامنے سے گذرنا تبھی کہا جائے گا جب گذرنے والا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نگاہ کی زد میں آئے اور یہ موضع سجود ہی ہے جس کی محققین نے تصریح کی ہے۔

(ح) مقولہ "جلست بین یدیہ" میں مراد حدود بصر سے بھی کم اور محدود دائرہ ہوگا۔ کہ یہ بیٹھنا بات چیت کے لئے ہے۔ جس کا تعلق سماع سے ہے۔ اور سماع کا دائرہ بصر کے دائرہ سے بھی محدود و مختصر ہے۔ چنانچہ کشاف، مدارک، اور شربینی وغیرہ کے مصنفین نے اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

حقیقۃ قولھم جلست بین یدی　　قول جلست بین یدی فلان کی حقیقت یہ ہے

فلان ان تجلس بین جهتین المسامتین
لیمینہ و شمالہ قریبا منہ فسمیت
الجهتان یدین لکونهما علی سمت
الیدین مع القرب منهما توسعًا
کما یسمی الشئ باسم غیرہ اذجاورہ۔

کہ دائیں بائیں کی دو مقابل جہتوں کے بیچ میں
فلاں کے قریب بیٹھا جائے۔ ان دونوں جہتوں کو
دو ہاتھ سے تعبیر کیا کہ یہ جہتیں انھیں دونوں ہاتھوں
پر ان سے قریب ہیں۔ اور یہ مجازاً ہے جیساکہ
دو پاس والی چیزوں میں ایک کا نام دوسرے
کو دیدیا جاتا ہے۔

(خطیب شربینی کی یہی عبارت ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا)

تنبیہ اس عبارت میں اس معنی کو شروع میں حقیقی کہا۔ اور بعد میں مجازی قرار دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے تفصیلی کے معنی کے لحاظ سے تو یہ مجاز ہے۔ اور اجمال کے لحاظ سے معنی حقیقی۔

(ط) ایک شخص قرآن کریم پڑھنا چاہتا ہے۔ مگر خود بے وضو ہے۔ تو وہ اپنے خادم سے کہتا ہے میرے سامنے قرآن عظیم لے کر بیٹھ جاؤ۔ تو یہاں قریب سے ایسا قرب مراد ہوگا کہ پڑھنا ممکن ہو۔ اور یہ قرب تیز نگاہی، اور ضعف بصارت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ اور تحریر کے جلی اور خفی ہونے کے لحاظ سے بھی متعدد ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قریب کے یہ مختلف معانی موارد اور مقامات کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان معانی پر دلالت کرنے میں خود لفظ "بین یدیہ" کو کوئی دخل نہیں اور جب صورت حال یہ ہے۔ تو لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے جس سے اذان کا منبر کے متصل یا مسجد کے اندر ہونا سمجھا جائے۔ نہ کہ یہ حکم دیا جائے کہ اذان منبر سے لگ کر دی جائے اور چونکہ اس قرب کے مدعی وہ لوگ ہیں۔ اور لفظ بین یدیہ سے اس مدعی پر وہی لوگ استدلال کرتے ہیں۔ تو انھیں ہی علاحدہ سے کوئی دلیل لانی چاہئے۔ کہ یہاں اس لفظ سے مراد یہی قرب ہے

اور یہ بھلا ان کے بس کی بات کہاں ؟

اور وہ خود یہاں بین یدیہ کے معنی متعین کرنے سے عاجز ہوں۔ تو ہم سے دریافت کریں ہم تبرعًا انھیں بتاتے ہیں کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جو اس لفظ کا مدلول ہے یعنی موجود و شاہد۔ جسے دیکھنے کے لئے چہرہ دائیں یا بائیں موڑنے کی ضرورت نہ پڑے۔ قرب کے تمام افراد میں یہی معنی مشترک ہے اور اس معنی پر اضافہ تو موقعہ استعمال کی خصوصیت سے مستفاد ہوتا ہے۔ جو مسئلہ دائرہ میں مسجد کی باہری حد میں اور بیرونی صحن ہے۔

بات مکمل ہوگئی اور مسلک حق موید بالدلیل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ظاہر ہوگیا اگر یہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ ہم تو اس ظہور حق پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہی کرتے ہیں۔

(۳) یہاں بین یدیہ کی حد متعین کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حَکَمُ العدل ہیں۔ اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ہوتا تھا وہی حق و باطل کے درمیان امتیاز ہے۔ جسے حدیث صحیح سے سنا جا چکا کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی تھی، تو یہاں قرب کی بحکم رسول یہی حد مقرر ہوئی۔ اور جو اس پر اضافہ کرے یا اس میں کمی کرے وہ ظلم و تعدی کرنے والا ہے۔ پس جس نے اس قرب مردی میں اضافہ کر کے داخل مسجد کر دیا۔ تو اس نے سنت رسول پر زیادتی کی، اور جس نے اس قرب میں کمی کی کہ ہر سہ معنی مسجد سے اس کو خارج کر دیا اس نے بھی ظلم کیا اور جس نے دو آخری معنی کے اعتبار سے خارج مسجد کیا۔ اور معنی اول کے اعتبار سے داخل مسجد کیا اس نے حق کے موافق حکم کیا۔ اور حکم تو اللہ و رسول جل و علیٰ و صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

نفحہ (۲) الحمد للہ گذشتہ صفحات میں تحقیقات کے جو گلشن لہلہائے۔ ان سے ان صاحب کی ناسمجھی ظاہر ہوگئی۔ جنھوں نے اذان خطیب کے داخل مسجد ہونے پر مفردات امام راغب اصفہانی کے اس قول سے استدلال کیا ؎

یقال ھذا الشئ بین یدیك ای قریبا منك ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تمہارے سامنے ہے یعنی تم سے قریب ہے ۔

اور کشاف اور مدارک کے مذکورہ بالا قول سے ۔

جلست بین یدی فلان الخ میں فلاں کے سامنے بیٹھا (الی آخرہ)

اوّلاً ۔ ہم تو اس کا اعتراف ہی کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ بسا اوقات قرب کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ لیکن خود قرب میں بھی تو بڑی وسعت ہے ۔

ثانیاً ۔ انھیں یہ امر محسوس ہی نہ ہوا ، کہ یہاں لفظ بین یدیہ کے معنی مشترک حاضر و مشاہد پر قرب کی زیادتی جلوس کی خصوصیت سے مستفاد ہے پھر اس جلوس خاص کے بھی متعدد مراتب ہیں ۔ ایک بازاری آدمی اور وزیر اعظم دونوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں ۔ اور دونوں ہی اپنے اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا ۔ لیکن دونوں پاس میں کتنا فرق ہوتا ہے ۔ کہ وزیر بادشاہ کے ساتھ صدر میں ہوتا ہے ۔ اور عام آدمی جوتا نکالنے کی جگہ بلکہ چوکھٹ کے باہر تو اس لفظ سے قرب پر استدلال الٹ گیا ۔ کہ دربار کے دروازہ کی چوکھٹ کے پاس بیٹھنے والا بھی صدر میں بیٹھنے والے کی طرح بین یدیہ اور پاس ہے ۔

ثالثاً ۔ راغب کے قول میں یہ رغبت ظاہر کرنے والوں کو کچھ یاد رہا اور کچھ بھول گئے ۔ کیونکہ مخالف نے امام راغب کے قول کے جو معنی بتائے وہ ان ائمہ لغت و تفسیر کے خلاف ہے یا موافق اگر خلاف ہے تو آپ نے جمہور ائمہ لغت کی تصریحات کو چھوڑ کر امام راغب کے شاذ قول کی طرف کیوں [illegible] ظاہر فرمائی ۔ اور اگر خلاف نہیں تو حاضر و مشاہد میں جتنا قرب ہے اس پر قناعت کیوں نہیں ۔ حالانکہ رویت عادیہ کے لئے قریب ہونے کی شرط لابدی ہے ۔ یا تم قرب کی ایک متعین حد مانتے ہو ۔ اور اسے کلی مشکک نہیں مانتے ۔ پھر تو آپ کا جواب آپ کے جیسا نا سمجھ ہی دے سکے گا ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے قول حق میں فرماتا ہے۔

اقترب الساعۃ وانشق القمر	قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہو چکا۔

بلکہ اسی قدوس و پروردگار نے فرمایا۔

اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلۃ معرضون۔	لوگوں کے حساب کی گھڑی آ پہونچی اور وہ ابھی غفلت میں اعراض کر رہے ہیں۔

حالانکہ حساب قیام قیامت کے بعد آدھا دن گزار کر ہوگا۔ اس وقت ایک دن کی مقدار آج کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔

رابعًا۔ امام قدوری نے اپنی شرح میں فرمایا۔ اشیاء کی حفاظت کے دو طریقے ہیں۔

(۱) نگراں کے ذریعہ حفاظت۔ جوہرہ نیرہ میں اس کی تشریح فرمائی کہ محافظ چیز سے اتنا قریب ہو کہ اسے دیکھتا رہے۔ اور اگر اتنا دور ہو گیا کہ چیز نگاہ سے اوجھل ہو گئی تو یہ حفاظت نہیں ہے۔ امام قدوری اور صاحب جوہرہ نے قرب و بعد کا مدار دیکھنے نہ دیکھنے پر رکھا۔ تو کلام راغب میں بھی قرب سے مراد یہی حاضر و مشاہد ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ دیگر ائمہ لغت و تفسیر کی تحقیق ہے۔

خامسًا۔ اس مستدل سے خود امام راغب کو شکایت ہوگی کہ اس نے میری پوری بات یاد نہیں رکھی۔ کیونکہ ان کی پوری بات تو یہ ہے۔

یقال ھذا الشئ بین یدیک ای قریبا منک وعلی ھذا قولہ۔ لہ ما بین ایدینا ومصدقا لما بین یدی۔ من التوراۃ وقولہ وقال الذین کفروا لن نومن بھذا القرآن وبالذی بین یدیہ ای متقدما لہ من الانجیل ونحوہ (مختصرًا)	محاورہ ہے کہ یہ چیز تمہارے سامنے یعنی تم سے قریب ہے اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل اقوال میں لفظ بین یدیہ سے یہی قرب مراد ہے۔ (مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے کہلایا) جو ہمارے سامنے ہے سب خدا کیلئے ہے (اور قرآن کیلئے خود فرمایا) اپنے سے آگے والی کتاب توراۃ کی تائید کرتا ہے۔ اور کافروں کا قول نقل کیا کہ ہم نہ تو قرآن پر ایمان لائینگے نہ اس سے

پہلے کی کتابوں مثلاً انجیل وغیرہ پر

اس پوری عبارت میں امام راغب نے بین یدیہ کے معنی قریب بتا کر اس کا مصداق لہ ما بین ایدینا کو قرار دیا۔ تو کیا فرشتوں نے ہمارے سامنے کہہ کر صرف اپنے متصل اشیاء مراد لیں کیا صرف وہی اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں ؟

سادساً۔ اسی معنی قریب کی فرع مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ کو کہا جن میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ تو جب یہ عظیم زمانی فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے منافی نہیں، تو قرب مکانی میں مسجد کے حدود اور اس سے متصل زمین کا فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے کیا منافی ہوگا۔ جو عام طور سے سو ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ کئی مساجد میں بیس ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔

سابعاً۔ اگر امام راغب کے قول ، قولہ وقال الذین کفروا کو ماسبق والے قول پر ہی معطوف قرار دیجئے تو اب لگ بھگ تین ہزار سال کا فاصلہ بھی قریب ہی ہوگا اور اسکو جملہ مستانفہ قرار دیا جائے۔ تو اب یہ لفظ بین یدیہ کے دوسرے معنی کا بیان ہوگا کہ بین یدیہ کے معنی (جیسے قریب ہوتے ہیں ویسے اس کے ایک معنی) جملہ کتب ماضیہ بھی ہیں۔ جو بعید تر ہیں۔ اسی طرح امام راغب کے ہی بیان سے بین یدیہ کے معنی قریب و بعید دونوں ہی ثابت ہوئے۔ پھر آپ کو معنی قرب پر کیوں اصرار ہے ؟

ثامناً۔ چلئے ہم نے امام راغب کے قول کی وہی مراد تسلیم کر لی جو آپ کو مرغوب ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے گا کہ صحابی رسول حضرت سائب بن یزید غزنی رضی اللہ عنہ جو خود بھی صاحب زبان ہیں اور آپ اور آپ کے امام راغب دونوں سے زیادہ عربی زبان کی باریکیاں سمجھتے ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتے ہیں۔ اور علی باب المسجد بھی کہتے ہیں۔ یہ حدیث گرامی تو آپ کی کٹھ حجتی کے منہ پر

ایسی مہر ہے۔ جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتے ہیں۔

تاسعًا۔ مستدل نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ بین یدیہ بعض مواقع میں قرب سے خالی بھی ہوتا ہے۔ اور صرف سامنے اور مقابل کے معنی میں آتا ہے۔ جیسا کہ بعض آیات قرآن میں بھی واقع ہوا ہے۔ مگر مسئلہ اذان میں جو لفظ بین یدیہ آیا ہے۔ اس کے معنی صرف وہ محاذاۃ ہے جو قرب سے خالی ہو۔ اس کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے۔

مقام حیرت ہے کہ "بین یدیہ" کو قریب و بعید دونوں کے لئے مان کر، اور یہ تسلیم کر کے کہ قرآن عظیم میں ایسا وارد ہے۔ اور مستدل ہو کر سادگی سے یہ کہنا کہ مسئلہ متنازعہ میں بین یدیہ کے معنی بعید ہونے کی تصریح کہیں سے ثابت نہیں (الٹی بھیرویں الاپنا ہے)

اس عدم ثبوت سے مستدل کو کیا فائدہ پہونچے گا۔ آپ کا استدلال تو اس احتمال کے تسلیم کرتے ہی ختم ہو گیا۔ کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" اب تو اگر آپ یہ ثابت کر سکتے کہ مسئلہ اذان میں اس لفظ کے معنی بعید نہیں مراد ہیں، تو بات بنتی اور یہ آپ کے بس سے باہر ہے جبھی تو معنی محتمل مراد نہ ہونے کی تصریح کے عدم سے استدلال کرنے لگے)

سبحان اللہ یہ بھی پتہ نہیں کہ مستدل کا موقف کیا ہے۔ اور معترض کو کس بات سے فائدہ پہونچتا ہے؟۔

اسلوب بیان کی خامی

یہ جملہ جیسا کہ قرآن کی بعض آیات میں واقع ہوا۔ یہ بتانے کے لئے بولتے ہیں کہ یہ جو واقع ہوا سہوًا و خطاءً واقع ہوا۔ کیا قرآنی آیات کے لئے یہ اسلوب بیان صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم عفو کے طالب ہیں۔

جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ بین یدیہ کے معنی قرآن میں بعید مقابل کے لئے ہے۔ تو اس سے منہ موڑ کر اس کو راغب کے بیان کے مطابق قریب مراد لینے کی کیا وجہ ہے؟

اگر کوئی وجہ فرق تھی تو آپ کو دونوں ہی پہلو کے لئے دلیل دینی چاہیئے تھی کہ قرآن میں بعید مراد ہونے کی یہ وجہ ہے اور اذان میں قریب مراد ہونے کی دلیل یہ ہے۔ اور جب آپ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں۔ تو قرآن عظیم سے رخ موڑ کر راغب کا دامن پکڑنا کارذیل ہے۔

نفحہ (۳)

ہمارے اماموں نے اصول کی کتابوں میں تحریر فرمایا۔ کہ عند حضور کیلئے ہے، چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی اپنے اصول میں۔ اور امام صدر الشریعہ نے تنقیح و توضیح میں، اور علامہ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا ـــــ کہ عند حضور کیلئے ہے۔ محقق علی الاطلاق اور ان کے شاگرد رشید محقق چلبی کی شرح تقریر میں ہے۔

کہ عند حضور حسی کے لئے ہے۔ جیسے آیۃ کریمہ فلما راٰہ مستقراً عندہٗ۔ اور حضور معنوی کے لئے جیسے وقال الذی عندہٗ علم من الکتاب۔ اس نے کہا جس کے پاس علم کتاب تھا۔

اور اسی طرح امام اجل ابوالبرکات نسفی نے منار میں اور اس کی شرح کشف الاسرار میں اور علامہ شمس الدین الفناری نے فصول البدائع فی اصول الشرائع میں۔ مولاخسرو نے مرآت الاصول اور اس کی شرح مرقات الوصول میں فرمایا ـــــ کہ عند حضور حقیقی یا حکمی کیلئے آتا ہے۔ مدقق بہاری نے مسلم الثبوت میں ملک العلماء بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں فرمایا کہ۔ عند حضور حقیقی کے لئے ہے۔ جیسے عندی کوز میرے پاس پیالا ہے۔ اور معنوی کے لئے جیسے عندی دین فلان۔ مجھ پر فلاں کا قرضہ ہے۔

اور یہ بالکل واضح ہے کہ حاضر پیش نگاہ ہے۔ اور جو پیش نگاہ ہے قریب ہی کہا جائے گا۔ تو نہ تو عند کے معنی سے قرب کے انکار کی گنجائش۔ اور نہ عند کیلئے ساتھ چپکا ہونا ضروری ہے۔ اور سچ پوچھو تو عند اپنے مفاد میں ''بین یدیہ'' سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ نہ یہ کہ عند کو بین یدیہ سے تنگ مانا جائے۔ چنانچہ عند اور لدی میں یہی فرق بیان

کیا جاتا ہے۔ کہ عند قریب و بعید دونوں کے لئے ہے۔ اور لدی خاص طور سے قریب پر دلالت کرتا ہے۔ رضی نحوی نے شرح کافیہ میں تحریر کیا۔

عند اعم تصرفا من لدی لان عند	عند اپنے تصرفات میں لدی سے اعم ہے
یستعمل فی الحاضر القریب وفیما هو	کہ وہ پاس اور دور دونوں میں مستعمل ہے
فی حوزتک وان کان بعیدا بخلاف	اور لدی کا استعمال بعید میں ہوتا ہی
لدی فانه لایستعمل فی البعید۔	نہیں ہے۔

اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ خود قریب کی جولانگاہ بھی بہت وسیع ہے۔ مزید آیات قرآنیہ سے ہم اسے واضح کرتے ہیں۔

(۱) ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله۔	جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔

لفظ قرآنیہ میں ہم واضح کر آئے ہیں کہ یہ حکم ہر اس شخص کے لئے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نگاہ ہو۔ حضور کے بالکل پاس بیٹھنے والوں کے لئے کچھ خاص نہیں۔ بلکہ جو پاس ہے اور جو باب مسجد کے پاس ہے۔ سب کے لئے یہی حکم ہے۔ محراب رسول اور دروازہ مسجد پر بیٹھنے والے دونوں ہی عند رسول اللہ کہے جائیں گے۔ سبھی کیلئے چینا اور چلانا منع ہے بلکہ یہ کہیئے کہ ضرورت سے زیادہ آواز نکالنا منع ہے۔

اور اس مقام پر اگر عند کے وہی معنی ہوں۔ جو یہ لوگ اذان عند منبر میں مراد لیتے ہیں تو آواز پست رکھنے پر مغفرت اور اجر عظیم کے وعدہ کا مستحق وہ بے ادب بھی ہو جائے گا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند ہاتھ کی دوری پر کھڑا چیخ رہا ہو۔ یا صرف اس کے لئے خاص ہو گی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بالشت کی دوری پر کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز میں بات کرے یا خود حضور ہی سے کلام کرے، اور چار ہاتھ دور کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز سے بات کرے تو وہ دائرہ

رحمت و مغفرت سے باہر ہے کہ (وہ عند رسول اللہ نہیں) بھلا کون عقلمند مسلمان ایسا کہہ سکے گا۔

(۲) ارشاد الٰہی ہے۔

ھم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا۔	یہ منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رہنے والوں پر کچھ خرچ نہ کرو، تاکہ یہ ادھر اُدھر منتشر ہو جائیں۔

یہاں عند کا مفہوم پہلی والی آیت سے بھی وسیع ہے۔ کیونکہ یہاں تو عند سے مراد وہ سبھی لوگ ہیں۔ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہیں۔ اگرچہ فی الحال حضور سے بہت دور ہوں۔

(۳) ارشاد الٰہی ہے کہ منافق آپ کے سامنے کہتے ہیں۔

طاعۃ فاذا برزوا من عندک بیت طائفۃ منھم غیر الذی تقول۔	ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔ اور جب آپ کے پاس سے دور ہو جاتے ہیں۔ تو انکی ایک جماعت اس کے خلاف بولنے لگی جو آپ کے سامنے کہہ چکے تھے۔

یہ منافقین کے حال کا بیان ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں آپ کے بالکل پاس نہیں بیٹھتے تھے۔ قریب کی جگہ تو ابوبکر و عمر، عثمان و علی و دیگر مخلصین صحابہ کے لئے تھی۔ منافقین تو اِدھر اُدھر آنکھ بچا کر بیٹھتے تھے۔ اگر کچھ کسی مجبوری سے آپ کے سامنے بیٹھ بھی گئے ہوں۔ تو عند کہہ کر سبھی منافقین مراد ہیں۔ قریب بیٹھنے والے ہوں یا دور۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ان المتقین فی جنات و نھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔	بے شک متقین باغوں اور نہروں میں سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور ہونگے۔

یہ آیت تو سارے ہی متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن اس میں کہاں یہ نسبت علماء کے

کسی صالح مسلمان کا درجہ، اور بہ نسبت اولیاء کے کسی عالم کا درجہ، اور بہ نسبت انبیاء کے کسی ولی کا درجہ، اور کہاں سید الانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا درجہ، ان مراتب میں تو فلک الافلاک اور تحت الثریٰ سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ مگر سب کو عند اللہ سے بیان کیا گیا ہے

(۵) و (۶) کی آیات۔

ان للمتقین عند ربھم جنت النعیم۔	متقین کے لئے رب کے پاس جنت نعیم ہے۔
واذ قالت رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنۃ۔	اس نے دعا مانگی یا اللہ میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک مکان بنا دے۔

حضرت سلمان و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پاک بی بی کی دعا قبول کر لی۔ تو کیا وہ انبیاء و اولیاء سے بھی زیادہ قرب الٰہی کی طالب تھیں۔ وہ تو اس کی خواستگار تھیں کہ قرب کا وہ مقام جو ان کے لائق ہو چاہے حضرت خدیجہ و عائشہ رضوان اللہ علیہا کے درجہ کے ہم پلہ بھی نہ ہو۔ چہ جائیکہ انبیاء و اولیاء عظام علیہم الرحمہ والرضوان کے درجہ کے برابر ہو۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے شہدائے کرام کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

بل احیاء عند ربھم	شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں۔

تو بھلا کہاں سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقام بلند اور کہاں عام شہداء کرام رضوان اللہ علیہم کی منزل بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام میں شہادت پانے والوں کی منزلیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

ان الذین عند ربک	جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں

ان فرشتوں میں باہم درجات کا کتنا تفاوت ہے۔ ہم اس کی حقیقت تو نہیں جان سکتے۔

مگر تفاوت ہونا یقیناً معلوم ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کیلئے ایک متعین مقام ہے۔

(۹) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔

وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم — کافروں نے خدا سے مکر کیا۔ ان کا مکر تو خدا ہی کے پاس ہے۔

کافروں کے مکر کے لئے اللہ تعالیٰ سے کوئی قرب نہیں۔ نہ قرب مکانی کہ یہ ذات باری کے لئے محال ہے نہ قرب مرتبی کہ مکر تو نہایت ذلیل چیز ہے۔ لامحالہ اس آیت میں قرب سے مراد حضور ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اس سے پوشیدہ نہیں۔ تو یہ حضور علمی ہوا۔

(۱۰) اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا۔

ثم محلھا الی البیت العتیق (یعنی البدن) قال فی المعالم ای عند البیت العتیق یرید ارض الحرام کلھا قال فلا یقربوا المسجد الحرام کلہٗ۔ — قربانی کے جانور ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے پاس ہے۔ معالم التنزیل میں فرمایا الی البیت العتیق کا مطلب عند البیت العتیق ہے یعنی حرم کی پوری زمین (چنانچہ دوسری جگہ) ارشاد ہوا پورے حرم کے قریب نہ جاؤ۔

آیتِ مذکورہ بالا میں پورے حرم کو منحر عند البیت العتیق قرار دیا۔ جب کہ حدود حرم مختلف جہات میں بیت اللہ شریف سے کوسوں دوری پر ہے۔

(۱۱) احادیثِ کریمہ میں بہت سے تابعین فرماتے ہیں۔ ہم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ پتہ نہیں یہ باطل کوش یہاں قربت کو کتنے قرب پر محمول کرینگے۔

(۱۲) دربان کہتا ہے میں ابھی بادشاہ کے پاس سے آرہا ہوں۔ حالانکہ وہ دروازہ سے آگے بڑھ نہیں سکتا۔

(۱۳) مکہ کا رہنے والا اپنا پتہ بتاتا ہے کہ میرا گھر باب السلام کے پاس ہے۔ حالانکہ بسا اوقات دونوں کا فاصلہ دو سو ہاتھ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

(۱۴) شاگرد استاذ سے اپنا تعلق بتاتے ہوئے کہتا ہے۔ میں اپنے استاذ کے پاس مکمل تین سال رہا۔ حالانکہ قیام اس کا مسجد میں ہوتا ہے۔ اور شیخ کی مجلس میں اسے آخری صف میں بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔

(۱۵) یہ کہاں کا انصاف ہے۔ فقہاء کے کلام میں آئے ہوئے لفظ عند سے تو اذان ثانی کے متصل منبر ہونے پر استدلال کیا جائے۔ اور فقہائے کرام نے خود لفظ عند کے جو معنی بتائے ہیں اس سے روگردانی کیجائے۔

ہدایہ، کنز، تنویر وغیرہا میں فرمایا یہ عبارت کنز کی ہے۔

من سرق عن المسجد متاعاً وربه عنده قطع۔ — جس نے مسجد سے ایسا سامان چرایا جس کا مالک سامان کے پاس تھا۔ اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔

کنز کی شروح، مجتبیٰ، فتح القدیر، بحر الرائق اور در مختار میں فرمایا۔ الفاظ در مختار کے ہیں۔

عنده ای بحیث یراہ — سامان کے مالک کے پاس ہونیکا مطلب ہے کہ اتنی دور ہو جہاں سے اپنا سامان دیکھ رہا ہو۔

مذکورہ بالا شواہد سے یہ ثابت ہوگیا کہ عند کے معنی بھی اس سے زیادہ نہیں جو ہم نے بین یدیہ، کے معنی میں بیان کیا۔ اور ان دونوں لفظوں کی کوئی دلالت اذان کے داخل مسجد ہونے پر نہیں۔ چہ جائیکہ منبر سے متصل مراد لی جائے۔ مگر جب کوئی وہم آدمی کے دماغ میں جم جاتا ہے تو وہ جو چیز بھی دیکھتا ہے اس کو وہی چیز سمجھتا ہے، اور کوئی بات سنتا ہے تو وہی چیز اس کے خیال میں آتی ہے۔ جیسا کہ بھوکے سے پوچھا جائے کہ ایک ایک کتنا ہوتا ہے۔ تو وہ جواب دیتا ہے دو روٹی۔

نفحہ (۴) الحمد للہ رب العالمین گذشتہ اظہار سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہوگئی، جو اس موقعہ پر بھی امام راغب کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ

عند لفظ موضوع للقرب فتارۃ یستعمل فی المکان وتارۃ فی الاعتقاد نحو عندی کذا وتارۃ فی الزلفیٰ او المنزلۃ (مفردات امام راغب)

لفظ عند قرب کیلئے وضع کیا گیا ہے، تو کبھی مکان کیلئے ہوتا ہے اور کبھی اعتقاد کے لئے جیسے کوئی کہے میرے پاس ایسا ہے، اور کہیں رتبہ اور مرتبہ کیلئے ہوتا ہے۔

یا امام سرخسی کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ

وعند عبارۃ عن القرب (مبسوط)

عند قرب بیان کرنے کیلئے ہے۔

کیونکہ ہم نے قرب کے تمام مواد کا ذکر کر دیا ہے جس کے لئے آیات کے اعادہ کی ضرورت نہیں اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان تمام آیتوں کا ترجمہ دونوں زبانوں میں لفظ نزد و پاس سے کیا گیا ہے۔ جب کہ ان موارد میں قرب کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔

اور خود لفظ قرب کا بھی یہی حال ہے۔ جیسا کہ آیت اقترب الساعۃ (قیامت قریب ہوئی) اور اقترب للناس حسابھم (لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب ہوا) وغیرہ سے ظاہر ہے (کہ لفظ قرب اپنے دامن میں صدیوں کا فاصلہ سمیٹے ہوئے ہے) اور یہ بات بچوں تک پر واضح ہے۔

ہم نے ان سے بارہا ایک مسئلہ پوچھا، جس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔ اور وہ کیسے جواب دیتے۔ وہی جواب تو خود ان پر لوٹتا۔ بات یہ ہے کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے۔

زید نے ایک دینار مساوی دس درہم یا زائد کا ایک ہلکا پھلکا منبر بنایا۔ جسے ایک آدمی بلا تکلف و بے زحمت و مشقت جہاں چاہے اٹھا لیجائے۔ اذان منبر کے وقت زید اسے

مسجد میں لے کر پہونچا۔ متولی مسجد نے اسے مالک سے عاریۃً مانگ لیا کہ نماز سے فارغ ہوکر واپس کر دیں گے۔ بعد نماز لوگ تو ادھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ اور منبر وہیں پڑا رہ گیا۔ اور مالک سامنے مسجد کے دروازہ پر یا حدود مسجد کے اندر کھڑا رہ کر اسے دیکھتا اور نگرانی کرتا رہا۔

اسی اثنار میں ایک وہابی چوری کی نیت سے مسجد کے اندر دوسرے دروازے سے داخل ہوا۔ اور مالک کے ایک ذرا رخ پھیرنے کا انتظار کرتا رہا۔ جیسے ہی مہلت پائی منبر لے کر نکل بھاگا۔

سوال یہ ہے کہ وہ وہابی چوری کی علت میں ماخوذ ہوگا یا نہیں۔ اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟

تو داخل مسجد اذان کے حامی اگر یہ جواب دیں کہ نہیں۔ تو ائمہ فقہ کی نص صریح کے خلاف ہوگا کہ ان کا ارشاد ہے۔

"جس نے مسجد کے اندر کے سامان کو چرایا جبکہ مالک اس سامان کے پاس ایسی جگہ ہو جہاں سے سامان نظر آرہا ہو۔ تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا"

اور اگر یہ جواب دیں کہ ہاتھ کاٹا جائے گا تو کاٹنے کی شرط یہ تھی کہ مالک سامان کے اتنے پاس ہو کہ اس کا محافظ قرار دیا جائے۔ کیونکہ مسجد خود محفوظ جگہ نہیں تو ان لوگوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ مسجد کے دروازے کے پاس اس کے فنار میں منبر کے سامنے کھڑا ہونے والا منبر کے پاس ہی ہے۔ یہ تو ہمارا دعویٰ تھا۔ جس کا اعتراف مخالف نے کیا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بے شمار پاک اور مبارک تعریفیں جس سے وہ راضی ہو اور جسے پسند کرے۔

نفحہ (۵) اگر ہم ان لوگوں کے معیار فہم پر اتر کر بھی بات کریں۔ تو اتنا تو سب پر ظاہر ہے۔ کہ عند ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں ہی کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

خذوا زینتکم عند کل مسجد　　　　ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کرو

یعنی ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو، اور خود وقت بھی مکان اور اجسام دونوں ہی کیطرف مضاف ہوتا ہے۔ جب کہ وقت کے ساتھ ان کو کوئی خصوصیت ہو۔ ارشاد الٰہی ہے۔

ویوم حنین اذا اعجبتکم کثرتکم　　　　اور حنین کا دن یاد کرو۔ جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے۔

حُنین ایک جگہ کا نام ہے۔ یہی حال یوم بدر، یوم احد، یوم دار، لیلۃ العقبہ، لیلۃ المعراج اور لیلۃ الغار کا ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے " ومن لہا یوم السبع، سبع کا لفظ بار کے سکون کے ساتھ بھی مروی ہے، تو لفظ سبع سے مراد مکان حشر ہوگا، اور بار کے ضمہ کے ساتھ تو شیر مراد ہوگا۔ اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح ہے، پس ان مقامات میں یوم کی نسبت مقام کی طرف ہے۔ تو ایسا کیوں صحیح نہ ہوگا کہ اذان عند المنبر کے معنیٰ اذان وقت منبر ہو۔ کیونکہ اس اذان کو منبر سے اک نسبت خاص ہے۔

نفحہ (۶)

انہوں نے بعض فقہاء کے قول اذان علی المنبر سے استدلال کیا۔ تو ان میں سے بعض نے علی کی تفسیر عند سے کی۔ اور ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ خود لفظ عند میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے دل کو چین ملے۔

اور ان میں سب سے بڑے جاہل نے کہا کہ علی معنیٰ میں بار کے ہے۔ مطلب یہ کہ بار الصاق کے لئے آتا ہے۔ تو لفظ اذان علی المنبر کا مطلب ہوگا۔ وہ اذان جو منبر کے متصل ہو۔ اس بات سے قطع نظر کہ یہاں علی کا بار کے معنیٰ میں ہونا خود محل نظر ہے۔ لطف یہ ہے کہ خود الصاق کے معنیٰ اتصال حقیقی نہیں ہیں۔ عرب کے اس قول "مررت بزید (میں زید کے ساتھ چلا) کا یہ مطلب نہیں کہ میں زید سے چپک کر چلا۔ بلکہ تم زید کے پیچھے پیچھے منبر اور دروازۂ مسجد کی دوری سے زائد فاصلہ پر بھی چلو اس طرح کہ تمہاری نظر زید پر رہے، تو تم کہہ سکتے

ہوکر میں زید کے ساتھ چلا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وکاین من ایۃ فی السمٰوات والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون۔ آسمان وزمین میں کتنی آیتیں ہیں جن پر وہ گذرتے ہیں۔ اور وہ ان آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

اس آیت میں خود لفظ علی ہی ہے۔ تو کیا تم علی کو الصاق کے معنی میں لے کر آسمانی آیتوں سے متصل ہونے کے لئے آسمانوں تک بلند ہونیکی طاقت رکھتے ہو۔

پس اس آیت میں لامحالہ یمرون علیھا کے یہی معنی مراد لینے ہونگے، کہ تم ان آیتوں کو دیکھتے ہوئے گذرتے ہو (اس حال میں کہ تم میں اور ان آیتوں میں آسمان وزمین کی دوری تھی)

اور ان میں سب سے زیادہ سلیم الطبع نے یہ تشریح کی کہ بعض فقہاء کی عبارت میں علی المنبر کا لفظ قرب کی تاکید کیلئے ہے۔ مطلب یہ کہ مراد مبالغہ فی القرب ہے یعنی منبر کے اتنا قریب کہ گویا منبر پر ہی ہو۔ لیکن یہ بھی ان کی ہوس ہی ہے۔

اولاً۔ تمام اہل زبان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لفظ کے معنی حقیقی جب تک بن سکیں معنی مجازی مراد لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ علی کو عندیا بار یا مبالغہ کیلئے لینا اس کے معنی مجازی ہوں گے۔ کہ اس کے معنی حقیقی تو لازم کرنے کے ہیں جیسا کہ اصول امام شمس الائمہ اور کشف امام بخاری میں ہے۔

اما علی فللالزام باعتبار اصل الوضع علی اصل وضع کے اعتبار سے الزام کیلئے ہے۔

تحریر امام ابن ہمام اور تقریب امام ابن امیر الحاج میں ہے۔

وھو ای اللزوم ھو معنی الحقیقی لزوم ہی علی کے معنی حقیقی ہیں۔

اور رضی شرح کافیہ میں ہے۔

منہ سر علی اسم اللہ ای ملتزما۔ اسی محاورہ سے ہے اللہ کے نام پر سیر کر یعنی اسکو لازم پکڑ

قرآن عظیم میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فجائته احدیٰهما تمشی علی استحیاء ای ملازمة للحیا۔	ان دو عورتوں میں سے ایک شرم کرتی ہوئی آئی (یعنی وہ شرم کو لازم کئے ہوئے تھیں۔

اور اذان خطیب اس امام کو لازم ہے جس نے منبر کا التزام کیا ہے۔ تو یہ لوگ علی کو اس کے حقیقی معنی (لزوم) سے پھیر کر کدھر پلیٹ رہے ہیں؟۔

ثانیاً۔ علی مصاحبۃ کے لئے ہے۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

علی حرف جرلها معان (الی ان قال) ثانیها المصاحبة کمع نحو واٰتی المال علیٰ حبه ذوی القربیٰ ای مع حبه وان ربك لذومغفرة للناس علیٰ ظلمهم۔ (اتقان)	علی حرف جر ہے اس کے چند معانی ہیں دوسرا معنی مصاحبت ہے۔ جیسے لفظ مع قرآن عظیم میں ہے کہ مال کو محبت کے باوجود قرابت داروں کو دیا (دوسری مثال) تمہارا رب ظلم کے باوجود لوگوں کی مغفرت کرنے والا ہے (یہاں علی ظلم کا مطلب مع ظلم ہے)

اور حدیث شریف میں ہے۔

ذکواة الفطر علی کل عبد وحر	زکوۃ فطر ہر آزاد اور غلام پر ہے۔

بنایہ میں فرمایا۔

علی هنا بمعنی مع لان العبد لا تجب علیه الفطر وانما تجب علی سیده۔	علی یہاں بھی مع کے معنی میں ہے کہ صدقہ فطر غلام پر واجب نہیں۔ وہ تو مالک پر ہے (تو مطلب یہ ہوا کہ غلام کا صدقہ بھی اپنے ساتھ دے)

قاموس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

والمصاحبة کمع واتی المال علی حبه	مع کیطرح علی بھی مصاحبۃ کیلئے آتا ہے جیسے اٰتی المال علیٰ حبه۔

اور فتوحات الٰہیہ میں آیت مبارکہ تمشی علی استحیاء کی توضیح میں فرمایا۔

علی بمعنیٰ مع اے مع استحیاء — آیت میں علی مع کے معنی میں ہے۔ یعنی شرماتے ہوئے

اور اذان خطبہ بلاشبہ جلوس علی المنبر کے مصاحب ہے۔ نہ اس سے قبل نہ بعد پس مصاحبۃ اگر علی کے معنی حقیقی ہوں۔ تو آپ کے مراد لئے ہوئے معانی مجازی ہوئے۔ اور مجاز حقیقت کے معادم نہیں ہوسکتا۔ اور یہ معنی مجازی اور آپ کے معانی بھی مجازی تو ایک اور معنی مجازی کا احتمال پیدا ہوا۔ اور احتمال استدلال کے لئے کتنا مضر ہے یہ سب کو معلوم ہے۔

ثالثًا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واتبعوا ما تتلو الشیاطین علی ملک سلیمان۔ — اور انھوں نے ملک سلیمان پر شیطانوں کے پڑھے ہوئے کی اتباع کی۔

اتقان اور فتوحات الٰہیہ میں ہے۔

ای فی زمن ملکہ — یعنی ان کی حکومت کے زمانہ میں

مدارک امام نسفی میں ہے۔

ای علی عہدہ وفی زمانہ — یعنی ان کی حکومت اور ان کے زمانہ میں

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے وقت اور زمانہ میں ہے۔ تو یہ عند رابیہ کے ہم معنی ہوگیا۔

رابعًا۔ اصل یہ ہے کہ فقہا نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ جمعہ کے لئے سعی کے وجوب میں کس اذان کا اعتبار ہے۔ اذان اول کا (حنفیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے اس کی روایت کی) یا اذان خطبہ کا کیونکہ آیت سعی کے نزول کے وقت اذان اول تھی ہی نہیں۔ (یہی امام طحاوی کا قول ہے، جس کو شرح نقایہ میں امام شمنی نے نقل کیا)

قال الطحاوی انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام علی المنبر لانہ الذی کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

امام طحاوی نے فرمایا کہ جمعہ کے وقت وجوب سعی اور ترک بیع کا حکم اس اذان کے وقت ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے۔ کیونکہ یہی اذان عہد رسالت اور ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں تھی۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے مرقات میں بھی، روایت ان الفاظ میں ہے۔

قال الطحاوی انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان والامام علی المنبر لانہ الذی کان علی عہدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ومن الشیخین رضی اللہ عنہما۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جمعہ کیلئے سعی اور ترک بیع کا وجوب امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جانے والی اذان سے ہے۔ کیونکہ عہد رسالت اور زمانہ شیخین میں صرف یہی اذان تھی۔

ہر ایک پر روشن ہے کہ اس عبارت میں مخالفین کے شبہ میں پڑنے کی کوئی گنجائش نہیں (کہ امام طحاوی نے امام کے منبر پر ہونے کی بات کہی ہے نہ کہ اذان کے) اور اسی عبارت کو بعض متاخرین نے اپنے طور پر مختصر کیا ہے۔ اصل عبارت کو دیکھا جائے تو اس شبہ کی کوئی بنیاد نہیں بنتی۔

بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ امام طحاوی نے اپنے استدلال میں فرمایا وہ اذان جس پر سعی واجب ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں یہی تھی۔ بعد کے جن لوگوں نے اس اذان کی تعبیر علی المنبر یا عند المنبر سے کی جیسے صاحب کافی وکفایہ اور مبسوط وغیرہ ان لوگوں نے بھی یہی کہا کہ یہی اذان حضور کے مبارک عہد میں ہوتی تھی۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اذان خطبہ عہد رسالت میں منبر کے اوپر نہیں ہوتی تھی اسی لئے تو

ان علماء نے بھی علی کو عند کے معنی میں لیا۔ اور روایت سے یہ ثابت ہے کہ وہ جس کو عند کہتے ہیں وہ علی باب المسجد ہے تو عبارت میں لفظ عند ہو یا علی سب کو اسی ثابت شدہ محمل پر حمل کرنا چاہیئے۔ نہ کہ اس واقعہ کے انکار کے لئے معبرین کی تعبیر کو سند بنانا چاہیئے مگر افسوس کہ انصاف دنیا سے ناپید ہو رہا ہے۔

نفحہ (۷) اگر ہم عند اور علی کے بارے میں ذکر کی ہوئی تمام تحقیقات سے قطع نظر کرلیں تب بھی بات وہی ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر کی ہے۔

اولاً۔ ان تمام عبارتوں میں جہاں اذان علی المنارہ یا اذان علی المنبر یا عند المنبر کا لفظ آیا ہے بطور تعارف وحکایت حال کے ہے۔ (یعنی وہ اذان جو فلاں جگہ ہوتی ہے اس میں کوئی حکم نہیں کہ اذان یہاں ہونی چاہیئے) بخلاف ان اقوال کے جن میں مسجد میں اذان کی ممانعت آئی ہے۔ جیسے "لایوذن فی المسجد" مسجد میں اذان نہ دی جائے یا "یکرہ الاذان فی المسجد" مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ کہ یہ صاف صاف حکم ہے، اور اعتبار حکم کا ہے تعارف وحکایت کا نہیں۔

ثانیاً۔ یہ طریقہ بیان (کہ جو اذان فلاں جگہ ہوتی ہے) علامت ہے۔ اور علامات کا مسنون ہونا تو بڑی بات ہے۔ جائز ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ امام اجل ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور علامہ محدث طاہر فتنی نے مجمع البحار میں فرمایا۔

ان العلامۃ تکون بحرام او مباح۔ — کسی چیز کی علامت مباح اور حرام دونوں ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی میدان میں بادشاہ، امراء اور عوام سبھی جمع ہیں۔ ایک آدمی بادشاہ کو نہیں پہچانتا۔ اس نے ایک پرہیزگار عالم دین سے پوچھا۔ ان لوگوں میں بادشاہ

کون ہے جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے، وہ عالم کہے گا کہ جس کے سر پر سونے کا تاج ہے دیکھئے یہاں سونے کے تاج کی علامت سے بادشاہ کو پہچنوایا گیا۔ تو کیا یہ تعارف اس بات کا حکم ہوگیا کہ مردوں کو سونے کا تاج پہننا جائز ہے ؟

تو جب ہمارے علماء نے یہ حکم بتا دیا کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے اور یہ کہ مسجد کی اذان مکروہ ہے۔ تو اگر اس کے خلاف مسجد کے اندر اذان دی جانے لگے۔ جیسا کہ آجکل یہ لوگ کر رہے ہیں۔ تو یہ اذان بھی امام طحاوی کے مسلک پر موجب سعی و ترک بیع ہو گی۔ ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ اذان متصل منبر لوگوں نے از خود ایجاد کر لی ہے۔ پھر بھی اس ممنوع اذان کو وجوب سعی کی علامت قرار دیں تو اس سے یہ اذان جائز تو ہو نہیں جائیگی۔

ثالثاً۔ قضیہ حملیہ میں دو حکم ہوتا ہے۔ ایک موضوع کے وصف کا صدق ذاتِ موضوع پر اور دوسرا وصف محمول کا صدق ذات موضوع پر۔ پہلے والا حکم ضمنی منطقی ہوتا ہے اور دوسرا حکم صریحی۔ شرع کے نزدیک یہی معتبر ہے۔

حکم منطقی قصدی ہو تو تب بھی شرعاً معتبر نہیں۔ اور مسئلہ دائرہ میں تو اس اذان پر جو فی زمانہ متصل منبر ہوتی ہے۔ فقہاء نے اذان کا حکم ضمناً لگایا ہے۔ تو یہ شرع کے نزدیک کب معتبر ہوگا؟

اس کی مثال یہ ہے کہ لفظ علیک السلام میں مخاطب پر سلام کا حکم منطقی قصدی ہے۔ مگر شریعت نے اسے نامعتبر اور ناجائز بتایا۔ حدیث شریف میں ہے۔

علیك السّلام تحیۃ الموتیٰ۔ علیک السلام مردوں کا سلام ہے۔

رابعاً۔ تمام بحث و مباحثہ کے بعد اذان علی المنبر سے اگر کوئی حکم ثابت ہو تو بطور اشارۃ النص ثبوت ہوگا۔ اور فقہاء کے قول لایوذن فی المسجد، ویکرہ الاذان فی المسجد، عبارۃ النص ہے، اور تمام علمائے اصول کا اجماع ہے کہ عبارت النص راجح اور اشارۃ النص مرجوح ہے۔ اور درمختار میں ہے کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

خامسًا ۔ اذان علی المنبر کے معنی میں مختلف قسم کے احتمال ہیں۔ اور ممانعت اذان فی المسجد کی عبارت نص صریح ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ محتمل صریح کا مقابل نہیں ہو سکتا۔ اور کلام محتمل سے استدلال باطل ہے۔

اس نفحہ میں جتنی باتیں ہم نے ذکر کیں اپنے منصب سے اتر کر، اور لگام ڈھیلی کر کے۔ اور بطور مناظرہ، ورنہ ہم نے تو فقہائے کرام کے کلام کی وہ تحقیق کی ہے۔ کہ جس کے بعد منصف کو کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ بلکہ مجادل بھی جدل سے باز آئے۔ رہ گیا مکابرانہ کلام تو یہ ایک گمرہی ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

نفحہ (۸) ائمہ مالکیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اذان خطبہ میں بھی سنت یہی ہے کہ مینارہ پر ہو خطیب کے سامنے یہ اذان بدعت مکروہ ہے۔ امام محمد عبدری فاسی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں۔

ان السنۃ فی الاذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنارۃ۔ کذالک کان علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرًا من خلافۃ عثمان رضی اللہ عنہ ثم زاد عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذانا اٰخر بالزوراء وابقی الاذان الذی کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنارۃ والخطیب علی المنبر اذ ذاک ثم لما تولی ھشام بن عبد الملک	امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت کی اذان میں سنت یہ ہے کہ موذن اس وقت منارہ پر ہو۔ ایسا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور زمانہ ابو بکر وعمر اور عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ابتدائے خلافت تک رہا۔ اس کے بعد حضرت ذوالنورین نے ایک اور اذان زیادہ فرمائی جو مقام زوراء پر دی جاتی اور عہد رسالت والی اذان کو جہاں کا تہاں باقی رکھا۔ (یعنی جب خطیب منبر پر چڑھتا۔ اس وقت اذان منارہ پر دی جاتی) ہشام ابن

اخذ الاذان الذی فعله عثمان رضی اللہ عنہ بالزوراء وجعله علی المنار ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافة عثمان رضی اللہ عنهم بین یدیه۔ قال علماؤنا رحمهم اللہ تعالیٰ علیهم وسنة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اولیٰ ان یتبع۔

عبدالملک بادشاہ ہوا۔ تو اس نے اذان اول کو مقام زوراء سے منارہ کی طرف منتقل کیا۔ اور اذان عہد رسالت وصاحبین اور ابتدائے عہد عثمان غنی میں یعنی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر ہوتی تھی۔ اسکو امام کے سامنے دلانے لگا۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

حواشی جواہر زکیہ شرح عشماویہ للعلامۃ یوسف الصفتی سکندری مالکی میں ہے۔

اذان الثانی کان علی المنارۃ فی الزمن القدیم وعلیه اهل المغرب الی الآن فعله بین یدی الامام مکروه کما نص علیه البرزلی وقد نهی عنه مالک وفعله علی المنار والامام جالس اھ سکندری

دوسری اذان زمانہ قدیم سے منارہ پر ہوتی تھی اہل مغرب کا آج بھی اسی پر عمل درآمد ہے اس اذان کے امام کے سامنے دینے کو امام برزلی نے مکروہ لکھا ہے۔ امام مالک نے اس سے منع فرمایا۔ امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر اذان مشروع ہے۔

مواہب لدنیہ میں امام احمد قسطلانی نے اور اس کی شرح میں علامہ زرقانی مالکی نے فرمایا۔

قال الشیخ خلیل ابن اسحاق فی التوضیح

شیخ خلیل ابن اسحاق نے توضیح میں فرمایا

شرحه على ابن الحاجب۔ اختلف اهل النقل هل كان يؤذن بين يدى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم او على المنار الذى نقل اصحابنا انه كان على المنار نقله ابن القاسم عن مالك فى المجموعة ونقل ابن عبد البر فى الكافية عن مالك رضى الله تعالىٰ عنه ان الاذان بين يدى الامام ليس من الامر القديم (سياتى تمامه بعونه)

جو ابن حاجب کی شرح ہے۔ کہ علمائے نقل نے اختلاف کیا کہ اذان ثانی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی یا منارہ پر۔ ہمارے اصحاب کے منارہ پر ہونا ہی منقول ہے جیسا کہ ابن قاسم نے اس کو امام مالک رضی اللہ عنہ سے مجموعہ میں نقل کیا۔ ابن عبد البر نے بھی امام مالک سے یہی نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم معمول نہیں ہے۔ (پوری تفصیل انشاء اللہ آگے آرہی ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے یہ نصوص اذان بین یدی الخطیب کے بالکلیہ بدعت ہونے کی تصریح ہیں۔ چہ جائیکہ اس کا مسجد میں ہونا جائز ہو، سنت تو یہ ہے کہ اور تمام اذان کی طرح یہ بھی منارہ پر ہو۔

تو مخالفین کا یہ افتراء ہے کہ اذان ثانی کا منبر کے متصل مسجد میں ہونا اجماع مسلمین سے ثابت ہے۔ بھلا امام دارالہجرۃ امام مالک اور ان کے خلفاء رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر کون سا اجماع منعقد ہو سکتا ہے؟ تنہا ائمہ مالکیہ کا اختلاف ہی قدح اجماع کے لئے کافی ہے۔ جبکہ اس مسئلہ میں ائمہ احناف رحمہم اللہ کی تصریح بھی موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ اور احناف وغیرہ کسی سے بھی اس کے خلاف ہونے کا علم نہیں۔ تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب کے مکروہ ہونے پر ہی اجماع ہو۔

نفحہ (۹) مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ گمان بھی باطل ہے کہ تمام اسلامی شہروں میں سارے مسلمانوں کا تعامل اسی پر ہے کہ یہ اذان

مسجد کے اندر منبر کے متصل ہوتی ہے۔ (تو تعامل کی دلیل سے اذان ثانی متصل منبر جائز ہوئی)

کیونکہ سکندری پھر سفلی کا بیان سن چکے کہ مالکیہ اور اہل مغرب کا تعامل بیرون مسجد کا ہے۔ خود ہندوستان کے اکثر شہروں میں شاہی جامع مسجدوں میں منبروں سے دور چبوترے بنے ہوتے ہیں، جن پر آج تک اذان ہوتی ہے۔ پہلے ہم یہ بتا آئے ہیں کہ یہ اذان بھی دراصل بیرون مسجد ہے، لیکن عوام لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے غافل اور ظاہر سے دھوکہ میں پڑے ہیں۔ اور اس کو اذان اندرون مسجد سمجھتے ہیں۔ اور یہی ان میں شائع و ذائع ہے۔ اور پھر اسی لاعلمی پر اپنے ایک فاسد قیاس کی بنیاد رکھتے ہیں کہ مسجد سب برابر ہیں ان میں باہم نہ کوئی فرق ہے نہ کوئی فرق کا قائل۔ پس جب یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی ہے تو پنج وقتہ نمازوں میں بھی اذان مسجد کے اندر ہونے میں کیا حرج ہے۔ اور نماز کے وقت دربار الٰہی کے جس حصہ میں بھی جی چاہتا ہے، کھڑے ہو کر چیخنے لگتے ہیں۔ اور جب انھیں کوئی تنبیہ کرتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور مسجد میں آواز بلند نہ کرو تو عناد و فساد کرنے لگتے ہیں۔ اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ سنت کا عمل مردہ ہو گیا ہے۔ اور تصریحات ائمہ جھوٹ قرار دی جا چکی ہیں۔ اور خلاف سنت عمل کو تعامل قرار دے لیا ہے۔ اور حکم شرع کے ابطال کے لئے اسی کو دلیل بنا لیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے اس کیلئے فریاد ہے۔ اور اسی سے مدد کی طلب ہے۔

اور یہ نکتہ وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ایسا تعامل قطعاً سند نہیں۔ ورنہ جھوٹ، غیبت، چغل خوری اس سے زیادہ جواز کے مستحق ہوں گے۔ کہ ان کا تعامل قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مشرق و مغرب میں پھیل گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ ثم یفشو الکذب، پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

صاحب فتاویٰ غیاثیہ نے اواخر کتاب اجارہ میں سید امام شہید رحمۃ اللہ علیہ

سے ذکر کیا۔

انما یدل علی الجواز مایکون علی الاستمرار من الصدر الاول فاذا لم یکن کذالك لایکون نعلهم حجة الا اذا کان من الناس کافة بالبلدان کلها۔ الاتری انهم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا، لا تفتی بالحل۔

وہی تعامل جواز کی دلیل بنا ہے۔ جو صدر اول سے آج تک برابر جاری ہو۔ اور ایسا نہ ہو تو کسی عہد کے لوگوں کا فعل حجت نہیں یا ان تمام شہروں قصبوں اور قریوں کے سبھی انسانوں کا تعامل ہو تو اور بات ہے اور یہ بالکل واضح امر ہے کہ اب اگر سب جگہ کے سب لوگ شراب بیچنے لگیں۔ سودی کاروبار میں مبتلا ہوں تو بھی اس کے حلال ہونیکا فتویٰ نہیں دیا جائیگا۔

در مختار کے باب الجمعہ میں ہے۔

انما یصلح دلیلاً علی الحل اذ کان عاماً من عهد الصحابة والمجتهدین کما صرحوا به۔

تعامل اس وقت جواز کی دلیل بنتا ہے جبکہ عام ہوا اور عہد صحابہ و مجتہدین سے اس پر عملدرآمد ہو۔ ایسا ہی ائمہ نے تصریح کی ہے۔

اسی کتاب کے باب الجنائز میں بعض محققین شوافع سے منقول ہے۔

هذا الاجماع اکثری وان سلم فمحل حجیته عند صلاح الازمنة بحیث ینفذ فیها الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وقد تعطل ذالك منذ ازمنة۔

یہ اجماع اکثری ہے۔ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے دلیل جواز ہونے کا تب اعتبار ہوگا کہ یہ امت کے صلاح کے وقت کا ہو۔ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نافذ ہو۔ اور یہ تو زمانہ دراز سے معطل ہے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد العمری سرہندی کے مکتوبات کی جلد ثانی مکتوب ۵۴ میں ہے۔

دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے۔ اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے۔ رفع بدعت اور تکلم باحیاء سنت کا دعویٰ کون کر سکتا ہے۔ اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں۔ بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمرہی عام ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے۔

یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونیکی دلیل نہیں۔ جز این نیست کہ وہ تعامل معتبر ہے۔ جو صدر اول سے معمول بہا ہو۔ یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو۔

(پھر غیاثیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کرکے فرمایا) تمام لوگوں کا تعامل اور تمام شہروں اور دیہاتوں کا عمل معلوم ہونا۔ آدمی کی وسعت و طاقت سے باہر ہے۔

مسئلہ اذان میں ہمارے مخالفین میں سے بہتوں کو اس پر فخر ہے کہ وہ شیخ مجدد کے غلاموں میں سے ہیں ہم نے بارہا شیخ مجدد کی یہ عبارت پڑھ کر انھیں سنائی بھی (کہ اب سے وہ اپنے تعامل مقبول کے دعوے سے باز آئیں) مگر وہ تعامل کے دعوی سے باز نہیں آئے۔ دراصل (حضرت مجدد) کے بجائے انھوں نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا شیخ بنا لیا ہے اور اسی کے فتوے پر عمل کرتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے عفو طلب کرتے ہیں۔

علامہ شامی نے رد المحتار، کتاب الاجارہ، رسالہ تحریر العبارۃ، عقود دریہ، سب میں علامہ قنالی[1] زادہ سے نقل کیا۔ کہ وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانیکا معاملہ

---

[1] یہ لفظ رد المحتار مطبوعہ قسطنطنیہ میں ہے۔ اور تحریر العبارہ میں قنلی زادہ بغیر الف کے ہے، اور عقود الدریہ میں منلی زادہ میم کیساتھ ہے ۱۲ منہ

کہ دین ضعف کی اس حد تک پہونچ گیا تھا۔ یا پھر یہ گمان کیا جائے کہ دنیا علماء و اولیاء سے خالی ہو گئی تھی، حالانکہ یہ تینوں باتیں خلاف واقعہ اور باطل ہیں۔

توحقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس نے بعد میں احیائے دین کیا اس کے لئے اجر ہے۔ اور جو لوگ پہلے خاموش گذرے ان کے لئے عذر ہے۔ اشیاء کی تقدیر ازل سے ہی دست قدرت میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل بے نہایت سے جس کو چاہتا ہے فضیلت عطا فرماتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مخالفین اذان بیرون مسجد شریعت کو رد کرتے ہیں۔ اور احیائے سنت کا راستہ مسدود کرتے ہیں۔ اس لئے کہ جب کوئی بندہ خدا احیائے سنت اور امانت بدعت کیلئے اٹھے۔ اسے یہ کہہ کر روکا جا سکتا ہے۔ کیا آپ سے پہلے علمائے دین نہ تھے؟ کیا وہ سب جاہل تھے؟ کیا وہ سب غافل تھے؟ یا آپ ان سب سے بڑے عالم ہیں۔ تو یہ صورت حال اس حدیث کریم کا مصداق ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ سچا جھٹلایا جائے گا۔ اور جھوٹے کو شاباشی ملیگی معروف و مشروع باتیں ناپسند ہونگی۔ اور منکرات کو قبول کیا جائے گا۔

یہ ان لوگوں کی مراد اور حیلہ جوئیوں کا جواب ہے۔ اور مکر سے آدمی اپنے نفس کو ہی دھوکہ دیتا ہے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کے طلبگار ہیں۔

یہاں تک ہم ان کی مشترکہ جدوجہد کی تنقید سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اب انفرادی کاوشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ توفیق خیر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

نفحہ (۱۵)

بعضوں نے ایک اثر نقل کیا جسے جویبر نے اپنی تفسیر میں ضحاک عن بردبن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ عنہم روایت کیا کہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے موذنوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کیلئے خارج مسجد اذان دیں تاکہ لوگ سن لیں، اور یہ حکم دیا کہ آپ کے سامنے اذان دی جائے جیسا کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ہوتا تھا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نئی اذان شروع کی۔

اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اذان بین یدیہ خارج مسجد نہیں تھی۔ اور اس اذان کیلئے یہ کہنا کہ یہ اذان عہد رسالت اور زمانہ صدیقی رضی اللہ عنہ میں ایسے ہی ہوتی تھی۔ اس لئے صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ یہ اذان ان زمانوں میں اندرون مسجد ہوتی تھی۔

جواب ۔ اولاً : ہم نویں فقہی نفعہ میں بیان کر آئے ہیں۔ کہ مسجد کے تین اطلاقات ہیں۔ اسی اعتبار سے خارج مسجد کے بھی تین معنی ہوں گے۔ اثر مذکور میں آئے ہوئے لفظ حتی یسمع الناس اور ابتدعناہ عند کثرۃ المسلمین ۔ اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ یہاں خارج مسجد سے مراد معنی ثالث ہیں، اور معنی ثانی ہو تو بھی ہمکو کچھ ضرر نہیں کہ ہم بھی تو اسی کے قائل ہیں۔ کہ حدود مسجد کے اندر ہو۔ مگر موضع صلاۃ سے باہر ہو مسجد کے اطلاق کی مذکورہ بالا توضیح ایسے تمام شبہوں کیلئے نسخہ شفا ہے۔

ثانیاً ۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ یہ حضرات حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح کو رد کرتے ہیں بلکہ حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق پر جرح کرتے ہیں۔ جن کی توثیق پر عام ائمہ حدیث و نقہ متفق ہیں۔ اور جویبر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ جویبر اور ابن اسحاق میں رات اور صبح صادق کا فرق ہے۔ نہ تو تہذیب و کامل میں جویبر کی توثیق کسی ائمہ تعدیل سے مروی، نہ تہذیب التہذیب میں، نہ میزان الاعتدال میں، نہ لآلی موضوعہ، نہ علل متناہیہ نہ خلاصۃ التہذیب مع زیادات میں، ہے تو صرف جرح ہے۔

• چنانچہ نسائی علی بن جنید، اور دارقطنی فرماتے ہیں ——— متروک ہے۔

- ابن معین فرماتے ہیں ——— کچھ نہیں ضعیف ہے۔
- ابن المدینی فرماتے ہیں ——— بے حد ضعیف ہیں۔
- یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا ——— جن سے روایت نہ کیجائے۔
- امام ابوداؤد نے فرمایا ——— وہ ضعیف پر ہیں۔
- ابن عدی فرماتے ہیں ——— انکی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے۔
- حاکم ابواحمد نے فرمایا ——— انکی حدیثیں ضائع ہیں۔
- حاکم ابوعبداللہ نے فرمایا ——— میں انکی حدیثوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف برأت ظاہر کرتا ہوں۔
- امام ابن حبان فرماتے ہیں ——— ضحاک الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتے ہیں۔
- لآلی میں فرمایا ——— ہلاک کرنے والے، برباد کرنے والے سخت متروک ہیں۔
- اسی کے حاشیہ میں لسان المیزان سے منقول ہے ——— محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہیں۔
- تقریب میں ہے ——— بے حد ضعیف ہیں۔
- احمد بن سیار نے فرمایا ——— تفسیر میں ان کا حال ٹھیک ہے۔ اور روایت میں کمزور ہیں
- یحییٰ ابن سعید نے فرمایا ——— حدیث میں ان پر بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ روایت نہیں کیجاتی، تفسیر لکھی جاتی ہے۔
- اتقان میں ان کے ذکر کے بعد فرمایا ——— ضحاک کی روایت ابن اسحاق سے منقطع ہے اور اگر ضحاک سے جویبر روایت کریں تو اور شدید ہے اور یہ متروک ہیں۔

تو یہ کتنی بے شرمی کی بات ہے کہ جویبر جیسے متروک الحدیث کی روایت سے سند پکڑی جائے اور محمد بن اسحاق جیسے ثقہ کی روایت چھوڑ دی جائے۔

ثالثًا۔ ان حضرات کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ محمد ابن اسحاق کی حدیث پر مطعون ہونے کا

الزام لگاتے ہیں۔ جب کہ مدلس کی معنعن حدیث میں روایت کے منقطع ہونے کا احتمال ہے اور روایت جویبر میں شدید ضعف کے ساتھ ساتھ مکحول عن معاذ روایت ہے جو یقیناً منقطع ہے۔

رابعًا۔ ان حضرات نے جویبر کے اثر کو فتح الباری سے نقل کیا۔ اور اس پر خود صاحب فتح الباری کی یہ جرح چھوڑ دیا۔ کہ یہ اثر مکحول اور معاذ رضی اللہ عنہم کے درمیان منقطع ہے۔

خامسًا۔ صاحب فتح الباری کی یہ تنقید بھی ترک کر دی۔ یہ روایت ثابت نہیں، کہ اس روایت میں ہے کہ عہد عمر کا یہ قصہ حضرت معاذ نے مکحول سے بیان کیا۔ جب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری سال شام گئے۔ پھر وہیں رہ گئے۔ مدینہ شریف واپس نہیں آئے۔ یہاں تک کہ طاعون عمواس میں ان کا وہیں انتقال ہو گیا۔

سادسًا۔ ان لوگوں نے صاحب فتح کی یہ تنقید بھی چھوڑ دی۔ کہ متعدد روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ اذان اول کا اضافہ کرنے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابن حجر کی ان تنقیدوں سے ثابت ہوا کہ یہ اثر منقطع ہے۔ معلول ہے، بخاری شریف کی احادیث صحیحہ مشہورہ کی مخالفت ہونے کی وجہ سے منکر ہے۔ اور ان حضرات نے سب کو چھوڑا تو خائن ہوئے۔

سابعًا۔ اس عبارت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے۔ تو بطور عبارۃ النص نہیں۔ بلکہ بطور مفہوم مخالف اور مفہوم مخالف بھی لقبی جو ائمہ احناف کے نزدیک اضعف المفاہیم ہے۔ یوں تو ہمارے ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا ہی اعتبار نہیں۔ مفہوم مخالف لقبی کا کیا ذکر، جو مالکیہ کے ایک مختصر گروہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اور دقاق شافعی اور اندلسی مالکی کا قول ہے۔

ثامنًا۔ بادشاہ کے پاس تین نفر آئے، ایک تو بادشاہ کے سامنے آیا لیکن باہری دروازے تک، دو اور پیچھے رہے۔ بادشاہ نے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ حاجب نے جواب دیا۔ ایک تو بادشاہ کے سامنے ہے۔ اور دو دربار سے باہر ہیں۔ تو صاحب جیسے بادشاہ کے

سامنے کہا گیا وہ دربار کے اندر تھا۔ وہ تو دروازہ پر ہی تھا۔ لیکن جہالت عجب عجب گل کھلاتی ہے۔

نفحہ (۱۶) مذکورہ بالا بیان سے حضرت طلق ابن علی کے اس اثر کا جواب بھی ہوگیا۔ جو امام نسائی نے نقل کیا۔

ہم مدینہ سے چل کر اپنے ملک میں پہونچے اپنے گرجا کو ہم نے ڈھا دیا۔ اور حضور کی خدمت سے لایا ہوا پانی وہاں چھڑک دیا۔ اور گرجا کی جگہ مسجد بنائی اور اس میں اذان دیا۔

اور ترمذی کے اس اثر کا بھی جواب ہوگیا۔ جو حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ

ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گئے۔ جس میں اذان ہو چکی تھی۔ اور ہم اسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے تھے۔ تو موذن نے تثویب کہی۔ تو حضرت عبداللہ مسجد سے نکل گئے۔

یہ دونوں حدیثیں اسی روایت کے ہم پلہ ہیں، جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے قوی بھی ہے۔

من سنن الهدیٰ الصّلوٰۃ فی مسجد الذی یوذن فیه، جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سنن ہدیٰ ہے۔

یہ اثر ہم نفحہ تاسعہ فقہیہ میں ذکر کر آئے۔ مگر ہمیں اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ کہ ہماری طرف سے اس کا جواب دو جلیل القدر امام فتح القدیر اور غایۃ البیان میں دے چکے ہیں۔

کہ ان حضرات نے مسجد کی شرح میں فرمایا۔ ای فی حدودہ لکراهة الاذان فی المسجد»

قال المجاهد دخلت مع عبد الله بن عمر مسجداً اذن فیه الحدیث۔

مطلب یہ کہ جس مسجد کے حدود میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنی سنت ہے۔ کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرنے والے نے اس عبارت میں اپنی طرف سے لفظ فیہ کا اضافہ کر دیا۔ اور حوالہ میں صلوٰۃ مسعودی کا نام لکھا۔ حالانکہ صلوٰۃ مسعودی میں یہ روایت صلاۃ امام سرخسی اور صلاۃ امام ابوبکر خواہر زادہ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔

ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دخل مسجداً الیصلی فخرج المؤذن فنادا بالصلاۃ (الحدیث) یعنی اصل عبارت میں فیہ کا لفظ نہیں ہے

سند اور استدلال کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ضعیف ایک اور حدیث ہے جس سے وہ غافل تھے ہم نے ہی ان کی رہنمائی کی تھی۔ تو بعض نے اس سے بھی سند پکڑی۔ ابن ماجہ نے وہ حدیث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کی۔

جس نے کسی مسجد میں اذان پائی۔ اس کے بعد مسجد سے بلاضرورت باہر رہا۔ اور واپس ہونیکا ارادہ بھی نہیں تو وہ منافق ہے۔

استدلال ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں فی المسجد ادراک کا ظرف ہے (یعنی اذان سننے والا مسجد میں تھا خود اذان مسجد میں نہیں ہوئی تھی۔ امام مناوی نے اپنی شرح بنام تیسیر میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔ من ادرك الاذان وھو فی المسجد (جس نے اذان اس حالت میں سنی کہ وہ مسجد میں تھا)

بلکہ خود ایک دوسری حدیث میں اس کی شرح یہی فرمائی گئی۔ امام احمد سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

جب تم مسجد میں ہو اور اذان دیجائے۔ تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلو!

اور انتہائی بے وقوفی یہ ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا جائے۔

میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس پر دو ہرے کپڑے تھے۔ تو اس نے مسجد کے اوپر کھڑے ہوکر اذان دی (اور ابو الشیخ نے اسی حدیث کی روایت میں لفظ علی سطح المسجد (مسجد کی چھت پر) کہا، اور اپنی دونوں انگلیاں اپنے کان میں ڈالیں (دراصل حضرت عبداللہ بن زید نے یہ معاملہ خواب میں دیکھا تھا۔

اور طبقات ابن سعد میں حضرت زید ابن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ:

مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا۔ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ ابتداء سے اسی پر اذان دیتے تھے۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنالی اور اس کی چھت پر کچھ اونچا کر دیا۔ تو اسی پر اذان دینے لگے۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ سب صورتیں مسجد بمعنی اول سے خارج ہیں۔ تو ان سے داخل مسجد اذان کے مدعیوں کو کیا حاصل؟ لیکن جاہل نفع اور نقصان میں فرق نہیں کرتا۔ اور بیوقوف اپنی کھر سے ہی اپنی موت کرید تا ہے۔

نفحہ (۱۷) دو بے وقوفوں نے ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا۔ جو حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے۔ تو اے عبداللہ، بلال رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ۔ تم تلقین کرو اور بلال پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بلال کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلمات

اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دہراتے "

یہ استدلال ہذیان جیسا ہے۔

اولاً۔ مسجد کی طرف جانے اور مسجد میں داخل ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے (اور حدیث شریف میں مسجد کی طرف جانے کی بات ہے۔ مسجد میں داخل ہونیکی نہیں)

ثانیاً۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مبارک، اور حجرہ ازواج مطہرات میں کوئی فاصلہ نہ تھا حجرے مسجد کے مشرقی کنارہ پر ہی تھے۔ تو دروازہ سے باہر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نشست گاہ مسجد مبارک ہی میں تھی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حضرت عبد اللہ بن زید کا آنا۔ قریب صبح رات کے آخری حصہ میں تھا۔ اس کی تصریح امام ابو داؤد نے اپنی روایت میں کی ہے۔ اور ابن ماجہ نے اپنی روایت میں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی حاضری آخری شب میں فجر سے کچھ پہلے تھی۔ الفاظ دونوں روایتوں کے مندرجہ ذیل ہیں۔

فلما اصبحت اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ (ابی داؤد)

فطرق الانصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ رات میں انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ (ابن ماجہ)

اور یہ وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باہر جانے کا نہ تھا۔ نہ کسی کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کا تھا۔ تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا تو مسجد مبارک میں تھے۔ یا حجرہ شریفہ میں تو اس صورت حال کے پیش نظر حضرت عبد اللہ اس وقت مسجد میں ہی تھے (روایات سے یہی ظاہر ہے۔ ورنہ اس کا احتمال تو ہے ہی (جو استدلال کو باطل کر دیتا ہے) اور مسجد میں موجود رہنے والے سے یہ کہنا جائے کہ مسجد کی طرف جاؤ۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ مسجد سے نکل کر پھر مسجد میں آؤ۔ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مسجد کی انتہائی حد تک جاؤ۔ گویا سرکار ان الفاظ سے یہ رہنمائی کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کے حدود میں اذان دی جائے۔ مسجد میں نہیں۔ نہ مسجد سے بہت دور جیسا کہ آسمان سے اترنے والے فرشتے نے انھیں دکھایا تھا۔

پس یہ حدیث تو مخالفین کے خلاف ہماری دلیل ہے۔ اور وہ اس کو الٹ رہے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل کہ فرشتے نے انھیں مسجد سے باہر اذان دیکر دکھایا تھا۔ یہ ہے کہ وہ مسجد کی چھت پر دیوار کے اوپر کھڑا ہوا تھا۔ اور وہ تعلیم کے لئے ہی آیا تھا۔ اس لئے آپ نے حکم دیا۔ کہ اندرون مسجد سے نکل کر مسجد کے کنارے کی طرف جاؤ۔ فالحمد للہ۔

ثالثاً۔ اور ان سب سے قطع نظر کیا جائے تو ہم ایک تام اور عام جواب دے چکے ہیں کہ ایسی تمام روایتوں میں مسجد سے اس کے دوسرے اور تیسرے معنیٰ مراد ہیں۔

نفحہ (۱۸) بعض وہابی صاحبان نے اپنا مقصد قرآن پاک سے ثابت کرنے کا قصد کیا ہے۔ حالانکہ قرآن عظیم باطل کا مددگار نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن عظیم نے فرمایا۔

(اے ابراہیم) لوگوں سے حج کا اعلان کرو۔

اور سعید بن منصور اور دوسرے محدثین نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا۔ تو آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے فرمایا (جسے مشرق و مغرب کے سبھی لوگوں نے سنا) کہ اے لوگو اپنے رب کا جواب دو۔

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر اعلان کیلئے کھڑے ہوئے۔ تو انھیں لے کر بلند ہونے لگا۔ یہاںتک کہ زمین کے تمام پہاڑوں

سے بلند ہوگیا۔ آپ نے اسی بلندی پر سے لوگوں میں حج کا اعلان کیا۔ جو سات سمندروں کی تہ سے بھی سنا گیا۔

ابن جریر نے حضرت مجاہد سے روایت کی، اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہم سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر پکارا اے لوگو! اللہ تعالٰی نے تم پر حج فرض کیا، تو باپوں کی پشت سے اور ماؤں کے شکم سے لوگوں نے ان کی آواز سنی۔

مستدلین کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے وقت وہ پتھر مطاف کے اندر دیوار کعبہ کے قریب تھا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح لباب میں فرمایا۔

بحر میں کہا گیا کہ علماء نے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ کہ مقام ابراہیم عہد رسالت میں کعبہ شریف سے بالکل متصل تھا۔ ابن جماعہ نے اسی کو صحیح کہا۔

اور ازرقی نے روایت کی کہ مقام ابراہیم جہاں آج ہے وہیں جاہلیت اور عہد رسالت اور زمانہ ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما میں تھا۔

اور ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے متصل ہی تھا۔ پھر بعد میں کسی حکمت کی وجہ سے موجودہ مقام تک کھسکایا گیا۔ حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہوکر کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی۔ تو وہ اسی حال پر دیوار کعبہ کے پاس ہی پڑا رہا۔

ایسا ہی تاریخ ثعلبی اور بقیہ کتب تاریخ میں تحریر ہے:

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواریں چنتے تھے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے۔ جب دیواریں بلند ہوگئیں، تو مقام ابراہیم اسی کے قریب لایا گیا۔ اور آپ اسی پر کھڑے ہوکر دیواریں چنتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اعلان حج کے وقت بھی وہ پتھر وہیں پڑا رہا۔ بعد میں کسی مصلحت پر

کچھ اور کھسکا دیا گیا۔

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ عہد قدیم سے ہی وہ موجودہ مقام پر ہی ہے، تب بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہے کہ موجودہ جگہ بھی مطاف میں ہی ہے۔ اس لئے کہ مطاف وہ جگہ ہے جہاں سنگ مرمر بچھا ہوا ہے۔ اور مقام ابراہیم اسی میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اذان داخل مسجد مطلقاً جائز ہے۔ اس میں نہ تو کوئی کراہت نہ کوئی بدعت۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ استدلال ہذیان سے بھی آگے ہے۔ اور پاگلوں بے وقوفوں اور بچوں کے لئے بھی قابلِ رشک ہے۔

اولاً ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عہد جاہلیت میں مقام ابراہیم کے دیوار کعبہ کے متصل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ عہد خلیل علیہ السلام میں بھی وہیں رہا ہو۔ اور موجودہ حالت پر قیاس کر کے ایک اِدھر اُدھر منتقل ہونے والی چیز پر ماضی کا حکم لگانا جائز نہیں۔ اور ایسے قیاس سے کوئی یقینی بات ثابت نہیں ہوتی۔ اسی لئے تو اس کی تعبیر ظاہر اور الظہرے کی ہے۔ اور ظاہر دلیل پکڑنے والے کے لئے مفید نہیں۔ اس سے معترض کو فائدہ پہونچتا ہے اور آپ مستدل ہیں۔

ثانیاً ۔ تاریخ قطبی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ پتھر عہد ابراہیم علیہ السلام سے اسی مقام پر قائم ہے۔ پھر اس روایت کو سند میں ذکر کرنا جہالت ہے۔

ثالثاً ۔ قطبی کی روایت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مقام ابراہیم کا ٹھکانا کہیں اور تھا۔ تعمیر کی ضرورت سے دیوار کعبہ کے پاس لایا گیا۔ اور عادت یہ ہے کہ جو چیز ضرورۃً کہیں رکھی جاتی ہے۔ ضرورت پوری ہونے کے بعد وہاں سے علیحدہ کر لی جاتی ہے۔ خود حرم شریف میں یہ دستور دیکھا گیا کہ دخول عام کے دن سیڑھیاں اور منبر لگا دیئے جاتے ہیں۔ پھر علیحدہ

کر لئے جاتے ہیں۔ اوران کے اصل مقام پر انھیں لوٹا دیا جاتا ہے۔

رابعًا۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پتھر دیوار کے قریب تھا۔ تب بھی یہ گمان کرنا کہ اعلان بھی اسی مقام سے کیا گیا۔ زعم باطل ہے۔ جس کی کوئی دلیل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس پتھر کے وہاں سے منتقل ہونے کی کوئی روایت نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ منتقل نہیں ہوا۔ تو ہم بتا چکے ہیں کہ یہ استصحاب ہے جس سے مستدل کو فائدہ نہیں پہونچتا۔

خامسًا۔ اس امر کی روایت ہے کہ مقام ابراہیم اعلان حج کے وقت موجودہ مقام پر موجود نہیں تھا۔ جس سے تمام اوہام کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ازرقی نے ہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ

> میں نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ سے مقام ابراہیم میں پڑے ہوئے نشان کے بارے میں سوال کیا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا۔ اعلان سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ اس پتھر کو لیا کر کعبہ کے دروازہ کے سامنے رکھا جائے۔ اور آپ اسی پتھر کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔

سادسًا۔ اس شبہ کو جڑ بنیاد سے اس طرح ختم کیا جا سکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے اعلان حج کے وقت مقام ابراہیم پر کھڑے ہونے کی روایت اسرائیلی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بنی اسرائیل کی روایت قبول فرماتے تھے۔ جیسا کہ کس بسوتہ روایت میں انھوں نے کیا۔ ابن ابی حاتم ربیع ابن انس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب سے روایت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ یہ حضرت موسیٰ و خضر علیہم السلام کی ملاقات کے قصہ میں ہے۔ مندرجہ ذیل روایت

کو بھی ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی ثابت رکھا کہ :

میں نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے سدرۃ المنتہی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ انتہائی حد پر ایک بیری کا درخت ہے۔ جہاں تک فرشتوں کا علم پہنچتا ہے۔ اور میں نے ان سے جنۃ الماویٰ کے بارے میں پوچھا۔ تو انھوں نے فرمایا ایسا باغ جن میں شہدار کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں رہ کر سیر کرتی ہیں۔

ابن جریر نے شمر سے روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت کعب کے پاس آئے اور سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں پوچھا۔

(القصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے۔ اور روایت مبحوثہ بھی اسرائیلی ہے۔) ادھر امیر المومنین مولا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ثبیر پر چڑھ کر اعلان حج فرمایا تھا۔ عبدالرزاق وغیرہ نے معمر سے انھوں نے ابن جبیر سے انھوں نے حضرت علی سے (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) روایت کی کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی بنا سے فارغ ہوئے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جبریل امین کو بھیجا۔ اور انھوں نے حضرت ابراہیم علیہم السلام کو حج کرایا۔ آپ نے عرفات کو دیکھ کر فرمایا میں اس میدان کو پہچان گیا — (ایک بار اس سے قبل بھی حضرت خلیل یہاں آئے تھے) اور اسی وجہ سے اس کا نام عرفہ پڑا۔ یوم النحر کے دن شیطان نے آپ سے تعرض کیا۔ تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے اسے سات کنکری مارنے کی ہدایت کی، اور آپ نے ابلیس کو سنگسار کیا۔ پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ اسی لئے حج میں رمی جمار شروع ہوئی۔ حضرت جبرئیل امین نے

فرمایا کوہ ثبیر پر چڑھو۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے ثبیر کی پہاڑی پر چڑھ کر اعلان فرمایا۔ اے بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی پکار کا جواب دو اے بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ تو ان کا یہ اعلان ساتوں سمندر سے سنا گیا۔

یہ سند ہمارے اصول پر صحیح ہے۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے۔ اور معاملہ چونکہ قیاسی نہیں، بالکلیہ سماعی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چونکہ اہل کتاب کی روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لئے لامحالہ یہ بات انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہی سن کر بیان فرمائی۔ تو اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اعلان حج منا شریف کے پہاڑ سے ہوا۔ اور یہ بات ساقط الاعتبار ہو گئی کہ اعلان حج مسجد کے اندر مقام ابراہیم سے ہوا۔ اور ان دونوں روایتوں میں کوئی ایسا تعارض بھی نہیں۔ کہ جبل ثبیر بھی حدود حرم کے اندر ہی ہے چنانچہ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی سارا حرم مقام ابراہیم ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباس سے تو یہ بھی مروی ہے کہ مقام ابراہیم پورا حج ہے۔

سابعًا۔ اعلان حج کے مقام میں حضرت ابن عباس سے روایتیں مضطرب ہیں۔ بعض میں تو وہی مقام ابراہیم ہے۔ اور بعض میں یہ ہے کہ جبل ابو قبیس پر اعلان حج ہوا۔

چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابو قبیس پر چڑھے اور کہا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر

اشهد ان لا الٰه الا الله ۔ واشهد ان ابراهيم رسول الله

اے لوگو مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میں لوگوں میں حج کا اعلان کروں، تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کی پکار کا جواب دو۔

اور بعض روایتوں میں جبل ابو قبیس کے بجائے کوہ صفا کا ذکر ہے۔ ابن حمید کی یہ روایت امام مجاہد سے اسی طرح مروی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ مقام صفا پر لوگوں کو حج کا اعلان کریں۔ آپ نے ایسی آواز سے پکارا کہ مشرق و مغرب کے لوگوں نے سنا۔
اعلان کے الفاظ یہ تھے۔ اے لوگو اپنے رب کی پکار کا جواب دو۔

ابوحاتم اور ابن منذر نے عطا سے روایت کی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ صفا پر چڑھے، اور پکارا اے لوگو اپنے رب کا جواب دو۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت مجاہد کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہی ہے تو اس روایت میں تین اضطراب ہوئے۔ ورنہ دو ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔

پس اس اعتبار سے بھی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت راجح اور اولی بالاخذ ہے۔ اسی لئے قلبی نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین کی روایت پر ہی اعتماد کیا۔ اور دوسری روایتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔

ثامناً ساری بحث و مباحثہ کے بعد اعلان حج اگر مسجد حرام میں ہونا ثابت بھی ہو تو یہ گذشتہ شریعت کا ایک فعل ہوگا۔ اور گذشتہ شرائع کے احکام ہمارے لئے دلیل نہیں۔ جب تک قرآن و حدیث میں اس کا بیان بلا انکار نہ ہو۔ چنانچہ اصول امام بزدوی، منار اور فن اصول کے بقیہ تمام متون و شروح میں اس کی تنصیص ہے۔ امام النسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الاسرار میں فرمایا۔

ہم نے اس میں یہ شرط لگائی کہ اللہ و رسول بے انکار اس کا بیان فرمائیں، اہل کتاب کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور جو ان کی کتاب سے ثابت ہو اس کا بھی۔ کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کر دی ہے۔

اسی طرح اہل کتاب اسلام لانے والوں کی بات کا بھی بھروسہ نہیں کہ ان لوگوں نے

انھیں محرف کتابوں میں دیکھا ہوگا یا انھیں کی جماعت سے سنا ہوگا۔

(دیکھئے کشف الاسرار للبخاری مثلہ)

بحرالعلوم حضرت علامہ عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ نے فواتح الرحموت میں فرمایا:

خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی بات پر اعتماد ہونا چاہئے کہ وہ تو بلاشبہ سچے تھے۔ اور ان کی بات میں تو جھوٹ کا احتمال نہیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے تو اسی محرف کو کلام الٰہی سمجھ کر سیکھا ہوگا۔ کیونکہ تحریف تو ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔

اور اعلان حج کی یہ روایت ایسی ہی ہے۔ نہ تو قرآن عظیم میں اس کا بیان ہے نہ کسی حدیث مرفوع میں ہی اس کا تذکرہ ہے۔ تو سرے سے اس حدیث سے استدلال ہی غلط ہے۔

یہ بھی اس صورت میں کہ مخالفین کا دعویٰ یوں کا توں تسلیم کرلیا جائے۔ ورنہ تفصیل گذر چکی کہ مسجد حرام کے اندر اعلان حج کا تذکرہ نہ کسی مسلمان سے مروی نہ کتابی سے نہ کافر سے اندرون مسجد کی بات تو صرف ان وہابی صاحب کی ہے، تو وہ اپنے دعویٰ میں اپنی خواہش نفس سے ہی استدلال کرتے ہیں۔

تاسعًا۔ قابلِ تعجب بات تو یہ ہے کہ۔ مقام ابراہیم اب بھی مطاف کے اندر ہے" یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے جس کی شہادت ہر حاجی دے سکتا ہے۔

عاشرًا۔ اس سے زیادہ حیرتناک یہ انکشاف ہے کہ جہاں تک سنگ مرمر بچھا ہے سب مطاف ہے۔ جہاں تک عہد رسالت میں مسجد تھی۔ تو زمزم شریف کا ارد گرد بھی عہد رسالت کی مسجد میں شامل ہو گیا۔ کہ وہاں بھی سنگ مرمر بچھا ہے۔ اور اگر کسی بادشاہ نے پوری مسجد حرام میں سنگ مرمر بچھا دیا تو وہ بھی عہد رسالت کی مسجد حرام ہو گئی۔ حالانکہ مطاف تو سنگ مرمر کا گول دائرہ ہے۔ جو کعبہ مکرمہ کے گرداگرد ہے۔ اور جس کے کنارہ پر باب السلام

ہے اور بلاشبہ مقام ابراہیم کا قبہ اس سے باہر ہے ۔ اور اہل مکہ ایسے کم عقل تو نہ تھے ۔ کہ نفس مطاف میں قبہ بناتے اور لوگوں پر مطاف کو تنگ کرتے ۔

نفحہ (۱۹) مسجد کے اندر اذان جائز ہونے پر اس آیت سے بھی مخالفین نے استدلال کیا ہے ۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو مسجد میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے منع کرے ۔

اور آیت مبارکہ

اور مسجد جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت ہوتا ہے ۔

اور آیتِ گرامی ۔

ان گھروں کو اللہ تعالیٰ نے بلند کرنے کا اور اس میں اپنا نام لینے کا حکم دیا ۔

اور بقول صاحب مشکوٰۃ صحیحین کی ایک حدیث ۔ ورنہ مخرجین نے اسے صرف مسلم کی حدیث قرار دیا ہے ۔

یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لئے نہیں ۔ یہ تو ذکر الٰہی ۔ نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہیں ۔

ہمارے جوابات :- اولاً ہم نفحہ قرآنیہ میں اس شبہ کو بالکلیہ حل کر چکے ہیں ۔ کہ اذان محض ذکر الٰہی ہی نہیں ہے ۔

ثانیاً ۔ مسجد میں اذان منع کرنے کا مطلب آواز بلند کرنے کو منع کرنا ہے ۔ اور ذکرِ الٰہی کے ساتھ آواز بلند کرنے کی ممانعت ذکر کی ممانعت نہیں ہے ۔ احادیث سے ثابت ہے کہ بعض مواقع پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر بالجہر سے منع فرمایا ۔ ارشاد نبوی ہے

اے لوگو اپنے نفسوں پر آسانی کرو ۔ تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں بلا رہے ہو تم تو سننے والے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو ۔

بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ذکر الٰہی سے رد کتے تھے۔ ہم ماسبق میں درر وغیرہ کے حوالہ سے واضح کر چکے ہیں کہ ـــــــ مسجد میں بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے۔

ملا علی قاری کی مسلک متقسط میں ابن ضیار کی تصریح ہے کہ۔ مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے چاہے ذکر الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔

کافی حاکم شہید مجموعہ کلام امام محمد، اور محیط، فتح القدیر، بحر الرائق، شرح لباب و شامی وغیرہا میں ہے ـــــــ طواف میں بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا منع ہے۔

تو پناہ بخدا کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ سارے ائمہ و علماء معاذ اللہ قرآن و حدیث کی مذکورہ بالا وعید میں داخل ہیں۔ وہ حضرات تو اس وعید سے بلاشبہ پاک ہیں، یہ خود آپ کی اپنی گمراہی ہے۔

ثالثاً۔ یہ وعید شدید ان ائمہ کرام پر بھی وارد ہوگی جنھوں نے مسجد کے اندر اذان کی کراہت پر تنصیص فرمائی۔ وہ تو بلاشبہ اس سے اللہ تعالیٰ کے امن میں محفوظ ہیں۔ ہاں جو ان پر طعن و تشنیع کرے وہی ہلاکت کے گڈھے میں مقہور و مردود ہے۔

رابعاً۔ یہ وہابیہ حضرات بدعت کی بحث میں دارمی کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہیں۔ جو آپ سے مروی ہے کہ۔

آپ نے ان لوگوں پر انکار کیا۔ جو ایک مسجد میں گروہ در گروہ حلقہ بنا کر بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر حلقہ میں ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو۔ بار لا الٰہ الا اللہ پڑھو اور سو بار تسبیح کرو۔ بقیہ لوگ اس کی بات پر عمل کرتے۔

آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ کیا تم لوگ اس ملت میں ہو جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی زیادہ ہدایت پر ہے۔ یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔

ان لوگوں نے عرض کی یا ابا عبد الرحمٰن اپنے اس فعل سے ہم لوگ بھلائی کے طلبگار تھے۔ آپ نے فرمایا کتنے بھلائی کے طالب اس تک پہونچتے ہیں؟

ہم نے اپنے فتاویٰ کی گیارہویں جلد میں اس کے متعدد بھرپور جواب دیئے ہیں۔ لیکن خود ان حضرات سے ان کی یہ محبوب دلیل کہاں رہ گئی۔ یا پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی وعید من اظلم میں شامل کرتے ہیں۔ اور ان سے کچھ بعید بھی نہیں یہ لوگ تو اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دے چکے ہیں۔ تو قیامت میں انھیں پتہ چلے گا کہ کہاں پلٹائے گئے ہیں۔

نفحہ (۲۰)

ہم شمامہ عودیہ کے آٹھویں نفحہ میں ذکر کر آئے ہیں۔ کہ امام دارالہجرۃ عالم مدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اکثر اصحاب نے اس اذان کو بدعت مکروہہ قرار دیا ہے۔ اور اپنے علم کے اعتبار سے اس اذان کا مقام مسنون منارہ کو قرار دیتے ہیں۔ مگر ابوداؤد کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے۔ اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ سے ثابت ہے۔ اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب تحقیق نے جن میں حافظ ابوعمر بن عبدالبر بھی ہیں۔ اس کی مخالفت کی اور اذان خطبہ کے منارہ پر مسنون ہونے کو بعض اصحاب مالک کا قول بتایا۔

حالانکہ کافی فقہی میں اسے امام مالک صاحب مذہب رحمۃ اللہ علیہ کا قول بتایا۔

تو ایسا بھی ممکن ہے کہ ابن عبدالبر کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دوسری روایت ملی ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو سہو لاحق ہوا ہو۔ اور بھول چوک تو انسان کے لئے ہی ہے۔

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب استذکار میں جو فرمایا۔ شیخ خلیل نے اسے اپنی توضیح میں نقل کیا۔ ان سے مواہب میں نقل ہوا۔ ہم استذکار کی عبارت امام زرقانی مالکی کی شرح

کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

استذکار میں ہے۔ (یہ موطا کی ایک مختصر شرح ہے، جسے ابن عبدالبر نے تحریر کیا ہے) کہ ہمارے بعض اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہوگئی۔ تو ان لوگوں نے عہد رسالت اور عہد شیخین میں اذان جمعہ کے خطیب کے سامنے ہونے سے انکار کیا۔ اور یہ کہا کہ یہ تو ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ کی ایجاد ہے۔ یہ علم حدیث سے کم واقفیت رکھنے والوں کا قول ہے (اور اس سے صاحب استذکار کی مراد شاید داؤدی ہیں) پھر اسی استذکار میں اپنے قول پر سائب ابن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث سے استدلال کیا جو بخاری میں مروی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس حدیث کا اشکال ابن اسحاق عن زہری عن سائب ابن یزید نے زائل کر دیا۔ اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو آپ کے سامنے اذان ہوتی۔ اور ایسا ہی ابو بکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی ہوتا رہا۔ اھ

تو دیکھئے کہ اعلام مالکیہ دو فرقہ ہو گئے۔ ان کے جمہور کا قول ہے کہ خطیب کے سامنے اذان بدعت ہے۔ سنت تو منارہ کی اذان ہے۔ اور جمہور کے اس قول کی مخالفت انھیں میں کے کچھ لوگوں نے کی کہ مسنون اذان تو خطیب کے سامنے کی ہے۔ اور اس کی شہادت میں ابن اسحاق کی حدیث محولہ بالا پیش کی اور یہ ضروری بھی تھا کہ ابن اسحاق کی حدیث کے علاوہ کسی روایت میں "بین یدیہ" کا لفظ نہیں ہے۔ تو حدیث ابن اسحاق جمہور مالکیہ کی رائے کی مخالفت کرنے والوں کی سند ہے۔ جسے وہ اپنے جمہور پر رد کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان منازعین نے اس حدیث ابن اسحاق کو بھی رد کیا ہے۔

لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو اشتباہ ہو، اور انھوں نے رد کو بھی مردود سمجھ لیا: (یعنی یہ سمجھا کہ منازعین اپنے جمہور کے قول کی طرح حدیث ابن اسحاق کو بھی رد کرتے ہیں)

اسی لئے وہ فرماتے ہیں :

" بعض مالکیہ نے ابن قاسم سے انھوں نے امام مالک سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ خطیب کے سامنے نہیں، بلکہ منارہ پر ہوتی تھی۔ ایسا ہی ابن عبدالبر نے امام مالک سے روایت کیا کہ امام کے سامنے اذان ہونا۔ امر قدیم نہیں۔

اور محمد بن اسحاق کی جو حدیث طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دروازہ مسجد پر اذان دیتے تھے۔ اس کی مخالفت مالکی حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی تھی (دروازہ مسجد پر نہیں) اور یہی روایت بخاری کا مقتضی ہے۔

(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تفصیل کے بعد دوسرے گروہ کے اس قول "اذان تو خطیب کے سامنے ہوتی جیسا کہ روایت بخاری کا مقتضا ہے" کا رد کرتے ہوئے فرمایا)

بخاری کی روایت میں نہ بین یدیہ کا ذکر ہے نہ باب مسجد کا۔

ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ " روایت بخاری میں کسی بات کی تصریح نہیں " بجا ہے۔ لیکن منازعین کا استدلال دراصل روایت ابن اسحاق سے ہے (جس میں لفظ بین یدیہ مذکور ہے) بخاری کا نام تو یہ بتانے کے لئے لیا گیا ہے۔ کہ روایت ابن اسحاق کی اصل بخاری میں ہے۔ بخاری نے یہ حدیث مختصر روایت کی اور ابن اسحاق کی سند سے یہی حدیث ابو داؤد نے مفصل تخریج کی ہے۔ اور یہی استدکار کی عبارت سے بھی ہویدا ہے۔

(ایسی صورت میں) بھلا حدیث ابن اسحاق پر اس بات سے کیسے رد ہو سکتی ہے کہ ۔ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی، خود حدیث ابن اسحاق بھی تو اسی امر کو ثابت کر رہی ہے کہ یہ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی۔ تو ایک بات کو خود اسی سے رد

کرنے کے کیا معنی ؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کو اپنی یادداشت پر بھروسہ کرکے لکھا۔ اگر منازعت کرنے والوں کے کلام کو پھر دیکھ لیا ہوتا۔ تو انھیں یہ معلوم ہوجاتا کہ منازعین یہ نہیں کہتے کہ حدیث بخاری میں جمہور ائمہ مالکیہ کا رد ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث ابن اسحاق کا بھی رد نہیں کرتے۔ وہ تو اس حدیث کو اپنے جمہور کی رائے کے خلاف سند میں پیش کرتے ہیں۔

اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں۔ کیونکہ اذان کے خطیب کے سامنے ہونے کی تصریح صرف حدیث ابن اسحاق میں ہے۔ تو جو بات خود حدیث ابن اسحاق ہے۔ اسی سے اس حدیث کو رد کیسے کیا جا سکتا ہے۔

لیکن حضرت علی قاری بھول گئے اور خود حدیث اور کلام منازعین کو بھی نہیں دیکھا۔ اور جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

اور جب ان کے دل میں یہ بات جم گئی کہ اذان بین یدیہ کے قائل مالکی حضرات حدیث ابن اسحاق کا رد کرتے ہیں۔ اور اصحاب بین یدیہ کے قول اور روایت ابن اسحاق میں جبھی منازعت ہوگی کہ ان کی حدیث میں آتے ہوئے لفظ باب مسجد سے مراد مسجد نبوی کا ایسا دروازہ ہو، جو ممبر کے سامنے نہ ہو تو ان کے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ حدیث ابن اسحاق میں مذکور باب مسجد سے مراد یا تو مسجد کا مشرقی دروازہ ہے یا مغربی، اور اس کو مزید تائید اس امر سے ہوئی کہ ان کے زمانہ میں بلکہ ان کے عہد سے ڈیڑھ سو سال قبل سے ہی مسجد شریف کا شمالی دروازہ جو ممبر کے بالمقابل تھا۔ ختم ہوگیا تھا۔ اور لوگوں نے وہاں اپنے گھر بنا لئے تھے۔ جیسا کہ علامہ سمہودی نے تحریر فرمایا ہے۔ تو انھیں یہی معلوم ہوا کہ بین یدیہ اور باب المسجد دو مختلف سمتوں میں ہیں۔ اسی لئے انھوں نے اصحاب بین یدیہ کو روایت ابن اسحاق کا مخالف سمجھا۔

پھر پلٹ کر اصحاب بین یدیہ کا رد کیا، کہ حدیث بخاری میں تو بین یدیہ کا لفظ ہے ہی نہیں۔ پھر بین یدیہ روایت بخاری کا مقتضیٰ کیونکر ہوا۔ اس لئے آپ حضرات کا علی الباب والی روایت کو رد کرنا صحیح نہیں ہے۔

لیکن خود احناف اذان بین یدیہ کے قائل ہیں، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی ہی ہیں۔ اس لئے ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی کہ ممکن ہے ابتدا میں مسجد شریف کے باب شرقی یا غربی پر اذان ہوتی رہی ہو۔ جیسا کہ روایت ابن اسحاق یا کلام مالک میں ہے۔ لیکن بعد میں معاملہ سامنے پر ہی مستقل ہوگیا اور یہی مراد کلام منازعین کی بھی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ملا علی قاری کی یہ بات تو ایک اشتباہ پر مبنی ہے۔ پھر یہ توجیہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب کے بھی موافق نہیں کہ وہ تو مطلقاً اذان بین یدیہ کے منکر ہیں (پھر ایسی غیر مفید اور بے بنیاد تاویل سے کیا حاصل)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بعید تاویل بھی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ عہد رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو اذان باب مسجد پر دیتے تھے۔ وہ اذان نہ ہو صرف اعلان رہا ہو۔ اور یہی حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعلان کی اصل ہو۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے کر حضرت علی قاری جویبر کے مذکورہ بالا اثر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جس کو خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کر کے اس کا رد کیا ہے۔ اور وہیں ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے۔ ہم ذیل میں اسے نقل کرتے ہیں۔ اس سے اس تاویل کا مطلب بھی کھلے گا۔ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا منشا بھی ظاہر ہوگا۔ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اذان اول کا موجد قرار دیکر فرماتے ہیں:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اذان اول کا موجد ہونے کے معارض وہ اثر (اثر جویبر) نہیں ہو سکتا (جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اذان اول خارج مسجد دلائی کہ لوگ سن سکیں۔ پھر اذان بین یدیہ دلائی۔
اور فرمایا کہ ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ اذان ایجاد کی) کیونکہ یہ اثر منقطع
ہے اس کا ثبوت نہیں۔ اور حضرت عطار رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ
عنہ کو اذان اول کا موجد نہیں مانتے۔ ان کے بقول حضرت عثمان تو صرف اعلان
کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے جو اعلان شروع کرایا تھا۔ حضرت عثمان کے دور تک جاری رہا۔ پھر انھوں نے
اپنی رائے سے اس اعلان کے بجائے بلند مکان پر اذان دلانی شروع کردی
اور ان کے امام مطاع ہونیکی وجہ سے لوگوں نے اسی پر عمل درآمد جاری کر دیا۔
ہمارا کہنا یہ ہے کہ شیخ علی قاری کی یہ جد وجہد جمع کے بجائے قمع ہے۔ کیونکہ آخر میں انھوں
نے یہ اقرار کیا کہ حضرت ذوالنورین نے ابتدائی اعلان کو اذان کر دیا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
اذان اولی کے موجد ہوئے۔ اور حضرت عطار ابن رباح سرے سے ان کے موجد اذان ہونیکا
ہی انکار کرتے ہیں۔ تو ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی بات جمع بین القولین کیسے ہوئی؟
اس لئے جمع کا صحیح طریقہ وہی ہے کہ صاحب فتح الباری کی طرح کہا جائے (۱) مثبت
روایت (یعنی ذوالنورین کا موجد اذان اول ہوتا) نافی (یعنی قول عطار) پر مقدم ہے
(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اذان اول کا موجد ہونا ایسی روایتوں سے ثابت ہے۔
جس کی تردید نہیں ہوسکتی۔ اس لئے نہ تو حضرت عطار کے انکار کا کچھ فائدہ ہوگا۔ نہ تفسیر
جویبر کی روایت اثر انداز ہوگی۔
المختصر ہماری اس تفصیل سے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے معنی واضح ہوگئے۔
کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جس اذان کے بارے میں بین یدی الخطیب
یا علی باب المسجد یا علی المنار ہونے کی بات کہی جارہی ہے۔ وہ دراصل اذان نہ تھی۔ نماز جمعہ

کا اعلان تھا۔ اور یہی حضرت فاروق و عثمان کے اعلان بعدہ الاذان کی اصل ہے۔
لیکن حضرت علی قاری کی اس تطبیق پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے اعلان کا رواج عہد رسالت سے ہی تھا۔ تو پھر حضرت عمر نے یہی اعلان کر کے یہ کیسے کہا کہ ہم نے اس کی ایجاد کی ؟

ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ۔ یہ اعلان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عہد اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں موقوف ہوگیا رہا ہوگا۔ حضرت عمر نے اس کی تجدید کی اور اس کا نام ایجاد رکھا ہوگا۔ جیسا کہ تراویح کی جماعت کو بھی آپ نے البدعت کہا تھا۔ حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں دو تین یوم تراویح کی جماعت قائم فرمائی تھی۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام توجیہات کو ہوسکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ لفظ سے شروع کیا ہے۔ کسی بھی توجیہ کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ سلف صالحین میں سے کوئی ان کی کسی رائے میں ان کا ہم نوا ہے۔ نہ ان کی اس جدوجہد سے مختلف اقوال و روایات میں باہمی تطبیق کا مقصد ہی کچھ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے تمام امکانات اور احتمالات کا حاصل یہ ہے۔

> کہ عہد رسالت میں اعلان جمعہ مسجد نبوی کے دروازہ پر ہوتا تھا۔ پھر امام جب منبر پر بیٹھتا تو اس کے سامنے اذان خطبہ ہوتی۔ پھر عہد نبوت کے آخری دور یا عہد صدیقی میں یہ اعلان متروک ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے پھر اس اعلان کی تجدید کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں بھی اس اعلان کو جاری رکھا پھر ان کی رائے ہوئی کہ اعلان کے بجائے اذان ہی دی جائے۔

تو وہ اذان جس کا ذکر روایت ابن اسحاق میں ہے۔ جسے وہ مسجد کے دروازہ پر بتاتے ہیں۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خطیب کے آگے نہیں ہوتی تھی۔ وہ دراصل یہی اعلان تھا اور اذان خطبہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوتی تھی۔ مگر اس پر مندرجہ ذیل اشکالات ہیں۔

اولاً۔ امام مالک رضی اللہ عنہ امام کے سامنے اذان خطبہ دینے سے منع کرتے تھے۔ اس سے قبل کے کسی اعلان کو نہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے علاوہ کوئی اعلان تھا ہی نہیں۔ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کو اسے روکنے کی ضرورت پڑے۔

ثانیاً۔ یہ تاویل حدیث ابن اسحاق کے بھی خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد جو چیز ہوتی تھی وہ دروازہ مسجد پر بھی تھی۔ اور وہی آپ کے سامنے بھی تھی۔ اور آپ کی تاویل کا مقصد یہ ہے کہ بین یدیہ اور باب مسجد دو علاحدہ جگہیں ہیں۔ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور بین یدیہ اذان ہوتی تھی۔ تو حدیث ابن اسحاق میں جو چیز مذکور ہے۔ اگر اذان ہے تو وہ در مسجد پر ہوتی تھی۔ اور اگر اعلان تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جو ہوتا تھا وہ بھی اعلان ہی تھا۔ پس دونوں باتوں میں کہاں موافقت ہوئی۔

ثالثاً۔ اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کے وقت یہی معروف مشہور اذان ہوتی تھی۔ اسی پر کثیر روایتوں کا اتفاق، اور جن اعلام کا اجماع قابل اعتماد ہے۔ ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ عہد رسالت و عہد صدیقی میں اس اذان کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا۔ ان زمانوں میں تثویب کا رواج بھی نہ تھا۔ ہاں نماز فجر کے لئے البتہ الصلوٰۃ خیر من النوم پکارا جاتا تھا۔ اگر اسے تثویب قرار دیا جائے۔ پس اگر روایت ابن اسحاق کی مصرح اذان کو اعلان قرار دیا جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا

کہ عہد رسالت میں جمعہ کیلئے اذان ہوتی ہی نہیں تھی۔ اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔ (رابعًا)
اور بقول حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ جب عہد رسالت کے اخیر یا عہد صدیقی میں یہ اعلان بھی موقوف ہو گیا۔
تو ان دونوں مبارک زمانوں میں جمعہ کیلئے نہ کوئی اعلان ہوتا تھا نہ اذان، اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔
خامسًا۔ اس صورت میں حضرت عمر کے قول۔ ہم نے مسلمانوں کی کثرت کیوجہ سے اسکو ایجاد کیا۔ کا
مطلب اعادت ہی ہوگا، تجدید نہیں۔ کیونکہ جو ہوتا ہے وہ تو زمانہ رسالت سے ہی چالو تھا۔
سادسًا۔ اس تقدیر پر اذان خطبہ ہی تو نو ایجاد ہوئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
اس کو اپنی ایجاد کہنا ہی صحیح ہوا۔
سابعًا۔ یہ اعلان حضرات فاروق وعثمان رضی اللہ عنہما کے اعلان کی اصل کیسے
ہوا۔ ان حضرات کا اعلان تو آپ ہی کے بیان کے مطابق اذان خطبہ سے پہلے ہوتا تھا۔ اور
جس کو آپ ان کے اعلان کی اصل بتا رہے ہیں۔ یہ تو عین امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت
ہوتا ہے۔ المختصر اس تاویل کے مفاسد بیان سے باہر اور شمار سے زائد ہیں، حقیقت
وہی ہے۔ جو ہم پہلے بیان کر آئے کہ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے یہ پوری بحث
احادیث اور کلام منازعین۔ اور کلام امام مالک اور ان کے متبعین کی طرف مراجعت کے بغیر
لکھ دیا۔ ورنہ یہ اوہام عارض ہوتے نہ حدیث ابن اسحاق کی تاویل نادرست ہوتی۔
عہد حاضر کے بعض جاہلوں کا اس بے جان بحث سے زندگی کی مدد چاہنا۔ ڈوبنے والے
کے تنکہ کا سہارا ڈھونڈنے کے مترادف ہے۔ اس بحث سے متعلق بعض باتوں کو ہم نفحہ
تاسعہ حدیثیہ میں ذکر کر چکے ہیں۔
لطف یہ ہے کہ اس بحث سے سہارا ڈھونڈنے والوں کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا۔ کہ
ان کا دعویٰ تو مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے۔ اور اس پوری بحث میں اندرون مسجد
اذان ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔
نفحہ (۲۱) قہستانی نے شرح نقایہ میں مصنف کے قول۔ دوسری اذان خطیب کے

سامنے ہو گی۔ کی شرح میں کہا۔

یعنی ان دونوں سمتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں متوازی جا رہی ہیں۔ ان کے قریب اور ان دونوں کے درمیان (یہاں لفظ وسط کی سین ساکن ہے)، تو زاویہ قائمہ کے اندر کھڑا ہو یا حادہ و منفرجہ سبھی صورتوں کو شامل ہے۔ یہ سب زاوے ان دونوں جہتوں سے پیدا ہوتے ہیں جو ان دونوں خطوط متوازیہ سے بنتے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار سے یہ عبارت اس صورت کو شامل ہے۔ کہ موذن کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو، لیکن اذان کا قرینہ اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ موذن کا چہرہ ہی امام کے چہرہ کی طرف ہو۔

اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ موذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ سب امام کی طرف رخ کریں۔ اور اس کی بات سنیں۔ اھ

قہستانی کی اس عبارت نے مخالفین کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اور اس عبارت کا حل کرنا انہیں مشکل پڑ رہا ہے۔ اور اس کا مطلب بیان کرتے ہیں وہ لوگ باہم متناقض ہیں۔ اور بعض نے تو اس سے اپنی جہالت کی دلیل فراہم کی۔ اور فی الحقیقت یہ عبارت مخالفین کے پریشاں خاطری کے اظہار کا ذریعہ۔ اور ان کی بے وقوفی کے ظہور کا سبب بنی۔ اور لطف یہ کہ قہستانی کا یہ بیان بھی خود کوئی قابل اعتماد بات نہیں۔

تو بتوفیق اللہ تعالیٰ پہلے ہم اس کلام کی تشریح کرتے ہیں۔ پھر اس کی کمزوری کا بیان کریں گے۔ پھر مخالفین کی جہالت واضح کریں گے۔ اس کے لئے چند توضیحی مقدمات کی تفہیم ضروری ہے۔

مقدمہ اولیٰ:۔ فقہاء کے قول بین یدی المنبر میں لفظ منبر بول کر مجازاً خطیب

مراد لیا گیا ہے۔ یہ نقلی دلیل سے بھی ثابت ہے اور عقلی دلیل سے بھی۔ دلیل نقلی صاحب بحر الرائق کا یہ قول ہے جو انھوں نے بحر میں فرمایا۔

قول بین یدیہ میں ضمیر خطیب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جو منبر پر بیٹھا ہو،

قدوری میں ہے۔

لفظ بین یدی المنبر میں منبر سے مجازاً خطیب مراد ہے۔ کہ اکثر محل بول کر حال مراد ہوتا ہے۔

ایسا ہی سراج الوہاج میں بھی ہے، کہ منبر کا لفظ بول کر خطیب مراد ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ منبر اگر اتنا چوڑا ہو کہ اس کے عرض میں کئی آدمی کھڑے ہو سکتے ہوں۔ تو اگر امام منبر کی ایک طرف بیٹھا اور موذن دوسری طرف سامنے کھڑا ہوا تو اس نے سنت ترک کر دی کیونکہ اس صورت میں وہ امام کے مقابل نہیں ہے، منبر کے سامنے البتہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سنت یہی ہے کہ موذن خطیب کے سامنے ہو منبر کے سامنے نہیں۔ اس لئے کہ توجہ کا مقصود لکڑی نہیں ہے مسجد نبوی شریف میں کئی سال تک منبر تھا ہی نہیں تو لا محالہ موذن حضور امام الائمہ سید الانام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہی رخ کرتا تھا۔ یہ امر بالکل ظاہر ہے۔

مقدمہ ثانیہ:۔ مُغرب میں ہے۔

الوسط سین کی حرکت کے ساتھ نام ہے کسی چیز کے دونوں کناروں کے ٹھیک بیچ کا جیسے دائرہ کیلئے مرکز۔ اور الوسط سین کے سکون کے ساتھ اسم مبہم ہے تو مثلاً دائرہ کے اندر کسی مقام کو بھی وسط کہا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وسط بالسکون تو کلام میں صرف ظرف واقع ہوتا ہے۔ اور وسط بالتحریک، مبتدا، فاعل، مفعول بہ واقع ہوتا ہے۔ اور اس پر حرف جر بھی داخل ہوتا ہے۔ اور وسط بالسکون ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے وَسْطَ خُرِّمَن

طرفہ اس کا بیچ کنارہ سے اچھا ہے۔ اس صورت میں وسط مبتدا، واقع ہوا ہے۔ والتسع وسطہ یہ وسط کے فاعل ہونے کی مثال ہے کہ اس کا بیچ وسیع ہوا۔ ضربت وسطہ اس کے بیچ میں مارا یہ مفعول بہ واقع ہونے کی مثال ہے۔ اور بلت فی وسط الدار تم نے بیچ گھر میں پیشاب کر دیا۔ یہ فی داخل ہونے کی مثال ہے۔ لیکن وسط بالسکون کے استعمال کی صرف صورت یہ ہے کہ یہ ترکیب میں ظرف واقع ہوتا ہے۔ جیسے جلست وسطہ میں گھر میں بیٹھا۔ یہاں وسط مفعول فیہ ظرف واقع ہے۔ اھ

ایک علامت یہ بھی ہے۔

کہ وَسَط بالتحریک مذکر مونث، واحد، تثنیہ، جمع سب کی صفت بن سکتا ہے قرآن عظیم میں ہے وجعلناکم امۃ وسطا۔ ہم نے تم کو امت وسط بنایا یہاں لفظ وسط مونث کی صفت ہے۔ للہ علی ان اھدی شاتین وَسَطا میں اللہ تعالیٰ کے لئے دو متوسط بکری نذر کرتا ہوں۔ یہاں وسط تثنیہ مونث کی صفت ہے واعتق عبدین وسطاً۔ میں اللہ تعالیٰ کے لئے دو متوسط قسم کے غلام آزاد کروں گا۔ یہاں وسط تثنیہ مذکر کی صفت ہے۔ اھ

صحاح جوہری میں ہے۔

جہاں لفظ بین کا محل استعمال ہو وہاں وسط بالسکون پڑھا جائے جیسے جلست وسط القوم میں قوم کے درمیان بیٹھا۔ اور لفظ بین کا محل استعمال نہ ہو تو وسط بالتحریک ہوگا جیسے جلست وسط الدار میں گھر کے ٹھیک بیچ میں بیٹھا۔ کہیں بالسکون بھی کہہ دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔ (ام بحر)

مقدمہ ثالثہ :۔ جس کسی بھی زاویہ کے وتر کے منتصف کو مرکز مان کر وتر کے ایک کنارے

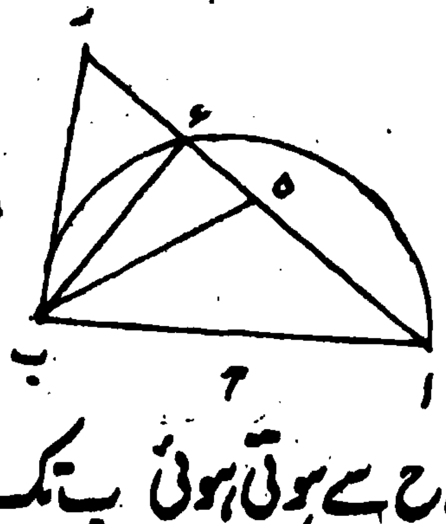
سے دوسرے کنارے تک زاویہ کی جہت میں کوئی قوس بنائی جائے۔ تو اگر زاویہ مذکورہ قائمہ ہوگا تو قوس اس کے راس سے۔ اور اگر زاویہ منفرجہ ہوگا۔ تو قوس زاویہ کے ورا، سے اور زاویہ حادہ ہوگا تو قوس اس زاویہ کے نیچے سے گذرے گی۔

اسی کو الٹ کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر قوس زاویہ کے راس سے گذرے تو زاویہ قائمہ ہوگا اور قوس زاویہ کے ورا، سے گذرے تو زاویہ منفرجہ ہوگا۔ اور قوس زاویہ کے نیچے سے گذرے تو زاویہ حادہ ہوگا۔

اسی مدعا کا اظہار بلفظ دیگر یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کسی بھی خط کے تنصیف کے بعد اس متنصف پر خط کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک قوس بنائی جائے۔ اور یہ خط کسی ایسے مثلث کے قاعدے پر منطبق ہو جائے۔ جو جانب قوس واقع ہے۔ تو اگر مثلث کا راس خود اسی قوس پر واقع ہو تو وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اور اس قوس سے باہر کی طرف واقع ہو تو زاویہ حادہ ہے۔ اور قوس کے اندر واقع ہو تو زاویہ منفرجہ ہوگا۔

اور اسے الٹ کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر زاویہ راس قائمہ ہو تو نفس قوس پر واقع ہوگا۔ اور حادہ ہو تو قوس کے باہر۔ اور منفرجہ ہو تو قوس کے اندر واقع ہوگا۔

(توضیح دعویٰ)



ہم نے مان لیا کہ اب ایک خط ہے جس کو مقام ج پر نصف کر دیا گیا ہے۔ اور اسی ج کو مرکز مان کر اسے شروع کر کے ح سے ہوتی ہوئی ب تک ایک قوس بنائی۔ اح ب پھر اسی خط اب کو تین مثلثوں ارب، ارب، اہ ب کا قاعدہ قرار دیا تو زاویہ، جو قوس پر واقع ہے قائمہ ہے۔ اور زاویہ ر جو قوس سے باہر ہے حادہ ہے۔ اور زاویہ ہ جو قوس کے اندر واقع ہے منفرجہ ہے۔

اور بالعکس یوں بھی کہہ سکتے ہیں اگر زاویہ قائمہ ہے تو قوس پر واقع ہے جیسے زاویہ ۶۔ اور حادہ ہے تو قوس سے باہر ہے۔ جیسے زاویہ ر اور اندر ہے تو زاویہ منفرجہ ہے جیسے زاویہ ہ

(ثبوت دعویٰ کی تقریر)

یہ اس لئے کہ قوس نصف دائرہ ہے۔ اور اسی پر زاویہ ۶ واقع ہے۔ اس لئے مقالہ ثالثہ کی تیسویں[۳۰] شکل کے حکم سے یہ ضرور قائمہ ہے۔ اور چونکہ زاویہ قائمہ کے پہلو والا زاویہ بھی قائمہ ہوتا ہے۔ اس لئے زاویہ ر کا حادہ ہونا ضروری ہے۔ ورنہ مثلث ب ر میں بیک وقت دو زاویہ قائمہ ہونا لازم آئے گا۔ جو مقالہ اولیٰ کی شکل بتیس[۳۲] کی رو سے محال ہے۔

اسی طرح اسی دلیل سے مثلث ب ہ رکا زاو ہ بھی حادہ ہے۔ (اور چونکہ حادہ کے پہلو زاویہ منفرجہ ہوتا ہے) اس لئے مثلث ب ا ہ کا زاویہ ہ ضرور منفرجہ ہے جیساکہ مقالہ اولیٰ کی تیرہویں شکل سے ظاہر ہے۔

یا یوں کہئے زاویہ ر قائمہ ہے تو لامحالہ نفس قوس پر واقع ہے۔ اس لئے کہ یہ ر کی طرح خارج قوس واقع ہو ــــــ یا ہ کی طرح تحت قوس تو جس طرح زاویہ ر قائمہ ہے اسی طرح ہ اور ر بھی قائمہ ہو جائیں گے۔ اور ایک مثلث میں دو۔ دو زاویہ قائمہ ہونگے۔

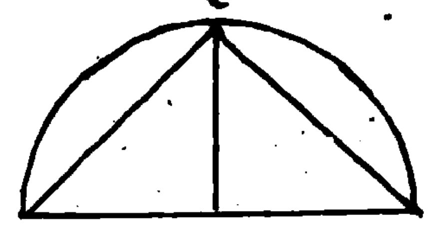
یا یوں کہئے کہ اگر زاویہ ہ منفرجہ ہے۔ تو لامحالہ داخل قوس ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ نفس قوس پر ہو تو اس کا قائمہ ہونا لازم آئے گا۔ یا خارج قوس ہو تو حادہ ہونا لازم آئے گا۔ دلیل مذکورہ بالا کی رو سے۔

یا یوں کہئے کہ زاویہ س اگر حادہ ہے تو لامحالہ وہ خارج قوس ہوگا۔ کیونکہ نفس قوس پر ہونے کی صورت میں لامحالہ وہ قائمہ ہو جائے گا۔ یا داخل قوس ہو تو منفرجہ ہونا لازم آئے گا۔ دلیل اوپر مذکور ہوئی۔ اور یہی ہمارا دعویٰ تھا۔ ہماری اس

دلیل سے پہلی عبارت اصلاً و عکساً ثابت ہوئی۔

مقدمہ رابعہ:۔ جس کسی زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس زاویہ کے قاعدے پر عمود کا نزول ہو تو وہ عمود ہمیشہ قاعدے کا نصف ہوگا بشرطیکہ زاویہ قائمہ متساویۃ الساقین ہو ورنہ عمود ہمیشہ قاعدے کے نصف سے بھی چھوٹا ہوگا۔ (۲) خواہ وہ زاویہ مطلقاً منفرجہ ہو (۳) یا قائمہ مختلفۃ الساقین ہو۔

(۱ کی توضیح اور ثبوت)



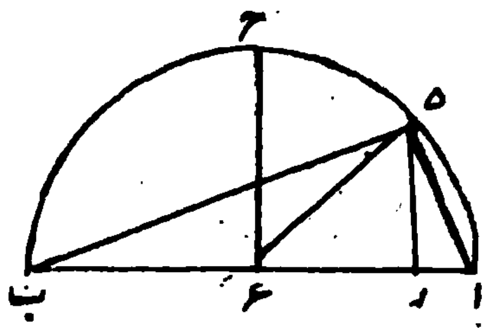
مان لیجئے کہ مثلث ا ب ج کا زاویہ ج قائمہ متساویۃ الساقین ہے تو عمود ج ء جو اس زاویہ کے راس سے اس کے قاعدے پر ڈالا گیا ہے۔ وہ خط ا ب یعنی قاعدے کا نصف ہے۔ اس کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ ایک دلیل مندرجہ ذیل ہے۔

ج ا ب اور ج ب ا یں ا ء ب دونوں زاویئے مقالہ اولیٰ کی پانچویں (شکل مامونی) شکل کی روسے برابر ہیں۔ کیونکہ اس مثلث کی دو ساقین ا ج اور ج ب برابر ہیں۔ اور جب ج زاویہ قائمہ ہے۔ تو اس کے بقیہ دونوں زاویئے یعنی ا اور ب نصف قائمہ ہوں گے مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی روسے۔ (اور زاویہ ج سے جو خط قاعدے تک آیا ہے۔ اس سے دو مثلث بن گئے ہیں۔ ا ء ج اور ج ء ب) اور اس خط کے عمودی ہونے کی وجہ سے زاویہ ء قائمہ ہے۔ تو زاویہ ج نصف قائمہ ہوگا۔ مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی روسے اور زاویہ ب پہلے ہی بیان سے نصف قائمہ ثابت ہو چکا ہے۔ پس اس مثلث کی دونوں ساقین ج ء اور ء ب بھی مساوی ہوں گی مقالہ اولیٰ کی چھٹی شکل کی روسے۔

اور اسی بیان سے دوسرے مثلث کی دونوں ساقین ج ء اور ا ء بھی مساوی

ہوں گی تو قاعدے کے دونوں ٹکڑے ا ر اور ر ب مساوی ہو گئے۔ اور قاعدے اب کا نصف نصف ہونگے۔ اور خط اح ر کے بھی مساوی ہونگے کہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔ تو ثابت ہوگیا کہ مثلث قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین کے رأس سے قاعدے پر اترنے والا خط قاعدے کا نصف ہوتا ہے۔

(عـ۲ کی توضیح اور ثبوت)



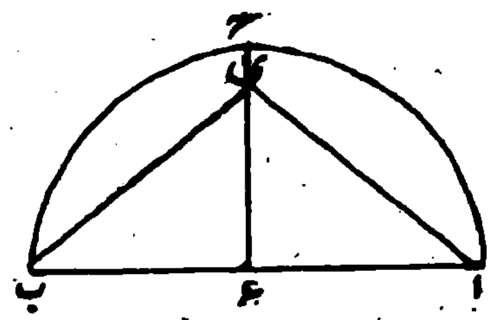
ہم نے فرض کیا کہ مثلث ا ہ ب ۔ میں زاویہ ہ قائمہ مختلف الساقین ہے۔ تو ہمارا دعویٰ یہ ہے خط ہ ر نصف اب یعنی نصف قطر سے چھوٹا ہے۔ اس لئے کہ ر یہاں مرکز نہیں۔ ورنہ پیش نظر دونوں مثلث یعنی ا ر ہ اور ہ ر ب ۔ میں دونوں خط ا ر اور ر ب برابر ہو جائیں گے۔ اور ر ہ ر دونوں مثلثوں میں مشترک۔ اور دونوں مثلثوں میں ر زاویہ قائمہ (یعنی دو قائمے) پس مقالہ اولیٰ کی شکل رابع سے لازم آئے گا کہ ا ہ اور ہ ب ۔ دونوں ساقیں مساوی ہو جائیں اور یہ خلاف مفروض ہوگا (کہ ہم نے زاویہ قائمہ مختلف الساقین مانا تھا اور یہاں دونوں کا مساوی ہونا لازم آیا) جب ر کو مرکز ماننے پر خلاف مفروض لازم آیا۔ تو مان لیجئے کہ مرکز دراصل ء ہے اور ہ ء کو ملا کر نصف قطر کر لیجئے۔ اس صورت میں ہ ر ہ ء کے برابر ہو تو (مقالہ اولیٰ کی پانچویں شکل کے لحاظ سے زاویہ اور زاویہ ء دون برابر ہوں گے۔ (اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زاویہ ر قائمہ ہے۔ تو زاویہ ء بھی قائمہ ہوگا۔ تو ایک مثلث کے دو زاویئے قائمہ ہو گئے (اور یہ محال ہے تو لامحالہ ہ ر ہ ء دونوں ساقیں برابر نہیں)

ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہ ر کو ہ ء سے بڑا مانا جائے۔ تو مقالہ اولیٰ کی اٹھارہویں شکل سے لازم آئے گا کہ زاویہ ء جسکے وتر ہ ر کو ہم نے ہ ء سے بڑا مانا ہے۔ چھوٹے

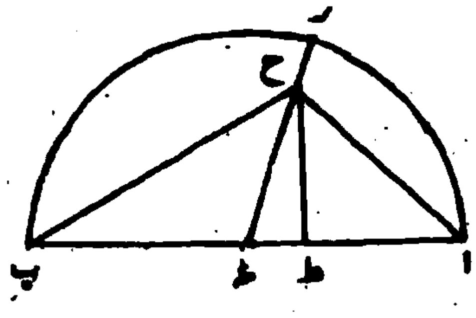
وتر والے زاویہ قائمہ یعنی ر سے بڑا ہو جائے۔ اور زاویہ قائمہ سے جو زاویہ بڑا ہوگا وہ منفرجہ ہی ہوگا۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مثلث میں زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ دونوں جمع ہو گئے اور یہ بھی محال ہے۔ اور ہ س کے نصف قطر سے بڑے اور برابر ہونے کی صورتیں محال ہو گئیں۔ تو لا محالہ ہ س ۔ ہ ر و نصف قطرہ سے چھوٹا ہے اور ہم اسی کے مدعی تھے۔

(۳ کی توضیح اور ثبوت)

زاویہ منفرجہ میں اس خط نازل کا نصف قطرہ سے چھوٹا ہونا زیادہ واضح ہے۔



زاویہ منفرجہ متساوی الساقین جیسے مثلث ای ب یا مختلف الساقین جیسے مثلث اح ب کیونکہ یہ زاویہ بہر تقدیر قوس کے اندر ہوگا۔ تو اس زاویہ سے جو عمود بھی قطر پر نازل ہوگا۔ یا تو مثلث ای ب کی طرح مرکز سے ہو کر گزرے گا۔ جیسے خط ر ی تو وہ یقیناً نصف قطر یعنی خط ر ج کا جز ہوگا۔ (اور اگر زاویہ مختلف الساقین میں ہوگا۔ جیسے ح ط کہ یہ مرکز سے ہو کر نہیں گزرتا ۔)

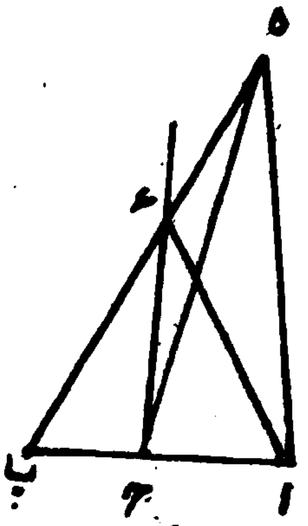


تو ہم ح کو ر ک کی طرف لے چلیں گے (اور ر ک نصف قطر ہے) تو ر ح ۔ ر ک سے چھوٹا ہوگا۔ کیونکہ ر ک زاویہ قائمہ کا وتر ہے۔ جس کو ح ط سے بڑا ہونا چاہئے۔ جو زاویہ حادہ کا وتر ہے مقالہ اولیٰ کی شکل ۱۸ کی رو سے اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

مقدمہ خامسہ :۔ ہر وہ خط جس کے نصف پر کوئی عمود قائم کیا جائے۔ اور پھر اس خط کے دونوں کناروں سے ایسے دو خطوط کھینچیں۔ جو پہلے خط پر ایسے دو زاویے پیدا کریں۔ جس کا مجموعہ دو قائمہ سے کم ہو۔ اور اس صورت میں یہ دونوں زاویے برابر ہوں تو

خطین کا ملتقیٰ عمود پر ہوگا۔ اور برابر نہ ہوں تو دونوں خطوں کا ملتقیٰ عمود سے باہر ہوگا۔ اور ہر صورت میں اس کا احتمال ہے۔ کہ ان دونوں خطوں کے ملتقیٰ کا زاویہ قائمہ۔ یا حادہ۔ یا منفرجہ ہو۔

(توضیح و ثبوت)



مان لیجئے کہ ا ایسا خط ہے۔ جس کا نصف نقطہ ج ہے۔ اور اس پر ایک غیر محدود عمود ج ء قائم کیا گیا۔ پھر اس خط کے دونوں کناروں سے دو خط ا ء اور ب ء ایسے کھینچے گئے جو خط اول کے اوپر دو برابر زاویے اب پیدا کرتے ہیں۔ تو وہ دونوں خطوط عمود کے نقطہ ء پر ملیں گے۔ اور دونوں زاویے برابر نہ ہوں تو لامحالہ یہ دونوں خطوط عمود سے خارج ملیں گے۔

مثلاً مانا گیا وہ نقطہ ہ پر ملے ہوئے ہیں۔ ہم نے ہ ج کو ملا دیا۔ تو یہاں دو مثلث اج ہ اور ب ج ہ پیدا ہوئے۔ جس میں خط مفروض کے دونوں نصف اج، اور ب ج بالفرض برابر ہیں۔ اور چونکہ زاویہ ا، اور زاویہ ب برابر فرض کیا گیا ہے۔ اس لئے مقالہ اولیٰ کی شکل خامس سے جس طرح اج اور ب ج برابر ہیں۔ اسی طرح ہ ا اور ب ہ بھی برابر ہوں گے۔ اور ہ ج دونوں مثلث میں مشترک ہے۔ تو لامحالہ مقالہ اولیٰ کی شکل ثامن کی وجہ سے زاویہ اج ہ اور زاویہ ہ ج ب برابر ہونگے۔ اور مقالہ اولیٰ کی شکل ۱۸ سے ثابت ہے کہ دونوں مل کر دو قائمہ ہونگے۔ یعنی ہر زاویہ قائمہ ہوگا حالانکہ اج ء قائمہ ہے اور اج ہ بھی قائمہ ہوگیا (جو خود اس کا جزء ہے) اور اس صورت میں جزو کل کا مساوی ہونا لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔

دوسری صورت کی توضیح یہ ہے کہ ہم خط مفروض کے دونوں کناروں سے ایسے دو خط ہ ا اور ب ہ کھینچتے ہیں۔ خط کے اوپر مختلف زاویے بناتے ہیں۔ تو ہمارا دعویٰ یہ ہے ملتقیٰ عمود سے خارج نقطہ ہ پر ہوگا ورنہ یہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ دونوں خط بھی

عمود کے نقطہ ر پر ملے ہیں اور یہاں مثلث اج ر۔ اور مثلث رج ب میں خط کے دونوں نصف اج اور رج ب برابر ہیں۔ اور رج دونوں مثلثوں میں مشترک اور زاویہ ج دونوں مثلث میں قائمہ اس لئے بشکل رابع زاویہ ا اور ب برابر ہوئے حالانکہ ہم نے ان دونوں کو مختلف فرض کیا تھا۔ اور یہ خلاف مفروض دعویٰ کہ نہ ماننے سے لازم آیا۔ تو دعویٰ ثابت ہوا۔

تیسری صورت کہ دونوں قسم کے ملتقیٰ پر تینوں ہی قسم کے زاویئے کا احتمال ہے۔ اسکی توضیح یہ ہے کہ دونوں کناروں سے کھینچے خطوط اور خط اول سے پیدا ہونے والے دونوں زاویوں کا مجموعہ اگر قائمہ کے برابر ہے تو ملتقیٰ زاویہ قائمہ ہوگا اور مجموعہ زاویتین اگر قائمہ سے چھوٹا ہے تو ملتقیٰ کا زاویہ منفرجہ ہوگا۔ اور اگر مجموعہ قائمہ سے بڑا ہے۔ تو ملتقیٰ کا زاویہ حادہ ہوگا۔ خواہ خط اول پر پیدا ہونے والے زاوئے باہم برابر ہوں یا نہ ہوں۔ یہ ساری باتیں مقالہ اولیٰ کی شکل ۳۲ سے ثابت ہیں۔

مذکورہ بالا توضیحات کی معرفت اور لفظ بین یدیہ کے معنی کو دوبارہ ذہن میں تازہ کرلینے کے بعد (لفظ بین یدیہ کی وضاحت ہم اسی شمامہ کے نغمہ اولیٰ میں کرآئے ہیں۔ کہ بین یدیہ مرکب اضافی ہے۔ تو ایک معنی مضاف اور مضاف الیہ کے تفصیلی ترجمہ کے لحاظ سے ہوں گے۔ • دونوں ہاتھ کے درمیان، اس معنی کے تین مصادیق ہیں۔ دونوں ہاتھ سامنے پھیلائیں تو وہ فضا جو دونوں ہاتھ کے درمیان محصور ہے، اور • ایسے ہی پیچھے پھیلائیں تو پیچھے کی فضا، کو جو دونوں ہاتھوں کے درمیان محصور ہے، اور جب ہاتھ لٹکالیں تو دونوں مونڈھوں کے بیچ کی دوری جس کو ایک خط کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے۔ جو ایک مونڈھے کے وسط سے دوسرے مونڈھے کے وسط تک سیدھا فرض کیا جائے۔

لیکن اس لفظ کے عام استعمال کا معاملہ ہو یا خاص بین یدی الخطیب کا موقع ہو

عام طور سے اس لفظ کے معنی ترکیبی تفصیلی مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ دوسرے معنی اجمالی عرفی یا لغوی مراد ہوتے ہیں۔ جس میں دونوں لفظ کے علٰحدہ علٰحدہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ مرکب لفظ کو اکائی مان کر پورے مرکب کے ایک ہی اجمالی معنی مراد ہوتے ہیں۔

تو لفظ بین یدیہ کے اجمالی معنی کو یوں سمجھئے کہ دونوں مونڈھوں کے درمیان جو سیدھا خط ہم نے فرض کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ جسم کے عرض میں ہی ہوگا۔ اس کے دونوں کناروں پر دو عمودی خطوط سامنے فرض کیا جائے۔ جو اسی فاصلہ پر بالکل متوازی سامنے چلے جائیں۔ ان دونوں خطوں کے درمیان جو بھی ہے۔ اسی کو بین یدیہ کہا جائے گا۔ اس مضمون پر ہم مدارک اور کشاف کی شہادۃ بھی پیش کر چکے ہیں۔) قہستانی کی مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملہ کا مطلب مکمل ہو گیا۔

اذن ثانیا بین یدیہ ای بین الجہتین المسامتین لیمین المنبر اوالامام ویسارہ قریبا منہ۔

دوسری اذان بین یدیہ ہوگی۔ یعنی ان دونوں متوازی جہتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں اور اس سے قریب ہو۔

یہاں قہستانی کے لفظ قریبًا منہ کے یہ معنی نہیں کہ موذن امام یا منبر کے متصل ہو بلکہ ایسا قریب مراد ہے جو محل استعمال کے مناسب ہے۔ اور یہاں جب مسجد کے اندر مطلقًا اذان منع ہے۔ تو لا محالہ یہاں قریب کا مطلب مسجد سے باہر مسجد کے حدود کے اندر ہوگا۔ گذشتہ اوراق میں لفظ قریب پر بھی ہم بھرپور روشنی ڈال چکے ہیں۔

اب اس خط کو جو ہم نے دونوں مونڈھوں کے درمیان فرض کیا تھا۔ اور جس کا نام ہم نے خط کتفی رکھا تھا۔ اس کے ٹھیک بیچ میں ایک تیسرا عمود فرض کریں۔ تو یہ عمود دونوں متوازی خطوں کے بھی ٹھیک بیچ میں ہوگا۔ جس کو اہل لغت وَسْط بالتحریک کہتے ہیں۔ اور ان دونوں

متوازی خطوں کے درمیان میں جو کشادگی ہوگی۔ اسکو وسط بالسکون کہا جاتاہے۔

علامہ قہستانی کی بقیہ عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

وسطهما بالسكون فيشمل اذا اذن فى زاوية قائمة اوحادة او منفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين۔

اذان ثانی ان دونوں جہتوں کے وسط بالسکون میں ہوگی تو یہ ان سب صورتوں کو شامل ہوگی جب موذن زاویہ قائمہ اور حادہ یا منفرجہ میں کھڑا ہو۔

یہ سب زاوئے ان دونوں خطوں کے نکتہ اتصال پر پیدا ہوں گے جو ان دونوں جہتوں سے نکل رہے ہیں۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ موذن کے خطیب کے سامنے کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ موذن کا عمود یعنی خط وسط پر کھڑا ہونا ضروری ہے۔ بلکہ خط کتفی کے دونوں کناروں سے نکلنے والے خطوط متوازیہ کے درمیان کشادگی میں عمود وسط سے ادھر ادھر ہٹ کر کھڑا ہونا بھی کافی ہے۔ جیساکہ شیخ قہستانی کے قول وسطهما بالسکون سے ظاہر ہے۔

اب جی چاہے وسطہما کا عطف قریبًامنہ پر مانو۔ کہ لفظ وسطہما اور قریبًامنہ پاس پاس ہی ہیں۔ یا بین الجہتین پر عطف تفسیری مانو ہر طرح معنی درست ہے۔

اسی عمود وسط کے آزو بازو اور خطین متوازیین کے درمیان کہیں کھڑے ہونے کو قہستانی ریاضی کی زبان میں سمجھانا چاہتے ہیں۔ کہ موذن چاہے زاویہ قائمہ پر کھڑا ہو، چاہے زاویہ حادہ پر اور چاہے منفرجہ پر ہر طرح کھڑے ہونے کو بین یدی خطیب کہا جائیگا۔

سوال یہ ہے کہ یہ زاوئے جن کی ساقوں کے درمیان موذن کھڑے ہو کر اذان دے سکتا ہے مسجد کے اندر اس طرح کہ مفروضہ خط کتفی کو ان مثلوں کا وتر مانا جائے۔ اور اس کے

دونوں کناروں سے نکل کر جو دو خط عمود وسط پر ملتے ہیں۔ انھیں کے نکتۂ اتصال پر تلے اوپر جو زاویہ منفرجہ اور قائمہ پیدا ہوتے ہیں۔ وہی موذن کے کھڑے ہونے کا مقام ہو تو یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ خط کتفی کل ایک ہاتھ لانبا ہوگا۔ اور اس کا نصف ایک بالشت ہوگا۔ تو زاویہ اور وتر کے درمیان ایک بالشت یا اس سے بھی کم کی گنجائش ہوگی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ رابعہ میں ثابت کر آئے ہیں۔ اور آدمی کے قدم کی لمبان ایک بالشت سے زیادہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ اہل مساحت اور اہل ہیئت کا قول ہے کہ ایک قدم ذراع کا دو ثلث ہوتا ہے۔ جہاں وہ کہتے ہیں کہ زمین سے ناظر کی بلندی اتنے قدم پر ہو۔ یا وہ کہتے ہیں کہ خط اُفق سے اتنا قدم اور اتنا دقیقہ بلند ہو۔

ان مسائل کے ضابطے اور تعریفیں بھی ہم اپنی فن توقیت کی تصانیف میں بخوبی بیان کر چکے ہیں۔

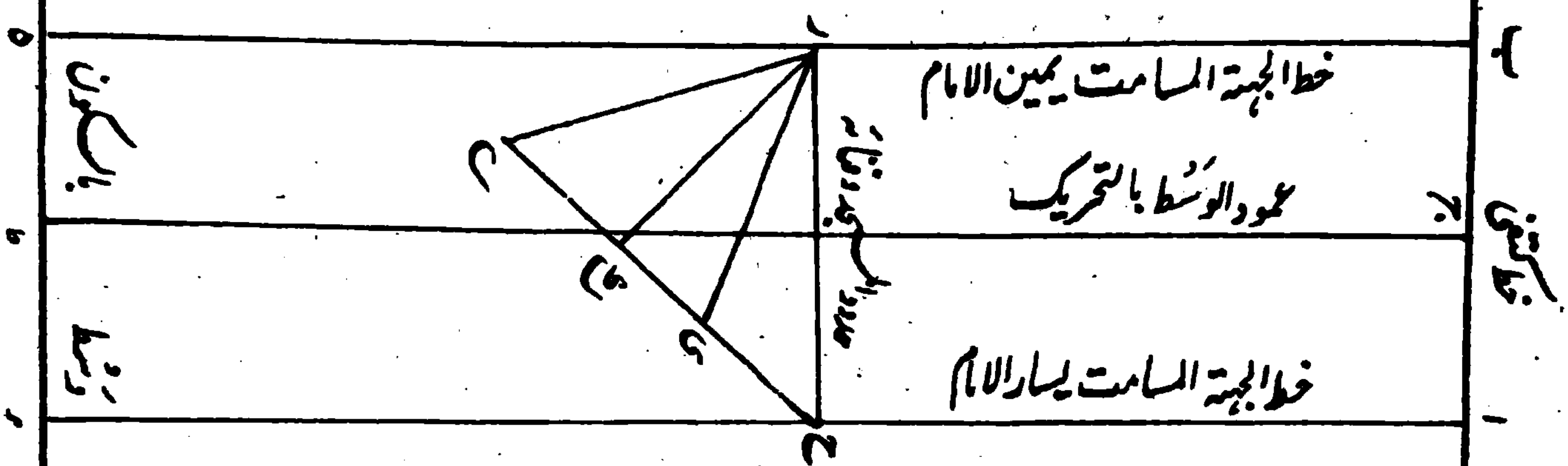
تو جب موذن کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے۔ اور وتر و زاویہ میں بالشت بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ ہے۔ تو وہاں موذن کیسے کھڑا ہوگا۔ اس جگہ پر تو خطیب ہی بیٹھا ہوگا اور وہاں امام کے دائیں بائیں بھی۔ ان دونوں خطوط متوازیہ سے نکلنے والے خطوط سے کوئی ایسا زاویہ نہیں نکل سکتا جس پر موذن کھڑا ہو۔ (جس کا نام ہم خط مقام رکھ لیتے ہیں) تو لامحالہ خط کتفی سے آگے بڑھ کر طرفین کے خطوط متوازیہ میں کہیں اس مثلث کا قاعدہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ جس کے زاویوں کے اندر موذن کھڑا ہو۔ اسی کا اشارہ قہستانی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ فرماتے ہیں۔

زاویة قائمة او حادة او منفرجة حادثة من خطين خارجتين من حاشين الجهتين۔

زاویہ قائمہ حادہ یا منفرجہ جو ان دونوں خطوط سے پیدا ہوتے ہیں

جو امام کی جانب یمین اور شمال سے نکلے ہیں۔

دونوں طرف کے یہ دونوں خطوط تو غیر محدود ہیں۔ ان کی تحدید تو محل و مقام کے تقاضے کے موافق ہوگی۔ جیسے ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ وہ مسجد سے خارج مسجد کے حدود اور بیرونی صحن میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ مقام موذن کے زاویہ کا وتر فقہاء کے قول اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے موافق مسجد کی آخری حد ہی ہوگی۔ اس کی شکل اس طرح ہوگی۔



مذکورہ بالا صورت میں خط اب خط کتفی ہے۔ اور ا ر، ب ہ دو خطوط جہۃ ہیں اور باہم متوازی ہیں۔ اور ح ط خط کتفی کے نصف پر عمود وسط بالتحریک ہے ح ر مسجد کی حدود اور اس کا صحن ہے، مقام ح س سے دو خط مقام موذن کے ح ک اور س ک اور دونوں عمود پر ملے اور اس سے زاویہ قائمہ ک پیدا ہوا اور دونوں خط ح ی س ی مقام ی پر ملے تو زاویہ منفرجہ پیدا ہوا۔ اور دو خط ح ل س ل مقام ل پر ملے تو زاویہ حادہ پیدا ہوا۔ (علامہ قہستانی یہی کہنا چاہتے ہیں) کہ مقام ک پر موذن کا کھڑا ہونا ضروری نہیں ان تینوں زاویوں میں سے جہاں بھی کھڑا ہو کر اذان دیگا۔ بین یدی الخطیب ہوگا۔

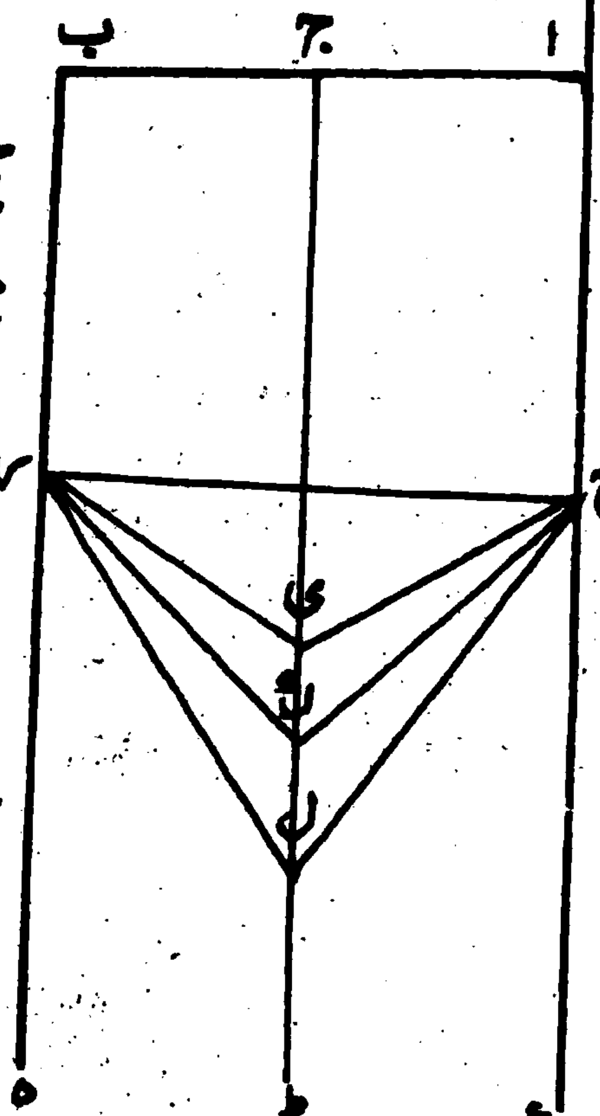
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ جسطرح زوایا ثلثہ کو شامل ہے۔ اس صورت کو بھی شامل ہے جب موذن کی پشت امام کی طرف ہو۔

جواب یہ ہے کہ بیشک بین یدیہ کے مفہوم میں یہ صورت بھی داخل ہے۔
لیکن یہ ضروری نہیں کہ لفظ کا مفہوم جس جس چیز کو شامل ہو سب لفظ سے مراد بھی
ہوں۔ کیونکہ اطلاق مفہوم کے مغایر ہے۔ اور یہاں قرائن اس بات پر دلالت کرتے
ہیں کہ لفظ بین یدیہ کا مراد و مطلب امام اور موذن میں سامنا ہے۔ اس لئے کہ امام منبر پر
قبلہ کی طرف پیٹھ کیئے ہوتا ہے۔ اور موذن کو اس کے سامنے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کرنے کا
حکم ہے۔ تو متعین ہو گیا کہ موذن کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہوگا۔ اس کو اس طرح سمجھا
جائے کہ لفظ بین یدیہ کے مفہوم میں امام سے متصل اس سے منفصل اور خارج مسجد بھی
داخل ہے، لیکن دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ داخل مسجد مراد نہیں، نہ مسجد سے اتنا دور مراد ہے
کہ اس اذان کو اس مسجد کی اذان کہا ہی نہ جا سکے۔ تو متعین ہو گیا کہ بین یدیہ سے مراد حدود
مسجد اور صحن مسجد ہے۔ تو جیسے اس پر یہ اعتراض کرنا غلط ہوگا کہ داخل مسجد مفہوم بین یدیہ
میں داخل ہے اسی طرح یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ یہ لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب
موذن قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے اذان کرے۔

یہاں یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ موذن کے روبقبلہ اذان دینے کا قرینہ اس
اس صورت کی نفی تو نہیں کرتا کہ موذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو۔ اور موذن امام
اور قبلہ کے بیچ میں کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو۔ کیونکہ بہت سی مسجدوں میں لوگ
منبر اور دیوار قبلہ کے بیچ میں کافی وسیع جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ خود مکہ میں مسجد حرام کے اندر بھی
ایسا ہی ہے کہ دو طرفہ متوازی جہتیں امام کے آگے اور پیچھے دونوں طرف ہی ہو سکتی ہیں۔
یہ اعتراض ضرور مشکل ہے مگر اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ متن میں سب کو
امام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے۔ اور سب میں موذن بھی داخل ہے۔ اس لئے اس کو
بھی امام کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام کی طرف رخ کرنیکا

حکم خطبہ کی حالت میں ہے نہ کہ اذان کی حالت میں۔ قہستانی نے اسی لئے اس سوال کا جواب لفظ قیل سے دیا ہے۔ جو جواب کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔

یہاں تک قہستانی کی پوری عبارت کی توجیہ انھیں کے حسب منشا ہوئی۔ مگر اس پر پہلا شبہ یہ ہے کہ زوایا ثلٰثہ کی وسط بالسکون کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں یہ تو عمود پر ملتقی ہونے کے صورت میں بھی متحقق ہوں گے، یہ بات مقدمہ خامسہ میں ظاہر ہو چکی ہے۔



مندرجہ ذیل صورت میں جب ح م کے زاویے برابر ہونگے۔ تینوں زاویے عمود پر ہی واقع ہوں گے۔ اس کی توضیح بھی مقدمہ خامسہ میں ہو چکی ہے۔ زاویہ ی منفرجہ ہے۔ اور ک قائمہ ہے۔ اور ل حادہ ہے۔

مگر اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ یہاں اقسام کا شمول بتانا نہیں ہے۔ افراد کا شمول بتاتا ہے۔ (یعنی یہ بتانا نہیں ہے کہ یہ تینوں زاویے کس صورت میں متحقق ہو سکتے ہیں اور کس میں نہیں۔ بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ تینوں زاویے بیک وقت عمود اور اس کے اغل بغل میں وسط بالسکون میں متحقق ہونگے)

دوسرا شبہ یہ ہے کہ قہستانی نے جس دوسرے اعتراض کو شکل کہہ کر پیش کیا ہے وہ سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ بین یدیہ کے معنی تفصیلی و اجمالی کے بیان میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ یہاں معنی تفصیلی مراد ہی نہیں ہیں۔ تو معنی تفصیلی کے ایک رخ سے اعتراض کے کیا معنی؟ اور معنی اجمالی مراد ہیں جس کا مطلب امام کے سامنے ہے۔ محاورہ میں سمت و جہت کہنے سے جدھر آپ کا چہرہ ہو وہی رخ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح آدمی

کے ہاتھ کا رخ بھی اس کے چہرہ کی طرف ہی ہے۔ تو خطوط اگرچہ امام کے آگے پیچھے سبھی طرف نکل سکتے ہیں۔ لیکن ان ہاتھوں کے مقابل جو خط ہوگا وہ خطیب کے سامنے ہی ہوگا۔ تو بہتر یہ ہے کہ سرے سے یہ اعتراض ہی ساقط کر دیا جائے۔ اور وسطہا کے بجائے اوسطہا کہا جائے۔ تاکہ عمود پر اور اس کے آزو بازو کے مقابل کھڑے ہونے کی سبھی صورتوں کو شامل ہو۔ جب تک ان دو خطوں سے باہر نہ ہو۔ جن کا استقبال کعبہ میں حکم ہے کہ دائرے کے جس ربع کے وسط میں کعبہ واقع ہے۔ اس پورے ربع کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

استقبال قبلہ کا وافی اور کافی بیان بحمد اللہ ہماری کتاب ھدایۃ المتعال فی حد الاستقبال میں ہے۔

یہاں تک قہستانی کی عبارت کی تشریح اور ان پر پڑنے والے شبہات کا بیان ختم ہوا۔ اب ہم آذانیان ہند کی تگ و دو کی طرف رخ کرتے ہیں۔

علامہ قہستانی کی اس عبارت پر خامہ فرسائی کرنے والے پانچ صاحبان سامنے آئے ہیں۔ جن میں دو وہابی، دو جاہل ایک نام نہاد طالب علم ہیں۔ ایک وہابی صاحب نے قہستانی کی اس عبارت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس عبارت سے ثابت ہے کہ موذن اور خطیب کا سامنا ضروری نہیں ہے۔ اور علمائے اہل سنت کے اس دعویٰ کا قہستانی کی یہ عبارت رد ہے۔

موذن اور خطیب کا سامنا بلاشبہ سنت ہے۔ ہاں اگر سامنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ دونوں کا چہرہ ٹھیک ایک دوسرے کے مقابل ہونا ضروری ہے۔ تو یہ نہ سنت سے ثابت نہ اہل حق اس کے مدعی۔ ہم سامنے کا مطلب کافی وضاحت سے سمجھا آئے لیکن جاہل کیا سمجھیں؟ اور باقیوں نے اس عبارت سے اس بات پر استدلال کیا ہے۔ کہ اذان ثانی مسجد کے

اندر منبر سے متصل ہو گی۔ دوسرے وہابی صاحب نے اس مدعا پر لفظ قریباً منہ سے استدلال کیا ہے۔ (کہ عبارت قہستانی میں اس اذان کے منبر کے قریب ہونے کی تصریح ہے) لیکن اس سے کیا حاصل؟ قریب کے لفظ پر تو ہم بار بار روشنی ڈال چکے ہیں۔ کہ یہ اپنے معنی میں کس قدر وسعت رکھتا ہے۔ اور اسی شخص نے قہستانی کے لفظ جہتین مسامتین کی تفسیر کی کہ امام کی یمین و یسار کی دو جہتوں کے درمیان۔ بھلا ایسے جاہل مخاطبہ کے لائق بھی ہیں؟

اور نام نہاد طالب علم صاحب نے تو اور گل کھلایا۔ کہ شطرنج کی بساط پر خچر دوڑا دیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ قہستانی نے لفظ قریباً منہ کو لفظ عند المنبر کے بعد رکھا۔ حالانکہ یہاں قہستانی کے پورے کلام میں عند المنبر کا لفظ کہیں نہیں۔ تو یہ طالب صاحب قہستانی پر افتراء کر رہے ہیں۔ وہ بھی افتراء بے مزہ کیونکہ قہستانی کی اصل عبارت میں یہ لفظ ہوتا، تب بھی ان کی تسلی کا کوئی سامان نہ تھا۔ کہ ہم کو قریب منبر ہونے سے کب انکار ہے۔ ہمارا تو کہنا یہ ہے کہ قریب بہت وسیع المعنی لفظ ہے۔ اس لئے قریب ہونے کے لیے اذان کا مسجد میں ہونا ضروری نہیں۔

اور ان دو جاہل صاحبان نے (ریاضی) کے سمندر میں غوطہ لگایا۔ جو خود انھیں کو لے ڈوبا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مثلث کا وتر منبر کی چوڑان ہے۔ جبکہ ہم یہ طے کر آئے ہیں کہ علماء کی تحریروں میں منبر کے لفظ سے بھی امام اور اس کے دونوں مونڈھوں کا بیچ مراد ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کر آئے ہیں کہ اس جگہ کا مذکورہ مثلث کا وتر ہونا محال ہے۔

اور دوسرے جاہل صاحب کا خیال ہے کہ قہستانی کے بقول دونوں خط امام کے دائیں بائیں سے نکل کر زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ پر ملیں گے، اور موذن اسی زاویہ پر کھڑے ہو کر اذان دیگا۔ اور چونکہ حضور کے عہد مبارک میں آپ کے منبر کی چوڑان دو ہاتھ کی تھی۔ اور

آدمی کا قدم سوا بالشت کا ہوتا ہے اور وہاں مثلث متساوی الاضلاع بنایا جائے تو زاویہ حادہ پیدا ہوگا اور فاصلہ دو ہاتھ سے ذرا کم ہوگا۔ اور قائمہ میں اس سے کم اور منفرجہ میں کم سے بھی کم۔ اور زاویہ حادہ مسجد سے باہر بھی فرض کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس احتمال کو قہستانی کی یہ عبارت ساقط کر دیتی ہے۔ کہ موذن زاویہ کے اندر کھڑے ہو کر اذان دے۔ کیونکہ دروازہ مسجد اگر منبر سے چالیس ہاتھ کی دوری پر ہو۔ اور مثلث کا وتر ہی دو ہاتھ کا ہو تو اس وتر پر چالیس ہاتھ کی دوری پر جو زاویہ حادہ پیدا ہوگا وہ بے حد تنگ ہوگا۔ وہاں ایک باریک لکڑی کی بھی گنجائش نہ ہوگی۔ حالانکہ قہستانی کا مقصد تو یہ ہے کہ وہاں تینوں زاوے پیدا ہوں اور اس صورت مذکورہ بالا میں باب مسجد پر سوائے حادہ کے اور کسی زاویہ کا امکان ہی نہیں۔

میری گذارش یہ ہے کہ یہ ریاضی کی بحث تو کیا ہوگی۔ یہ تو ہذیان ہے جو جہل اور سوء فہمی کی پیداوار ہے۔

اولاً۔ قہستانی نے مقام موذن کے خطوط کو امام کے دونوں مونڈھوں سے نکلنے کی بات نہیں کہی بلکہ وہ تو جبین کے دونوں خطوط سے نکلتے ہیں۔ مونڈھوں سے نہیں جیسا کہ ہم واضح کر آئے ہیں۔

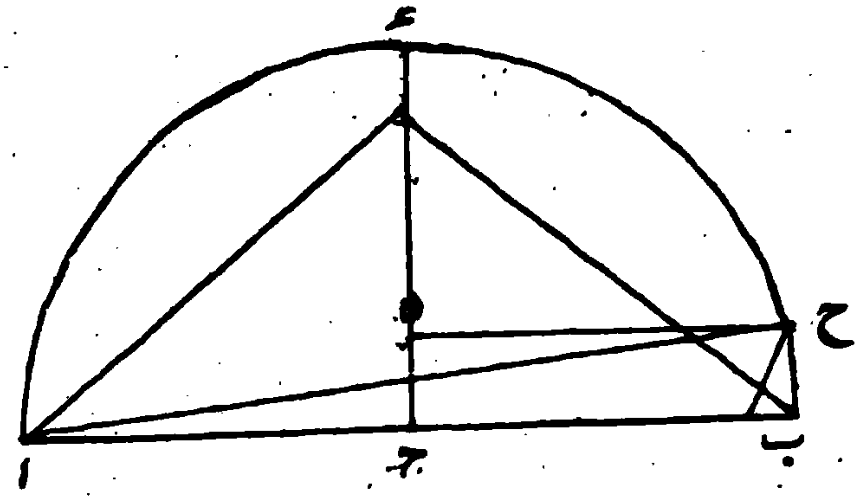
ثانیاً۔ اگر امام کے دونوں مونڈھوں سے خط نکالا جائے۔ تو ان پیدا ہونے والے زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں بھی موذن کا قیام ناممکن ہے۔ جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے۔

ثالثاً۔ اس جاہل کے منہ سے غفلت میں ایک سچی بات نکل گئی کہ لحاظ یہاں امام کے دائیں بائیں کا ہوگا۔ پھر تقریر مبسر کو مطمح نظر بنا کے کی۔ حالانکہ اس کا بطلان بھی ظاہر ہو چکا ہے۔

رابعاً۔ زاویہ حادہ کی مثلث متساوی الاضلاع کے ساتھ تخصیص بھی از خود نطاق میں تنگی پیدا کرنا ہے (کہ زاویہ حادہ کچھ متساوی الاضلاع کے ساتھ ہی خاص نہیں) یہ

جاہل عمود کی مقدار بھی متعین نہ کر سکا۔ اس کو اندازہ سے بیان کیا کہ دو ذراع سے ذرا کم۔ حالانکہ عمود کی نسبت ذراعین کی طرف۔ مربوع کی طرف تا آنکہ ما الط مد کی نسبت کی طرح ہے۔ اگر وہ جانتا تو کہتا کہ عمود ایک ذراع یا اس سے کم ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ زاویہ منفرجہ میں زاویہ اور وتر کا فصل قائمہ سے کم ہو۔ حالانکہ بسا اوقات منفرجہ کا فاصلہ قائمہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔

خط اب پر ہم نے ایک قوس بنائی، اور اب کے نصف پر ہم نے ایک عمود ج ر قائم کیا۔ اور ہم نے عمود کے دونوں کناروں سے عمود کا ثمن ج ہ اور ر ر ممتاز کیا۔ اور ا ر ب کو ہم نے خطوط سے ملا دیا۔ تو ایک



مثلث منفرج الزاویہ پیدا ہوا۔ (کہ زاویہ کا رأس قوس سے نیچے ہے) جس کا عمود ج ر ہے۔ پھر ج ب کے مقابل ہم نے ایک خط ہ ح کھینچا۔ اور ہم نے ا ح ب کو بذریعہ خطوط ملا دیا۔ یہ ایک مثلث بن گیا جس کا زاویہ ح قائمہ ہے۔ کیونکہ اس زاویہ کے رأس پر قوس واقع ہے) اب ہم اس زاویہ قائمہ سے ایک عمود ح ط نازل کرتے ہیں۔ تو یہ عمود مقالہ اولیٰ کی ۴۲ ویں شکل کی رو سے ج ہ کے برابر اس مقدار کو ہم ج ر کا $\frac{1}{8}$ فرض کر آئے ہیں۔ تو یہاں منفرجہ کا فاصلہ زاویہ قائمہ اور اس کے وتر کے فاصلے سات گنا بڑھ گیا ہے۔ اور ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا بھی تفاوت ہو سکتا ہے۔ تو یہ کہنا کہ منفرجہ کا وتر سے فاصلہ بنسبت قائمہ کے کم ہوگا۔ مطلقاً صحیح نہیں ہوا۔ پس جب تینوں زاویوں کا حال یکساں ہے، پھر حادہ کی تخصیص کیسی؟

خامسًا۔ اس جاہل کا یہ گمان انتہائی جاہلانہ ہے کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں

توانسان کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ مگر زاویہ حادہ علی باب المسجد میں گنجائش نہیں ہوگی اور یہ نہ سمجھ سکے کہ دوخطوں کا نقطہ اتصال تو جزلا یتجزیٰ ہوتا ہے۔ جہاں رائی کے ہزارویں حصہ کی بھی گنجائش نہیں تاآنکہ وہ جوہر فرد نہ ہوجائے۔

سادسًا۔ اس جاہل نے کہا کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو آدمی کا کھڑا ہونا ممکن ہے زاویہ حادہ میں نہیں۔ تو انھیں سمجھانے کیلئے ایک مثلث بنایا جائے، جس کی دونوں ساقیں جو یا نصف جو کے برابر ہوں۔ اس طرح  اور ان سے کہا جائے کہ یہ ایک زاویہ قائمہ ہے آپ اس میں یوں کھڑے ہوکر دکھائیے۔ کہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ اس سے باہر نہ ہو۔ تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر ہے۔ تو انھوں نے اپنی کہی ہوئی بات جھٹلائی۔ کہ زاویہ قائمہ میں انسان سماسکتا ہے۔ کہ وہ کہہ آئے ہیں کہ منبر کے پاس مثلث متساوی الاضلاع کے زاویہ حادہ میں آدمی سماسکتا ہے۔ اور یہ زاویہ قائمہ اس حادہ سے دوگنا بڑا ہے۔ کہ یہ زاویہ قائمہ ہے اور سارے ہی زاوئے قائمے برابر ہوتے ہیں۔ تو وہاں تو حادہ میں وہ وسعت اور یہاں قائمہ تنگ پڑگیا۔ پس یا تو آپ ہی بھاری بھرکم ہوگئے۔ یا آپ میں تخلخل ہوگیا۔ یا قائمہ ہی تنگ و متکاسف ہوگیا۔ تب انھیں اپنی جہالت مشاہدہ میں آئے گی۔ اور خود بذاتہ علیٰ رؤس الاشہاد تجربہ کرکے اعتراف کریں گے۔

سابعًا۔ اور ان کا یہ زعم کہ دروازہ پر زاویہ قائمہ اور منفرجہ متحقق نہیں ہوگا۔ اور بڑی جہالت ہے۔ جس کا مبنیٰ منبر کو وتر مثلث قرار دینا ہے۔ ورنہ ہم خوب ظاہر کرچکے ہیں کہ یہ تینوں زاوئے خارج الباب کیسے پیدا ہوسکتے ہیں۔ اور یہ ہماری آخری بات ہے جو ان کے تمام اوہام کے ازالہ پر حادی ہے۔ ان اوہام کی بات الگ ہے جس سے ہذیان بھی شرمائے۔

ویسے ان کی ہر چھوٹی بڑی کتھا کا رد میری اولاد اور میرے احباب کے رسائل میں ہے جیسے اذان من اللہ ۔ وقایہ اہلسنت، نفی العار ۔ سیف القہار تعبیر خواب، وحق نما فیصلہ وغیرہ جن کی تعداد دس تک پہونچتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ کے لئے ابتداء اور اسی کے لئے انتہا میں حمد ہے ۔ ہمارے سرداروں اوران علمائے کرام سے (جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ نفع پہونچایا) امید ہے کہ ہماری اس تحریر کا انصاف سے مطالعہ کریں ۔ اور رفع خلاف میں کوشش کریں ۔

بزرگ و برتر رب العالمین کے لئے حمد ہے ۔ اور افضل درود اور مکمل سلام اس کے حبیب سید المرسلین اور خاتم النبیین اوران کے آل و اصحاب عظام پر ہو ان کے صاحبزادے اوران کی تمام جماعت پر ہو ۔ ہر ذرہ کے بدلے ہزار ہزار بار ہر آن و ہر گھڑی ابدالآباد تک ۔

۱۰ ارشوال ۱۳۲۲ھ (صاحب ہجرۃ صلی اللہ علیہ وسلم پر بزرگ تحیہ اور سلام ہو (—) کو قلم نے آرام پایا ۔ اور حق روشن ہوا ۔

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد اور پاک پروردگار کے لئے پاکی ہے ۔ اس سے جو اس کے بارے میں وہ کہتے رہتے ہیں ۔ اور اسی کیلئے حمد ہے جو رب العالمین ہے ۔

اپنی زبان سے کہا ۔ اپنے قلم سے لکھا ۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے کتے احمد رضا محمدی سنی حنفی بریلوی نے ۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخشے اس کی امیدیں پوری کرے ۔ اوران کے اہل کو صلاح و فلاح دے ۔ حضور نبی اکرم کے عمل مقبول کے طفیل، ان پر اوران کے آل واصحاب پر برکت وسلام اتارے ۔ اپنے حسن وجمال اور جود و نوال اور انعامات واکرامات کے حساب سے آمین ۔

نفحہ (۱۳)

اضافات افاضات

جاننا چاہیئے کہ میں بندہ محتاج اپنی کتاب ختم کرچکا تھا۔ جس میں سمجھداروں کیلئے بے نیازی تھی۔ کہ اک تحریر نے اخیر میں اپنے چہرے نقاب الٹی۔ اور الحمدللہ ہماری کتاب میں وہ سب باتیں جمع ہیں۔ جو اس تحریر کو سوختہ کرسکتی ہیں۔ لیکن احباب کیلئے بھلائی کی زیادتی بھلی ہے۔ اور عام طالب علموں کے لئے۔ التصریح توضیح (اشارہ وکنایہ) سے بہتر ہے میں نے لیسے افادات کے اضافہ کو پسند کیا۔ جو حق کو ظاہر کریں۔ میری توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ میرا بھروسہ اسی پر ہے۔ اور میرا لوٹنا اسی کی طرف ہے ——— خصومت وعناد اور خصلت حسادیں انتہا کو پہونچا ہوا۔ رد کے تمام ہونے تک خموش رہا۔ اور پورے رد پر غور وخوض کرکے۔ اس کے مہلکات سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا رہا۔ تو اس کے شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ لغت، شرح، اصطلاح و اصول سب کے خلاف عرف عام کی پناہ لے۔ اور اسی ایک حربہ سے قرآن وحدیث اتادیل ائمہ تفسیر وشروح حدیث اور ائمہ لغت واصول نے جو کچھ بھی لفظ بین یدیہ اور عند کی تحقیق میں کہا ہے۔ سب سے چھٹکارا حاصل کرے کہ ہمارا کلام تو عرف عام میں ہے۔ اور عرف عام میں بین یدیہ اور عند دونوں کے معنی قریب کے ہیں۔ اور قریب بھی وہ جو ہم کہہ رہے ہیں۔ جس سے اذان منبر کے نزدیک اور متصل ہو۔ اور سوچا کہ اس سوراخ میں داخل ہو کر ان الفاظ کے سلسلہ میں تمام ارشادات سے نجات مل جائے گی۔ جو قرآن وحدیث اور تفسیر میں وارد ہوئے ہیں کہ وہ سب عند اور بین یدیہ کے معنی شرعی کو بتاتے ہیں۔ اور لغات معنی لغوی کا اظہار کرتے ہیں۔ کتب اصول معنی اصطلاحی بیان کرتی ہیں۔ اور یہاں تو بحث عرف عام میں ہے اور یہ سمجھ نہ سکا کہ اس کی اس ایک حیلہ سازی نے اس کی ساری

عمارت ہی ڈھادی۔ اور کاتا کوتا کپاس کر دیا۔

اولاً ۔ آپ نے امام راغب اصفہانی کے قول سے استدلال کیا۔ انکی کتاب تو لغت عرب اور محاورات قرآن میں ہے۔ اور آپ نے ان دونوں کو چھوڑ کر عرف عوام کی پناہ لی (پھر آپ نے اپنے نئے عرف کے لئے ان کی کتاب سے کیسے استدلال کیا) امام راغب کا یہ قول کہ یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کو لغت عرب سے نکال کر عرف جدید تھوڑا ہی بنا دے گا۔ اور اگر آپ کو یہی اصرار ہے۔ کہ استعمال کا مطلب جدید ہے، تو تاج العروس اور رضی نحوی کے بارے میں کیا کہیں گے۔ وہ بھی تو کہتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی ہر وہ شے جو تمہارے سامنے ہو (تاج) اور عند قریب اور بعید دونوں کیلئے مستعمل ہوتا ہے (رضی)

ثانیاً۔ آپ نے کشاف اور مدارک کی پناہ کیسے ڈھونڈی، کیا یہ تفاسیر میں سے نہیں۔ ان دونوں نے جو کچھ کہا ہے محاورہ قرآن کی شرح ہے۔ اور آپ قرآن عظیم کے محاورہ کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ زمخشری یا امام النسفی نے اپنی تفسیروں میں جو فرمایا "حقیقۃ قولھم" ان کے قول کی حقیقت تو۔ ان" سے مراد عرب ہی ہیں۔ اور عرب کی بول چال تو لغت عرب ہے (تو پھر آپ لغت سے کیسے استدلال کرتے ہیں، آپ تو عرف عام کے دعویدار ہیں) قصہ اصل یہ ہے کہ آپ کے عوام کا عرف بین یدیہ اور عند میں اگر ہوگا تو معنی منقول اور چونکہ نقل خلاف اصل ہوتا ہے۔ تو اس کیلئے بھی آپ کو دلیل لانی پڑے گی۔ وہ کہاں سے لائیں گے؟

ثالثاً۔ یونہی قرآن عظیم عربی مبین میں نازل ہوا۔ اس پاک کلام میں ہے، ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا۔ اور یہ بیشک تمہارے ہی کلام کی طرح ہے۔ تو قرآن کریم میں عرب کے ہی محاورے ہوں گے۔ عربیوں کے محاوروں کے خلاف اگر کچھ ہو تو اس کے لئے نقل شرعی کا ثبوت درکار ہے۔ تو قرآن میں کوئی لفظ کسی معنی میں بولا جانا یہ اس بات

کی سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ اس لفظ کے محاورۂ عرب میں یہ معنی ہیں۔ اور معنی شرعی کے لئے نقل کا ثبوت ضروری۔ اور مسئلہ بین یدیہ میں اس کا ثبوت محال اور خالی دعویٰ لایعنی بڑھ ہے۔

حضرت محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور صاحب بحر نے بحرالرائق میں۔ اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا:

"قرآن کا خطاب لغت عرب میں ہی ہے۔ جب تک کہ نقل سے ثابت نہ ہو جیسے لفظ صلوٰۃ وغیرہ۔ ثبوت نقل کے بعد البتہ یہ منقول شرعی ہو جائیگا۔"

حضرت مولانا عبدالعلی بحرالعلوم رحمۃ اللہ علیہ فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

نقل کا دعویٰ اللہ تعالیٰ پر ایک دعویٰ ہے۔ تو اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ضروری ہے۔ اور فیما نحن فیہ علامت ظنی بھی نہیں، تو کسی مسلمان کیلئے یہ درست نہیں کہ بے جانے اللہ تعالیٰ پر یہ جرأت کرے"

(تو آپ جو یہ فرماتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی متصل منبر ہونا ہے۔ نہ محاورہ قرآنی ہے۔ نہ حدیث کی بول چال ہے۔ نہ لغت واصول میں ہے۔ یہ تو عرف عوام ہے۔ بے ثبوت آپ کا یہ عرف عام پیدا کہاں سے ہوگا؟)

رابعاً۔ ہر کلام میں متکلم کے محاورہ اور عرف عام کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ اہل عرب اور صاحب لسان عرب ہیں۔ آپ کا کلام بھی عربی بول چال اور عربی محاورہ میں ہی ہوگا۔ عرف کے خلاف ان کی کوئی خاص اصطلاح نہ ہوگی۔ انھوں نے بین یدیہ کا لفظ دروازہ مسجد کے لئے استعمال کیا۔ اور اس معنی پر ہم نے لفظ عند کے بھی کئی محاورے نقل کئے، جس کا انکار ہٹ دھرمی ہے۔ اس کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ عرف عام نے ان لفظوں کو بالکل پاس کے معنی میں خاص کیا ہے۔ یا تو جہالت ہے یا افتراء پردازی خامساً۔ علم اصول فقہ کا لفظ جو شخص سنے گا۔ وہی یہ فیصلہ کرے گا۔ کہ فن علم فقہ

کے قواعد وضوابط اور مصطلحات کیلئے وضع ہے۔ اور یہ بھی یقین کرے گا کہ فقہا اور علم اصول فقہ کے اصطلاحات میں کوئی اختلاف نہیں۔ جس لفظ کے جو معنی ائمہ اصول فقہ نے متعین کیا۔ فقہا کے نزدیک بھی وہ مسلم ہے۔

مسئلا اذان ثانی میں فقہا نے عند المنبر کا لفظ کتابوں میں استعمال کیا۔ ائمہ اصول فقہ نے عند کے معنی حضور قرار دئے۔ تو ظاہر ہے کہ فقہاء کے عرف میں بھی اس لفظ کے یہی معنی ہونگے۔ بالفرض اس لفظ کیلئے کوئی دوسرا عرف بھی ہو۔ اور اس نے کوئی اور معنی قرار دیئے ہوں۔ تب بھی یہاں ضرورت تو فقہا کے عرف کی ہے۔ کہ یہاں یہ لفظ انھیں کے کلام میں استعمال ہوا ہے۔ کسی دوسرے عرف سے کیا سروکار، دوسرا عرف تو یہاں کے لئے بالکل بے کار ہے۔

لیکن یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ مدعی کس ڈھیٹائی سے ائمہ اصول فقہ کی تصریحات سن کر کہتا ہے۔ کہ یہ سب فضول ہے۔ یہاں تو عرف عوام کی ضرورت ہے۔ بھلا کلام فقہا میں عرف عوام کی کیا ضرورت؟ سچ یہ ہے کہ تعصب آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔

سادساً۔ آخر یہ معاند اس کا کیا جواب دیں گے۔ کہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میری بیوی کو تین طلاق۔ اگر میں اس شہر میں جاڑے میں اپنی بیوی کے ساتھ رہوں۔ اور اس نے اس شہر کی جامع مسجد میں جاڑا گزارا۔ تو اس کی عورت پر طلاق نہ پڑے گی۔ کیونکہ شرط جاڑے میں شہر میں بیوی کے ساتھ رہنے کی تھی۔ اور وہ نہیں پائی گئی۔ اور عند کا لفظ حضور کے لئے ہے۔ ہاں ھذا البلد سے اس کی نیت جامع مسجد کی بھی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔ مسائل حلف کی بنا عرف پر ہے اور امام رملی نے صاف بیان کر دیا کہ عند حضور کے لئے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عند کے بارے میں ائمہ اصول نے جو فرمایا۔ وہ بھی معنی عرفی ہی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں لغوی معنی کا کوئی نائب نہیں ۔ اور زبان شرع اور اصول و فقہ اور عرف سب لغوی معنی کے ہی موافق ہیں ۔ جیساکہ ہم نے بین یدیہ اور عن کے معنی میں بیان کیا ہے ۔ والحمد للہ

سابعًا ۔ اگر ان سب باتوں سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو مذکورہ حیلہ کی ڈھال دو باتیں ہیں ۔ یہ کہ عند اور بین یدیہ کے معنی قریب کے ہیں ۔ اس کے ثبوت میں راغب وغیرہ سے استدلال کیا ہے ۔ ہم اس کے جواب میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے ہم کو انکار نہیں ۔ لیکن وہ آپ کو مفید نہیں ۔ اور اس سے ہمارا نقصان نہیں ۔

دوسری بات یہ کہ قرب عرف عام میں خطیب کے بالکل متصل ہونے لئے خاص ہے ۔ اور یہی مدعیوں کا خاص مقصد ہے ۔ لیکن اس مقصد پر دراز لسانیوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں دی ۔ اور ہم ایسے بہت سے محاورات ذکر کر چکے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تکذیب ہوتی ہے تو یہ ساری دراز لسانیاں بے فائدہ ہیں ۔

ثامنًا ۔ اگر اس سے بھی قطع نظر کر کے مان لیا جائے کہ یہاں حسب ادعائے مدعی کوئی عرف ہے ۔ تو عوام کے کسی گروہ کا ہوگا ۔ تو ایک بات تو یہ ہے کہ مدعی یہاں عرف عوام اور عرف عام میں فرق نہیں کرتا ۔ دوسری بات یہ کہ یہاں ضرورت تو فقہائے کرام کے عرف کی ہے (نہ کہ عرف عوام یا عرف عام کی) تو کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے ثابت ہو کہ فقہاء قرب کو اسی خاص معنی میں بولتے ہیں ۔

آپ کے اس دعویٰ کے بطلان پر بہت سی دلیلیں ہیں ان میں سے چند کو ہم بیان کرتے ہیں ممکن ہے آپ کو حق کی ہدایت ہو ۔ اور اگر مرضی الٰہی یہ نہ ہو تو کسی دوسرے کو ہی ہدایت ہوگی ۔

اقول بتوفیق اللہ ۔ بلاشبہ قرب ایک اضافی چیز ہے ، تو جب دونوں حدود

کا ذکر کر دیا جائے۔ تو پاگل ہی یہ خیال کرے گا کہ قرب اسی پر ختم ہے۔ اور اس سے متجاوز نہ ہوگا۔ ورنہ جب تک عالم ختم نہ ہوجائے۔ ہر اگلی منزل قریب ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کوئی چیز جو کسی چیز سے دور ہو۔ جب ہم اس کو اس سے دور والی چیز کی نسبت سے دیکھیں گے۔ تو یہ قریب ہو جائے گی۔

جیسے کرسی زمین سے بہ نسبت عرش کے قریب ہے اور وہ بہ نسبت اجسام عرش کے بعد زمین سے سب سے زیادہ دور ہے۔ اتنا دور کہ اس کی دوری کا اندازہ، اس کا پیدا کرنے والا ہی کر سکتا ہے۔ یا وہ جسے اللہ تعالیٰ بتلائے لیکن بسا اوقات ایک چیز کو بہ نسبت دوسری چیز کے ایسی حالت ہوتی ہے۔ جس پر لفظ قریب کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی تیسری چیز کی طرف اضافت کا لحاظ نہیں ہوتا، اس قرب کی اختلاف مقام کے لحاظ سے مختلف قسمیں ہیں۔ اسی سے ایک قرب تناول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شئی ایسی جگہ ہے جہاں تمہارا ہاتھ پہونچ سکے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہل کی طرف گئے۔ اور ایک گرم بھنا ہوا بچھڑا لائے اور اسے فرشتوں کے قریب کیا۔ اور ان سے کہا کیوں نہیں کھاتے ہو۔

قرب سمع۔ جہاں تک آپ کی آواز پہونچ سکے۔

قرب سیر۔ یہ کہ وہاں تک پہونچنے میں آپ کو زیادہ حرج نہ لاحق ہو۔

تو اگر فقہانے اپنے کلام میں قرب کو قرب تناول تک ہی خاص کیا ہوتا۔ تو آپ کا مقصد حاصل ہوتا۔ لیکن وہ حضرات اس سے بری ہیں۔ ان کے بیشتر کلمات میں قرب کا لفظ بقیہ تین معنوں میں سے کسی ایک کے لئے استعمال ہوا ہے۔

فی الوقت قرب مطلق کی تفسیر میں فقہا کی دس عبارتیں مجھے یاد ہیں (اور جو مستحضر نہیں وہ کبھی اس سے زائد ہونگی)۔ جن کا بیان مندرجہ ذیل مسائل میں ہے۔

الاولیٰ ۔ سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہو تو مسافر کو تیمم جائز نہیں اور دور ہو تو جائز ہے اور قرب و بعد مسافت میں اس کے باوجود اختلاف ہوا کہ قرب سے مراد ہر کے نزدیک وہی مسافت ہے جو آسان ہو ۔ مگر اس پر اجماع ہے قرب تناول مراد نہیں

صاحب عنایہ فرماتے ہیں ۔

یہ بات شرع میں منصوص ہے کہ تیمم کیلئے پانی کا معدوم ہونا عذر ہے ۔ اور صورت مسئولہ میں پانی حقیقۃً معدوم بھی ہے ۔ لیکن یہ بھی یقیناً معلوم ہے کہ پانی نہ ہو مگر بہ آسانی دستیاب ہو جائے ۔ تو یہ جواز تیمم کیلئے عذر نہیں، ورنہ دریا کے کنارے گھر بنانے والے کے گھر میں پانی نہ ہو تو وہاں بھی وہ تیمم کرنے لگیگا ۔ اس لئے قرب وبعد میں حد فاصل حرج کو قرار دیا گیا ۔

بنایہ میں ہے کہ ۔

پانی قریب ہو تو آدمی کو تیمم کی اجازت نہیں

اسی میں ہے :

(مقدار میں ایک میل کی مسافت معتبر ہے) یعنی پانی کی دوری کی مقدار میں اور اس مقدار کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی کا بہت قریب ہونا جواز تیمم کو مانع ہے ۔ اور بعد سے تیمم جائز ہوتا ہے ۔ تو اس کی مقدار ایک میل مقرر کی گئی ۔ کہ اس سے زائد حد مقرر کرنے میں مکلف کو پانی تک پہونچنے میں حرج لاحق ہوتا ہے ۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسافر اور شہر کے درمیان دو میل کا فاصلہ شرط ہے ۔

اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوری کی حد یہ ہے کہ پانی

کی تلاش کیلئے آنے جانے میں قافلہ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے اور یہ بہت عمدہ ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ پانی نگاہوں سے دور ہو۔ دوری کی تعین میں پھر اختلاف ہوا۔ تو کسی نے ایک میل کہا، امام محمد نے دو میل فرمایا۔ ایک قول دو فرسنگ کا ہے۔ اور کہا گیا کہ اتنی دور جس کے بعد نماز قصر کی جاتی ہے۔ کسی نے کہا کہ جہاں تک اذان کی آواز پہونچے کسی نے کہا کہ اتنی کہ وہاں سے آبادی کا شور نہ سنائی دے۔

اور کہا گیا کہ اتنی دور کہ شہر کے کنارے کھڑے ہو کر پکارا جائے تو مخاطب سن نہ سکے۔

بدائع میں لکھا ہے:

اتنی دور کہ وہاں جانے پر قافلہ کا شور وغوغا سنتا رہے اور پیچھے والوں کی آواز بھی آتی رہی تو قریب ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ

پانی کے پاس رہنے والوں کی آواز آتی رہے تو قریب ہے۔ قاضی خاں نے فرمایا کہ اکثر مشائخ اسی کو مانتے ہیں۔ ایسا ہی امام کرخی نے فرمایا۔ اور ہمارے نزدیک اقرب الاقوال ایک میل کا اعتبار ہے۔

اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیت قرآنی تو مطلق ہے۔ اس کو رائے سے مقید کرنا کیسے جائز ہوگا تو میں کہوں گا کہ قریب کا مانع ہونا اور بعید کا نہ مانع ہونا۔ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ اس لئے حد فاصل ایک میل کو قرار دیا گیا ــــ اھ

الثانیہ :- تنویر الابصار میں ہے ۔

کواں یا حوض یا نہر کسی آدمی کی ملک ہوں ۔ اس سے قریب ہی کہیں اور پانی ہو ۔ تو کھانے، پینے، دھونے، نہانے اور جانوروں کو پلانے والوں کو وہ اپنے کنویں وغیرہ سے روک سکتاہے ۔

علامہ شامی علامہ مقدسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ ۔

قرب کے مقدار کہیں نظر سے نہیں گذری ۔ تو تیمم کی طرح یہاں بھی ایک میل کو ہی حد فاصل مقرر ہونا چاہیے :

میں نے شامی کی اس تحریر پر حاشیہ لکھا ۔ یہاں ایک میل کی مسافت میں تامل ہے ۔ کہ پیاسوں میں بسا اوقات اتنی دور جانے کی تاب نہیں رہتی ۔ اور محدث کا یہ حال نہیں شاید اسی وجہ سے علماء نے کوئی مقدار متعین نہیں کی ۔ اور مقدار کا معاملہ مبہم چھوڑ دیا ۔ تو ہر ضرورت مند اپنی ضرورت کے حساب سے قرب وبعد کی مقدار مقرر کرے ۔

الثالثہ ۔ درمختار کے باب الشہادۃ میں ہے ۔

مدعی کے طلب پر گواہ کو سات شرطوں کے ساتھ گواہی دینا واجب ہے ۔

جن کا ذکر بحر الرائق وغیرہ میں تفصیل سے ہے ۔ جس میں ایک قاضی کی عدالت اور ادائے شہادت کی جگہ کا قریب ہونا ہے ۔ شامی اور بحر الرائق دونوں میں ہی تصریح ہے ۔

کہ اگر قاضی دور ہو ۔ کہ دن بھر میں گواہی دیکر گواہ اپنے گھر واپس نہ پہونچ سکے تو گواہی دینا واجب نہیں ۔ کہ اتنی دور تک آنے جانے سے گواہ کو ضرر پہنچے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہیں دیا جائے گا ۔

دیکھئے ان تینوں مثالوں میں قرب سے مراد قرب میسر ہے (قرب تناول مراد نہیں ہے)

الرابعہ ۔ محقق امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا ۔

خطبہ کی حالت میں کلام منع ہے گو امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو۔ یونہی تسبیح یا کھانا پینا اور کتابت سبھی منع ہے (الی ان قال) یہ احکام اس وقت ہیں کہ مقتدی امام کے اتنا قریب ہو کہ امام کی آواز سن رہا ہو۔ اور اگر دور ہو کہ امام کی آواز تو متاخرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت محمد ابن مسلمہ سکوت پسند کرتے ہیں۔ اور نصیر الدین یحیٰ قرأت پسند کرتے ہیں۔

الخامسة۔ عالمگیری کے باب تکبیرات عیدین میں ہے۔

کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نماز عیدین تکبیرات زوائد کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو پسند کرتے تھے (یعنی چھ زائد تکبیریں) امام اگر اس کے علاوہ اتنی تکبیریں کہے جو کسی فقیہ کا مذہب نہ ہو تو مقتدی امام کی پیروی نہ کرے۔

پھر بدائع سے نقل کیا۔

یہ اس وقت ہے جب مقتدی امام کے قریب ہو۔ کہ خود اس کی آواز سن رہا ہو۔ اور اتنی دور ہو کہ خود نہ سنتا ہو، بلکہ مکبروں سے سن کر ادا کرتا ہو۔ تو جتنی سنے سب ہی ادا کرے۔ اگرچہ وہ اقوال صحابہ سے بھی باہر ہو۔ کیونکہ غلطی کا امکان مکبروں کی طرف سے بھی ہے۔ تو کچھ تکبیریں چھوڑنے میں خطرہ یہ ہے کہ کہیں۔ امام کی کہی ہوئی تکبیریں ہی نہ چھوٹ گئی ہوں۔

السادسہ۔ بحر الرائق کے باب الجمعہ میں ہے۔

مضمرات میں ذکر کیا کہ شیخ امام اجل حسام الدین نے فرمایا کہ جمعہ شہر سے قریب والے مواضع کے باشندوں پر واجب ہے۔ جو اتنے قریب ہوں

کہ منارہ پر بلند آواز سے اذان کہی جائے تو سنیں ۔

السابعہ ۔ تنویر الابصار میں ہے ۔

جس کافر کو کسی مسلمان آزاد مرد یا عورت نے امن دیدیا گو امن دینے والے فاسق ہی کیوں نہ ہوں ۔ ان کا قتل منع ہے ، اس شرط کے ساتھ کہ امن دینے والوں کی آواز انھوں نے خود سنی ہو ۔ تو دور والوں کو امن نہیں ملیگا ۔

الثامنہ ۔ تنویر اور شرح درر میں ہے ۔

کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی بنجر زمین آباد کی اور وہ کسی کی ملک نہ ہو ۔ نہ مسلمان نہ ذمی ، اور یہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ کنارہ آبادی سے پکارا جائے ۔ اور پکارنے والا بلند آواز ہو (بزازیہ) تو آواز سننے میں نہ آئے ۔ تو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہوگا ۔

کفایہ میں ذخیرہ سے مروی ہے ۔

قریب و بعید کے درمیان حد فاصل حضرت قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ۔ آپ نے فرمایا ایک بلند آواز آدمی آبادی کے انتہائی سرے سے کسی بلند جگہ سے کھڑے ہوکر پوری طاقت سے پکارے اور اور آواز وہاں نہ پہونچے تو وہ بعید ہے ۔

التاسعہ ۔ درمختار میں ہے ۔

اگر کوئی مقتول شارع عام میں قید خانہ میں اور مسجد جامع میں پایا گیا ۔ تو اس کا تاوان کسی پر نہیں ہے ۔ البتہ اس کی دیت بیت المال سے ادا کیجائیگی یہ جب ہے کہ وہ جگہیں محلوں سے بعید ہوں ۔ اور اگر قریب ہوں تو جو محلہ وہاں سے سب سے قریب ہو ۔ اس پر تاوان ہے ۔

امام شامی نے فرمایا کہ :

ظاہر یہی ہے کہ یہاں قرب سے مراد آواز سننے کا قرب ہے

العاشرہ ۔ ہدایہ میں ہے

اور اگر ویرانہ میں مقتول پایا گیا ۔ جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون ضائع ہے ۔ اور قریب کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ کہ وہاں سے آواز سنی جارہی ہو ۔ یہ سب مثالیں قرب سماع کی ہیں۔

الحادی عشر ۔ لمعہ ثانیہ عودیہ میں ہم ذکر آئے ہیں۔ کہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔

یہ حکم تب ہے کہ نگراں اس سے اتنی قریب ہو کہ اسے دیکھ رہا ہو اور اتنی دور ہو کہ نہ دیکھے تو حافظ اور نگراں ہی نہیں۔

یہ قرب بصر کی مثال ہے ۔ اور فقہاء کے عرف میں یہ سارے مصادیق قرب مطلق تک ہیں تو اگر آپ کے وہاں یہی رسم ہو کہ خطیب موذن کو کھاتا ہو اور خطیب موذن کو نگلتا ہو تو ضرور یہاں قرب سے قرب تناول ہوگا۔ ورنہ یہاں قرب تناول کو متعین کرنے اور اس پر برانگیختہ کرنے والی کیا چیز ہے ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حق وہدایت کے طالب ہیں ۔

تاسعًا ۔ یہ شخص یہ اعتراف کر چکا ہے کہ عندہ ہر مقام پر قرینہ کے لحاظ سے علحدہ علحدہ قرب کے لئے ہے ۔ تو اس کو دلیل سے یہ ثابت کرنا چاہئے تھا کہ مسئلہ مقام اذان میں امام سے قرب کی یہ حد ہے ۔ لیکن اس نے ایک دعویٰ کیا ۔ اور ثبوت کے لئے اسی دعوی کو کافی سمجھا ۔ اگر ثبوت کے لئے صرف دعویٰ کافی ہوتا۔ تو ہر مبہوت دلیل والا ہوتا ۔ لیکن ان کا عجیب شیوہ ہے کہ اقرار کر کے انکار کرتے ہیں ۔ اور حق کی طرف مائل ہو کر اسی سے گریز بھی کرتے ہیں ۔

عاشرًا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ ”درست میزان سے تولو“ اور میزان و معیار تو ہر چیز کے لئے ہے ۔ چنانچہ زبان کے ترازو کے دو پلے ہیں، شرع اور عقل تو جسے ان دونوں سے حصہ ملا ہے ۔ وہ ہر بات کو اسی کے موافق محمول کریگا اور جاہل کے ہاتھ میں نہ میزان ہے، نہ وہ اوزان کو جانتا ہے، تو جب اس سے کوئی اس کا زبردست حاکم کہے کہ اٹھو اور ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر نماز پڑھو ۔ تو وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ مجھے توفی الفور نماز پڑھنے کا حکم ہے، اگر میں وضو کرنے لگوں تو فورًا نماز پڑھنے میں تاخیر ہو جائیگی ۔

یونہی اگر زید نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا ۔ اور فورًا ہی نکلنے کی تیاری کرنے لگا ۔ سامان منتقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ۔ اور اسی میں ایک دن لگ گیا ۔ تو جاہل گمان کرے گا کہ زید تو حانث ہو گیا ۔ کہ قسم کے بعد بھی ایک دن اسی گھر میں رہا ۔ لیکن عالم خوب جانیگا کہ پہلی صورت میں وضو کرنے کی مقدار ۔ اور دوسری صورت میں آسانی سے سامان جتنی دیر میں منتقل ہو سکے عقلاً مستثنیٰ ہے تو اس دیر سے فورًا میں خلل نہیں پڑے گا ۔ خانیہ اور ہندیہ میں ہے ۔

جس نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا ۔ خود تو وہ گھر سے باہر ہو گیا ۔ اور منتقل ہونے کے لئے دوسرا گھر تلاش کرنے لگا جو چند دن نہ مل سکا ۔ اہل و عیال اور اسباب اسی گھر میں رہے ۔ اور ایسا ممکن تھا کہ اس مکان سے وہ اسباب باہر نکال لے مگر نہیں نکالا ۔ تب بھی حانث نہیں ہو گا ۔

یونہی سواری کی تلاش میں چند روز کی تاخیر ہوئی ۔ جس پر سامان لاد کر جائے ۔ یا قسم رات میں کھائی، اور رات کی وجہ سے صبح تک نکلنا ممکن نہ ہو سکا ۔ یونہی سامان زیادہ تھا جسے وہ خود ہی ڈھو کر منتقل کرنے لگا ۔ اس میں

تاخیر ہوئی۔ وہ سواری کر سکتا تھا مگر سواری نہیں کی۔ ان سب صورتوں میں وہ شخص حانث نہ ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے از خود سامان ڈھونے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو۔ معمولاً جیسا ڈھوتے ہیں ویسا ہی ڈھویا ورنہ حانث ہوگا"

ایسے ہی کوئی عالم افادہ وتعلیم یا درس مسائل کے لئے خطاب کر رہا تھا اور سامعین دروازہ تک صف در صف بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی طالب علم مسئلہ پوچھنے آیا۔ اس کو مجلس کی ہیبت نے عالم سے قریب ہونے نہیں دیا۔ تو خود عالم نے اسے قریب ہونے کا حکم دیا۔ یا بادشاہ نے اپنے بعض حاشیہ نشینوں کو اپنے نزدیک آنے کا حکم دیا۔ تو جاہل تو یہی کہے گا کہ مطلقاً قریب ہونے کا حکم ہے اور عرف میں اس سے انتہائی قرب مراد ہوتا ہے۔ تو وہ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوتے اور گردنیں پھلانگتے ہوئے۔ عالم کی گود میں جا بیٹھے گا۔ اور بادشاہ کے دربار میں فرش کو روندتا، تخت پر چڑھ جائیگا اور بادشاہ کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ جائے گا۔ اور بادشاہ کی تعذیر، اور آخرت کی تعذیب کا مستحق ہوگا۔ معاذ اللہ رب العالمین۔

اور عقلمند خوب سمجھے گا کہ یہاں وہی قرب مراد ہے۔ جس کی شرعاً اور عرفاً گنجائش ہے۔ تو سائل دروازہ کے پاس مجلس عالم سے پرے۔ اور بادشاہ کا حاشیہ نشین اپنے منصب تک، دربان دروازے تک اور وزیر تخت کے قریب کھڑا ہو جائے گا۔

اور پتہ چل جائیگا کہ جاہل نے عرف کے سمجھنے میں غلطی کی، اس لئے کہ مطلقاً قرب کا مطلب وہ مقدار ہے جہاں تک بڑھنے کی گنجائش ہو۔ نہ کہ تمام حدود کو پھلانگنے کا نام ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ لفظ مطلقًا بولا جاتا ہے۔ اور عقل و شرع اور عرف سب اس پر متفق ہیں کہ مراد تمام شروط و قیود و آداب کو ملحوظ رکھنے والا مقام ہوتا ہے۔ اور جو ان سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لفظ کو دیکھے گا۔ تو ایسے آدمی کا سب سے ہلکا لقب پاگل ہوتا ہے۔ امام زیلعی تبیین الحقائق کی کتاب الذبائح میں فرماتے ہیں کہ:

کسی شے کے شرائط معروف ہوں۔ اور اسے مطلق بولا جائے تو انھیں شرائط کے ساتھ ملحوظ ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز قائم کرو۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے شروط کے ساتھ۔

جب صورت حال یہ ہے تو مان لو کہ فقہاء نے قریب المنبر کہہ کر انتہائی قرب مراد لیا۔ لیکن اس پر نادانوں کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس انتہائی قرب سے مراد بھی وہی قرب ہوگا جس کی شریعت میں گنجائش ہو، اور شرع مقدس کا یہ حکم شائع اور ذائع ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، ایسی صورت میں قرب کی انتہا حدود مسجد تک ہوگی۔ اور اس حد میں بھی گنجائش ہے۔ کہ منبر سے سب سے قریب وہ مقام ہوگا جو اس کے ٹھیک مقابل ہو اس لئے کہ جب ہم منبر سے نیچے کی طرف خطوط کھینچیں تو جو خط سیدھا اس کی طرف جائے وہ حادہ کا وتر ہوگا۔ اور بقیہ خطوط قائمہ کے وتر ہونگے۔ تو موذن اگر اِدھر اُدھر کے خطوط پر کھڑا ہوگا تو منبر سے دور ہوگا۔ اور سامنے کھڑا ہوگا تو اتنا قریب ہوگا کہ اس سے زیادہ قرب ممکن نہیں۔ تو فقہاء کے قول قریبًا منہ کے یہ معنی ہوئے کہ قریب ہونیکی جو انتہائی گنجائش نکل سکتی ہے۔ وہاں کھڑا ہو۔ تو حق ظاہر ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور ہمارے سردار سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انکے آل اور جمیع اصحاب پر پڑھنے والوں کا بہترین درود و سلام ہو۔ آخری دعا یہ ہے کہ حمد رب العالمین کیلئے ہے۔ فقط

ترجمہ:۔ عبد المنان اعظمی
۲۶ محرم ۱۴۱۵ھ

بِحَمْدِاللّٰہِ تبَارَکَ وَتَعَالیٰ

یہ رسالہ مبارکہ جس میں داخلِ مسجد اذانِ خطبہ کے مکروہ وخلافِ سُنت ہونے کا روشن بیان ہے۔ اور عموماً ہر اذان کا خصوصاً اذانِ ثانی جمعہ کا بیرونِ مسجد سنتِ نبویہ وسنتِ صدیقیہ وسنتِ فاروقیہ ہونا کالشمس فی النھار روشن وعیاں ہے۔ اس نادرونایاب رسالہ مقدسہ کے حضور رامپوری مولوی صاحبوں کا فتوائے خلاف واضح البُطلان ہے۔

مسمّٰی باسمِ تاریخی

اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ لِقِیَامِ سُنَّۃِ نَبِیِّ اللّٰہِ

از افادات

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا مفتی حامد رضا خان قادری برکاتی

رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالیٰ عَلَیْہ

مرتب

حضرت محبوبِ ملت مولانا مولوی حافظ قاری محب الرضا مفتی محمد محبوب علی خاں لکھنوی

رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالیٰ عَلَیْہ

ضروری نوٹ: یہ کتاب پہلی بار شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا حامد رضا خان قادری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالیٰ عَلَیْہ کے نامِ گرامی سے شائع ہورہی ہے۔ اس کی تفصیل اس مجموعہ کے صفحہ ۵۷۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سببِ تحریر

یا فتّاحُ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

گرامی برادرانِ اہلسنت وجماعت کثرکم اللہ تعالیٰ وَ اَیدکم نصراً عزیزاً۔ آج فقیر حقیر آپکی خدمت میں اذانیوں کا ایک فتویٰ مع استفتاء پیش کرتا ہے۔ جس میں "مفتی" مفتیوں نے اپنے خیال سے اعلیٰ درجہ کے دلائل پیش کئے ہیں جو قابل ملاحظہ ہیں اور اس کے بعد ہی آستان رضوی دارالافتاء بریلی کا وہ مبارک ومقدس مضمون ہدیہ ناظرین کرتا ہے۔ جس میں اذانیوں کے اس فتوے کی قلعی کھولی اور حقیقت واضح کی گئی ہے اور اس فتوے کی ہی عبارتوں سے مسجد کے اندر اذان کا مکروہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ عجیب وغریب مضمون ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ مضمون افادات حضور پرنور مرشد برحق سیدنا اعلیحضرت عظیم البرکۃ آقائے نعمت دریائے رحمت مجدد اعظم دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین تاج الفحول الکاملین مولٰنا مولوی حافظ قاری الحاج مفتی شاہ علامہ عبدالمصطفےٰ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ قادری برکاتی آل رسولی بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ جن کو اکابر علماء ومشائخ مدینہ طیبہ مکہ ومکرمہ نے اپنا امام وفرد وپیشوا وشیخ اور اس صدی کا مجدد مانا جن سے احادیث وسلاسل کی سندیں حاصل کیں۔ جن سے شرف تلمذ حاصل کرنے پر فخر کیا۔ ہندوستان کے صدر الافاضل واستاذ العلماء نے جن سے اجازتیں لیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں اس صدی کا مجدد خلق فرمایا اور ان کے ذریعے اس دور پرشرور وفتن میں دین پاک کا احیاء فرمایا۔ انہیں مسائل میں سے جن کی حضور پرنور اعلیحضرت قبلہ کے ہاتھوں تجدید فرمائی گئی۔ ایک مسئلہ اذان ہے اور خاص اس مسئلہ میں حضور پرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعدد رسائل ہیں مثلاً شمائم العنبر فی محل النداء بازاء المنبر اور وقایۃ اہل السنۃ اور سلامت اللہ لاہل السنۃ اور اوفی اللمعۃ فی اذان

یوم الجمعۃ اور فیصلہ اذان کا حق نما فیصلہ وغیرہ وغیرہ جن کے جواب سے تمام اذا
عاجز و مبہوت رہے اور ہیں اور رہیں گے اور عجز و ضد کا یہی کافی ثبوت ہے جو
اس رامپوری فتوے کا جواب پڑھ کر اس کی تمام کاروائیاں، چالبازیاں معلوم
کر کے واضح ہو گا۔ مگر انصاف و حق پسندی شرط ہے۔

سگ رضوی
فقیر حقیر محب غفرلہ ربہ

اِستفتاء

منجانب: مسلمینِ پیلی بھیت

سب مسلمانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ تمام ممالک مکہ معظمہ و مدینہ منورہ و ہندوستان و خراسان و ترکستان و ایران و مصر و شام و روم وغیرہ میں تیرہ سو برس سے جمعہ کے روز خطیب کے قریب منبر کے سامنے اندر مسجد کے اذان دوسری واسطے خطبے کے کہی جاتی ہے اور کبھی اس کے خلاف کسی نے زبان نہیں کھولی۔ اب اگر کوئی عالم صاحب یہ فرمائیں کہ یہ اذان اندر مسجد کے مکروہ ہے کیسے مانی جائے۔ خیر انہوں نے اگر مکروہ کہا تو یہ ان کا اجتہاد ہے۔ افسوس اور رونے کی یہ بات ہے کہ اذان مسنون کو جو مسجد کے اندر کہی جاتی ہے وقت خطبہ کے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ بعض پیرو اُن کے گناہِ کبیر کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کو مرتکب گناہِ کبیرہ کا کر دیا۔ اب ہم ایک فتوئ علماء رامپور کا چھپوا کر آپ صاحبوں کے ملاحظہ کے واسطے پیش کرتے ہیں۔ اس فتوے میں صاف لکھا ہے کہ اذان خطبہ کی اندر مسجد کے مسنون ہے اور اسی طرح علمائے لکھنو وغیرہ کے چند فتوے آئے ہیں (مگر لکھنو وغیرہ کے فتوے صیغہ راز میں ہیں) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اذان ثانی خطبہ کی داخل مسجد قریب منبر کے جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہے تو کیا خارج از مسجد ہونا چاہیے اور آج تک علماء حنفیہ کا مختار مذہب حنفی کیا ہے اور اب علماء

کس طرح پر اذان ثانی خطبہ کی اپنی اپنی مساجد میں کہلاتے ہیں آیا اندر مسجد کے یا خارج از مسجد بَیِّنُوْا بِالدَّلِیْلِ وَتُوْجَرُوْا مِنَ الْجَلِیْلِ ۔ فتوی علمائے رامپور جزاہم اللہ خیر الجزاء

الجواب وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی مُوَفِّقٌ لِلصِّدْقِ وَالصَّوَابِ اذانِ ثانی جو وقت بیٹھنے امام کے منبر پر واسطے خطبہ پڑھنے کے ہوتی ہے اور مسجد میں امام کے سامنے منبر کے پاس ہوتی ہے اور یہی طریقہ مسنون سلف در خلف کا ہے۔ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اِلٰی یَوْمِنَا ھٰذَا مُرَوَّج چلا آتا ہے وہ مسجد میں امام کے سامنے منبر کے پاس ہوتی ہے اور اگر کسی نے اس کے خلاف کیا ہے تو اس کا علمائے محققین نے رد کیا ہے یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ امر مُجْمَعٌ عَلَیْہِ ساری اُمّت مرحومہ کا ہے۔

عن معاذ ان عمر امر موذنین ان یؤذنا للناس الجمعة خارجا من المسجد حتی یسمع الناس وامر ان یؤذن بین یدی کما کان فی عهد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر ثم قال عمر نحن ابتدعنا لکثرة المسلمین ۔ انتہی (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

اور چونکہ مشہور روایت ایجادِ اذان علی الزوراء حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے لہٰذا علامہ ابن حجر نے اس طرح تطبیق دی ویمکن الجمع بان الذی ذکرہ عطاء هو الذی کان فی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دام علی عهد عثمن ثم رأی ان یجعله اذانا وان یکون علی مکان عال فضل ذلک فنسب الیہ لکونه بالفاظ الاذان وترک ماکان فعل عمر لکونه مجرد اعلام انتهی۔

عن الزهری کان بلال یؤذن اذ جلس النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنبر فاذا نزل اقام وقد تقدم نحوہ فی مرسل

مکحول۔ قریباً قال المهلب الحکمۃ فی جعل الاذان فی هذا المحل یعرف الناس بجلوس الامام علی المنبر فینصتون له اذا خطب کذا قال وفیه نظر فان فی سیاق ابن اسحٰق عند الطبرانی وغیره عن الزهری فی هذه الحدیث ان بلالاً کان یؤذن علی باب المسجد علامہ ابن حجر اس شبہہ روایت ابن اسحٰق کا یہ جواب دیتے ہیں فالظاهر انه کان لمطلق الاعلام لا لخصوص الانصات نعم لما زید الاذان الاول کان للاعلام وکان الذی بین یدی الخطیب للانصات انتهی۔ فتح الباری والظاهر فیه فلتبین بما مضی ان عثمٰن رضی اللّٰه تعالیٰ عنه احدثه لاعلام الناس بدخول وقت الصلوٰۃ قیاساً علی بقیۃ الصلاۃ فالحق الجمعۃ بها وابقی خصوصیتها بالاذان بین یدی الخطیب انتهی اور محقق علامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فلما کان عثمٰن وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء کے ماتحت میں تحریر فرماتے ہیں کثر الناس ای المومنون بالمدینة وصار ذلک الاذان الذی بین یدی الخطیب لا یسمعه، جمیع اهل المدینة قاله ابن حجر اول ما ظهرت البدعة علی ما قیل انها اول البدع وهو ترک التکبیر وهو الظاهر لاستبعاد سماع اهل المدینة جمیعهم الا الذی بین یدیه علیه الصلوٰۃ والسلام زاد ای عثمٰن النداء الثالث ای حدوثا وان کان الواقعة اولاً ثم بعده اذان اخر قدیما مع الاقامة فی المفاتیح ای فامر عثمٰن ان یؤذن اول الوقت قبل ان یصعد الخطیب المنبر کما فی زماننا انتهی۔ والظاهر قال واما الذی نقله بعض المالکیة عن ابن القاسم عن مالک انه فی زمنه علیه الصلاة والسلام لم یکن بین یدیه بل علی المنارة ونقل ابن عبد البر عن مالک ان الاذان

بین یدی الامام لیس من الامر القدیم وما ذکرہ محمد بن اسحق عند الطبرانی وغیرہ فی ھذا الحدیث ان بلالا کان یؤذن علی باب المسجد فقد نازعہ کثیرون ومنھم جماعۃ من المالکیۃ بان الاذان انما کان بین یدیہ علیہ الصلوۃ والسلام کما اقتضتہ روایۃ البخاری ھذہ ولیس فی روایۃ البخاری مایقتضی شیئا من ذلک لکن یمکن الجمع بین القولین بان الذی استقرا خر الامر ھو الذی کان بین یدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الاذان انتھی۔ وفی الدر المختار ویؤذن ثانیہ بین یدیہ ای الخطیب قال المحقق الشامی ای علی سبیل السنیہ کما یظھر من کلامھم انتھی۔ وھکذا فی الکتب المعتبرۃ الفقھیۃ کالکنز و شروحہ وعالمگیری وغیرھا ھذا صورۃ الجواب والیہ المرجع والمآب

فقط العبد المجیب محمد عبد الغفار خان مفتی عفی عنہ

محمد عبد الغفار خاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ وعلیٰ من التزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ افضل الصلوۃ والسلام وعلیٰ الہ الکرام واصحابہ الرحماء امابعد۔ از جانب فقیر خادم بارگاہ احمدی محمد سلامت اللہ عفی عنہ واضح ہو کہ ہمارے یہاں عمل درآمد اس پر ہے کہ جمعہ کے دن اذان ثانی خطیب کے سامنے منبر کے پاس مسجد کے اندر ہوتی ہے فقط

الراقم ابو الذکا سراج الدین محمد سلامت اللہ

جمعہ کے روز خارج مسجد جو اذان ہوتی ہے وہ اذان اول ہے جو زمانہ حضرت عثمان میں مقام زوراء پر ہوئی ہے اور اذان ثانی جو خطبہ کے وقت ہوتی ہے۔ وہ تمام روایات فقہ اور روایات احادیث اسی پر متفق ہیں کہ امام کے سامنے

ہے اور روایات اور نصوص ظاہرہ شاہد ہیں کہ داخل مسجد جیسا کہ علامہ مجیب نے نقل فرمایا ہے واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ خادم الطلبہ محمد منور علی عفی عنہ مدرس عالیہ درجہ حدیث شریف ریاست رامپور محمد منور علی

عمل اہل الحرمین الشریفین وجمیع امصار المسلمین

من عهده عليه السلام الى اليوم هو الاذان بين يدى الخطيب اذا صعد على المنبر وعلى هذا جميع مذاهب الاسلام ولا سيما المذاهب الاربعة فمن يبتغ ۔ ۔ ۔ غير سبيل المومنين فليتهم نفسه نسل الله العافية۔ محمد طیب المکی عفی اللہ عنہ۔

صح الجواب: العبد محمد معز اللہ خاں عفی عنہ مدرس سوم مدرسہ عالیہ

اصاب واجاد فيما اجاب وانا فللّٰه در المجيب ثم الله دره محمد فضل حق مفتی عفی عنہ محمد فضل عفی عنہ

الجواب صحیح: احمد امین عفی عنہ مدرس دوم مدرسہ عالیہ ریاست رامپور بقلم خود

معمول بہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معہ صحابہ کرام وائمہ مجتہدین اذان ثانی وقت خطبہ قریب منبر نزد خطیب ادا کی گئی ہے اور اسی پر کل کا اجماع ہے۔ اور اجماع عند اہل السنۃ حجت ہے۔ علاوہ حدیث مذکورہ کتب فقہ مثل قدوری وکنز و شامی میں بھی اذان ثانی عند الخطیب مرقوم ہے علی باب المسجد کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے اور باب بمعنی محراب بھی مستعمل ہے لہذا جواب صحیح ہے۔ سردار احمد مجددی بقلم خود

الجواب صواب والمجیب مثاب فدای احمدم الحمد اللہ

صد افسوس کہ زبان مادری والے جو اپنی زبان کے مالک وفاضل مسائل دین پر غور و فکر کرنے والے وہ کون اصحاب رسول اکرم اور تابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین تو بین یدی الخطیب وبین یدی المنبر کے معنی عند سے تعبیر کریں اور لیے قریب سمجھتے چلے آئے ہوں

جیساکہ قریب منبر کے اذان ثانی کا رواج ہے اور اس وقت کے علماء متبحر بھی کتب وحدیث وفقہ سے وہی معنی سمجھتے اور فتویٰ دیتے ہیں۔ اب تیرہ سو برس کے بعد ایک شخص اور اس کے پیرو یہ کہیں کہ اذان ثانی خطبہ خارج مسجد ہونا سنت ہے ورنہ گناہ کبیرہ ہے تو کیا کوئی عقلمند اس کو تسلیم کرے گا۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ بین یدی مصلی سترہ کہیں ہو مگر ہو سامنا اور امام کے پیچھے مقتدی صف باندھ کر کہیں ہوں مگر محاذ ہوں۔ بھائیو! خوب جانو یہ سنت زندہ کرنا نہ ہوگا بلکہ زندہ کو مردہ کرنا ہے اور ثواب کے بدلے عذاب مہیا ہے۔ فان ماراہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

المشتھــــر

محمد نیاز گل خان متولی و مہتمم جامع مسجد پیلی بھیت و حکیم عبدالکریم خان

ضروری گذارش

مسلمان بھائیو! اس فتویٰ اور اس کے مصدقین کے عبارات کو آپ نے پڑھا لیکن ابھی آپ کو نہیں معلوم کہ جناب مجیب نے ان عربی عبارتوں میں کیا کیا لکھا ہے۔ مسجد کے اندر اذان کہلوانے کے ثبوت میں لکھا ہے یا بیرون مسجد کے سنت ہونے کا بیان کیا ہے۔ عربی عبارتیں ہیں آپ کہتے ہوں گے کہ اگرچہ مفتی صاحب نے عجلت کی بناء پر ترجمہ نہیں کیا ہے مگر انہوں نے اپنے مدعا کو ہی ثابت کیا ہوگا اور اردو میں جو لکھا ہے وہ تو انہیں کے موافق ہے۔ لہذا اب آپ حضرات اس فتویٰ کا جواب اور فتویٰ کی عربی عبارتوں کا ترجمہ پڑھتے جائیں اور حق وانصاف پہچان کر حق کا ساتھ دیں۔

فقیر محب الرضا رضوی غفرلہ

مسلمان بھائیوں کو اذان ثانی جمعہ کے باب میں تحریر خلاف کی فاحش غلطیوں پر ضروری اطلاع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پہلا حصہ

الحمد للہ بفضلہ تعالیٰ تحریر خلاف سے خوب روشن ہو گیا کہ خلاف والوں کے
ھ میں مسجد کے اندر اذان کا کوئی ثبوت نہیں۔ نہ حدیث سے نہ فقہ سے اگر کچھ ہوتا تو
ں دن کے لئے اٹھار کھتے۔ مسلمانو! اتنا تو دیکھ لو کہ (۱) ادھر ہم نے سنن ابی داؤد شریف
، صریح حدیث پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم کی سنت اس اذان کا
م کے سامنے دروازہ مسجد پر ہونا ہے۔ وہ کوئی حدیث نہ لا سکے کہ حضور کی سنت اس
ان کا مسجد کے اندر ہونا ہے۔ (۲) ہم نے بارہ کتب فقہ حنفی کی صاف صریح عبارات مع
.جمہ و حوالہ صفحات پیش کیں کہ مسجد کے اندر اذان منع ہے وہ ایک کتاب کی

عبارت بھی نہ دکھا سکے کہ مسجد کے اندر حکم ہے (۳) مجیب کے سوا اوروں نے تو کسی کتاب کا ایک فقرہ تک نقل نہ کیا ہاں مجیب صاحب نے ایک شافعی عالم کی کتاب فتح الباری اور ایک مشکوۃ کی شرح مرقاۃ کہ کوئی فقہ کی کتاب نہیں اور ایک درمختار کی عبارت نقل فرمائی مگر افسوس کہ کسی کا ترجمہ نہ دکھایا جس سے ہمارے عام بھائی بھی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ان عبارتوں میں ایک جگہ بھی تو اس کا نام تک نہیں کہ مسجد کے اندر اذان کا حکم ہے۔ عوام بھائی تو یہ دیکھیں گے کہ ادھو پون کالم کے قریب عربی عبارتیں لکھی ہوئی ہیں یہ انہیں کیا معلوم ہوگا کہ ان میں اذان کے اندر ہونے کا کہیں حکم نہیں۔ مسئلہ کا فیصلہ تو یہیں ہو گیا۔ حدیث و کتب فقہ حنفی کے مقابل ایک سند بھی نہ دکھا سکنا اور پھر حکم نہ ماننا بلکہ الٹا حکم دینا جو حالت رکھتا ہے مسلمان خود اندازہ کر لیں (۴) بھائیو جسے اعتبار نہ آئے ہم ایک سہل تدبیر بتاتے ہیں جو ہر انصاف والا فوراً قبول کرلے جناب مجیب کی خدمت میں عرض کیجئے کہ جہاں آپ نے مسئلہ لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے اتنی مہربانی اور فرمایئے کہ جتنی عبارتیں نقل کی ہیں ان کے وہ فقرے الگ لکھ کر ترجمہ یہ ہو کہ اذان مسجد کے اندر چاہیے جس میں خدا کو مان کر کچھ نمک مرچ اپنی طرف سے نہ ملایئے اور ساتھ ہی ان اردہ کتب فقہ کی عبارات و حدیث کا ترجمہ جو فتاویٰ بریلی میں ہے یا تو اس کی نسبت لکھ دیجئے کہ وہ ترجمہ صحیح ہے یا اگر غلط بتلایئے تو ویسا ہی صاف ترجمہ ان کا بھی کر دیجئے۔ اگر وہ تمہاری یہ عرض قبول نہ کریں تو سمجھ جاؤ کہ معاملہ کیا ہے اور اگر مانیں تو ان سے لکھوا کر لو کہ ان عبارتوں کے یہ صرف خالص بامحاورہ ترجمے ہیں وہ مہری ترجمے ہمیں دکھاؤ۔ اگر واقعی صاف خالص ترجمہ ہی ہوگا تو ہمارے عام بھائی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ حدیث میں دروازہ مسجد پہ ہونے کی صریح تصریح اور کتب فقہ میں مسجد کے اندر ہونے کی صاف ممانعت ہے اور ان کی عبارتوں میں مسجد کے اندر ہونے کا کہیں لفظ تک نہیں مسلمانو! یہ دین ہے ضد اور ہٹ اور

سخن پروری کا محل نہیں۔ دیکھو ہم نے جو تدبیر بتائی کتنا صاف فیصلہ ہے۔ اٹھو اٹھو اور جناب مجیب سے اسی مہری اقرار کے ترجمے لا دو ابھی ابھی نہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کی سنت کیا ہے تمہاری کتب فقہ کا کیا حکم ہے اور بھائیو جسے بات کی پچ اور ہٹ پر اڑا رہنا ہو کہ کاغذ پر دھوکے سیاہی لگی ہوئی قیامت میں اپنی نجات کو کافی مانے۔ اگرچہ صاف کھل گیا کہ اس میں حق چھپایا گیا اور کل کا بگ بنا ہے تو وہ جلنے اور اس کا کام، اتنا یاد رہے کہ ایک دن اللہ و رسول کو منہ دکھانا ہے۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم (۵) بھائیو! ہم تمہیں بتائیں کہ ان عبادتوں میں کیا ہے سب میں بَیْنَ یَدَی کا لفظ ہے یعنی یہ اذان امام کے سامنے ہونا سنت ہے بھائیو! اس کا کسے انکار تھا کس نے کہا تھا کہ امام کی پیٹھ کے پیچھے ہو سامنے نہ ہو ہمارا فتویٰ دیکھ لو پہلے ہی جواب میں ہے کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر ہوئی دوسرے جواب میں ہے چہرہ انور کے مقابل مسجد کے دروازہ پر ہوئی پھر ان عبارتوں سے دھوکا دینے کے سوا کیا حاصل ہوا۔ بھائیو! اسی لیے تو آپ کو ترجمہ نہ دکھایا (۶) بھائیو یہ تعجب نہیں کہ بات آدمی کی سمجھ میں نہ آئے مگر روشن بیانوں سے سمجھا دیا تھا کہ دیکھو حدیث میں بین یدی ہے اور ساتھ ہی علی باب المسجد یعنی چہرۂ انور کے مقابل دروازے پر ہوتی تھی۔ بس اس قدر بَیْنَ یَدَیْہ کے لیے درکار ہے اور نہ صرف حدیث بلکہ حضور اعلیٰحضرت مجدد اعظم دین وملت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے فتوائے مبارک (مسمی باسم تاریخی اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ وغیرہ ۱۳۲۰ھ) میں قرآن عظیم کی متعدد آیات سے بَیْنَ یَدَیْہِ کے معنی واضح فرما دیئے تھے فرمایا تھا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ یہ ماضی و مستقبل متصل سے مخصوص نہیں بلکہ ازل تا ابد سب اس میں داخل ہے (۲) یونہی ملائکہ کا قول

نقل فرمایا لہ ما بین ایدینا و ما خلفنا و ما بین ذٰلک یعنی اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یہ تمام ماضی و مستقبل، حال سب کو شامل ہے، ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظرِ قرائن حالیہ ایک نوع قرب ہر شے کے لائق مستفاد ہوتا ہے نہ اتصال کہ خواہی نخواہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو قال اللہ تعالیٰ وھو الذی یرسل الریاح بشرًا بین یدی رحمتہ حتیٰ اذا اقلت سحابًا ثقالًا سقنٰہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء یعنی اللہ ہے کہ بھیجتا ہے ہوائیں خوشی کی خبر لاتی۔ بارانِ رحمت کے آگے یہاں تک کہ جب انہوں نے ابھارے بوجھل بادل ہم نے اسے رواں کیا کسی مردہ شہر کی طرف تو اتارا اس سے پانی۔ بین یدی نے قرب مطر کی طرف اشعار فرمایا۔ مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی پانی معًا اترے بلکہ ہوائیں چلیں اور بادل اٹھے اور بوجھل پڑے اور کسی شہر کو چلے وہاں پہنچ کر برسے وقال تعالیٰ ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید ہ یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو نہیں مگر تمہیں ڈرسانے والے ایک سخت عذاب کے آگے۔ آیت نے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے پھر اس کا قرب اس کے لائق ہے (تیرہ سو سینتیس اور اب تیرہ سو پینتالیس) برس گزر گئے (اور اب تیرہ سو چھیاسٹھ ہو گئے) اور ہنوز وقت باقی ہے۔ پس جو اذان درِ مسجد پر یا فنائے مسجد کی کسی زمین میں جہاں تک حائل نہ ہو محاذات امام میں دی جائے اس پر ضرور بین یدی صادق ہے انتہی۔ حضور پر نور سیدنا اعلحضرت عظیم البرکت مجدد اعظم دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان آیات کریمہ سے ان کے بہت امثال کی طرف متنبہ فرمادیا تھا جو قرآن عظیم میں بکثرت ہیں یہ فتویٰ بھی جناب مجیب نے دیکھا اور افسوس کہ آیات قرآنیہ کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ قرآن و حدیث سب کے خلاف وہی اپنی ضد رکھی کہ بین یدیہ کے معنی متصل کے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (۷) مسلمانو آخر فتوائے

مطبوعہ ہیں جو ہم نے علماء سے پانچ سوال اضافہ کئے تھے۔ الحمد للہ وہ ان تمام باطل خیالات کے رد کو پہلے ہی حاوی ہو لئے تھے۔ جناب مجیب اور ان کے معترضان مجیب نے جو جو بے معنی شبہے پیش کئے ان سب کا پیشگی رد ان سوالات میں موجود ہے جب تو حضرات نے ان کے جواب سے پہلو تہی کی حق پرستی تو یہ تھی کہ پندرہ سوالات کا رد وہ پندرہ سوال یہ ہیں ۱؎ جمعہ کی اذان ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر ۲؎ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں کہاں ہوتی تھی ۳؎ فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں ۴؎ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں اس پر عمل لازم ہے یا رسم ورواج پر اور جو رسم ورواج حدیث شریف و احکام فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کی پیروی حدیث وفقہ کا حکم ہے یا رسم ورواج پر اڑا رہنا ۵؎ نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم و خلفائے راشدین و احکام ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات نئی ہے جو ان سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہو گئی ہو۔ ۶؎ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں یہ اذان مطابق حدیث وفقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف، اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارۂ عقائد حجت ہیں یا وہاں کے تنخواہ دار مؤذنوں کے فعل اگرچہ خلاف شریعت و حدیث وفقہ ہوں ۷؎ سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو سنت زندہ کی جائے گی یا مردہ سنت اس وقت مردہ کہلائے گی۔ جب اس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے یا جو سنت خود رائج ہو وہ مردہ قرار پائے گی ۸؎ علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنت مردہ زندہ کریں۔ اگر ہے تو کیا اس وقت

ان پر یہ اعتراض ہو سکے گا۔ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے اگر یہ اعتراض ہو سکے گا تو سنت زندہ کرنے کی صورت کیا ہو گی ۔ ۹۔ جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اس کی فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرون مسجد کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں ۔ ۱۰۔ جن مسجدوں میں منبر ایسے بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے اگر مؤذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا وہاں کیا کرنا چاہیے اُمید کہ دسوں مسئلوں کا جدا جدا جواب مفصل مدلل ارشاد ہو بینوا توجروا۔ یہ دس سوال مستفتی کی جانب سے مرکزی دارالافتاء بریلی شریف میں پیش ہوئے جن کے جوابات حضرت مفتی صاحب نے دیئے اور جوابات کے بعد آخر میں تحریر فرمایا۔ " مسلمان بھائیو ! یہ دین ہے کوئی دنیوی جھگڑا نہیں ۔ دیکھ لو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت کیا ہے ۔ تمہاری مذہبی کتابوں میں کیا لکھا ہے ۔ حضرات علمائے اہلسنت سے معروض حضرات احیائے سنت آپ کا کام ہے اس کا خیال نہ فرمایئے کہ آپ کے ایک چھوٹے نے اسے شروع کیا وہ بھی آپ ہی کا کرنا ہے آپ کے رب کا حکم ہے تعاونوا علی البر والتقوی اور اگر آپ کی نظر میں یہ مسئلہ صحیح نہیں تو غصہ کی حاجت نہیں ہے ۔ بے تکلف بیان حق فرمایئے اور اس وقت لازم ہے کہ ان دسوں سوالوں کے جدا جدا جواب ارشاد ہوں ، اور ان کے ساتھ ان پانچ سوالوں کے بھی ۱۱ اشارت مرجوع ہے یا عبارت اور ان میں فرق کیا ہے ۱۲ کیا محتمل صریح کا مقابل ہو سکتا ہے ۱۳ تصریحات کتب فقہ کے سامنے کسی غیر کتاب فقہ سے ایک استنباط پیش کرنا کیسا ہے خصوصاً استنباط بعید یا جس کا منشا بھی غلط ۱۴ حنفی کو تصریحات فقہ حنفی کے مقابل کسی غیر کتاب حنفی کا پیش کرنا کیسا ہے ۱۵ قرآن مجید کی تجوید فرض ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا سب ہندی علماء اسے بجالاتے ہیں یا سو میں کتنے ؛ بینوا توجروا

یہ سوالات مع ان دس سوالات مستفتی کے جوابات کیساتھ بارہا بریلی شریف

سے شائع ہوئے ملک میں پھیلے اور اب بھی جسے وہ مبارک فتویٰ دیکھنا ہو فتاویٰ رضویہ جلد دوم اور احکام شریعت حصہ دوم اور علمائے دین کے متفقہ فتاوے ملاحظہ کرے گا آج تک کسی اذانی نے ان پندرہ سوالوں کا جواب نہ دیا اور نہ اذانیوں میں ان سوالات کے جواب دینے کی ہمت ہے۔ ضد اور ہٹ دھرمی کا علاج نہیں "محب غفرلہ"

جواب ہم نے مانگا تھا منصفانہ ان کا جواب دیتے پھر اگر کوئی شبہہ بچ رہتا اسے پیش کرتے مگر بچتا کہاں سے بفضلہ تعالیٰ ہم نے پہلے ہی ان کے انتہائی خیالات کا احاطہ کر لیا تھا پھر ان کا جواب دینے کے بعد کچھ خلاف نویسی کی گنجائش کہاں رہتی لہٰذا میر بھری کتراتے ہی بنی۔ یقین نہ آئے تو اب سے پندرہ سوالوں کے صاف صاف جواب بے ہیر پھار دے کر اس آئینہ میں اپنی تحریر دل جواب دتصدیقات سب کا منہ دیکھ لیجئے۔ اگر ایک شبہہ بھی بچ رہے تو گلہ کرنا۔ اب میں یہ دکھاؤں کہ اسقدر ناانصافیاں اوڑھ کر بھی (باستثنائے جناب مولٰنا مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب دامت فیضانہم) جناب مجیب وہمقر عنان مجیب نے سنت کے مٹانے عوام کو بہلانے کو کیا کچھ ناگفتی چالیں چلیں۔ مولٰنا شاہ سلامت اللہ صاحب کی عمر غدمت مذہب اہلسنت و دفع شیاطین کفر و بدعت میں گذری۔ اس کی برکت نے انہیں محفوظ رکھا کہ نہ فقہ کو کایا پلٹ کیا نہ ائمہ پر بہتان لیا نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر افترا اٹھایا۔ نہ عبارات میں لنی سمجھ اوندھے مطلب کا رنگ دکھایا۔ انہوں نے یہ بھی نہ فرمایا کہ زمانہ اقدس میں کیا تھا یہ بھی نہ فرمایا کہ کتب فقہ میں منع یا حکم نہیں لکھا صرف اتنا ذکر کیا [illegible] بالکل صحیح ہے اور عبارت بھی کسی کو خط کے انداز میں لکھی کہ اما بعد از جانب فقیر سلامت اللہ واضح ہو تاکہ تصدیق فتویٰ کے رنگ سے الگ رہے۔ جہاں مخالفین علماء کے رسائل کو کیا سمجھیں بلکہ خدا

انصاف دے تو حضرت مولٰنا نے سمجھ وال کو حکم جان لینے کا راستہ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث و فقہ کی بحث تھی۔ حضرت مولٰنا ان سے ضد رکھتے تو ضرور لکھتے مگر ان کے دین و دیانت ان کے صدق و امانت نے انہیں جھوٹ بولنے، افترا گھڑنے، دھوکے دینے سے بچایا۔ فقط اپنے یہاں کے عملدرآمد کا ذکر فرمایا یعنی اے سنّیو! دین و عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو کہ حدیث و فقہ کا اعتبار ہے یا اپنے عملدرآمد کا الحق عالم حقانی کی شان یہی ہے کہ اگرچہ کسی وجہ سے کچھ کرے مگر شریعت پر غلط افترا نہیں باندھتا و للہ الحمد اور حضرات نے جو جو خرقِ انصاف کیے ان کی اجمالی فہرست عرض کروں۔

سلف[۱] پر افترا، ائمہ[۲] پر افترا، محققین[۳] پر افترا، روایات[۴] پر افترا، نصوص[۵] پر افترا محمد رسول[۶] اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ وسلم پر افترا، عبارات[۷] میں قطع برید، بلکہ مردود[۸] سے سند لانا اور رد کو الگ چھپانا، دلیل[۹] و رد میں تمیز نہیں، حکم[۱۰] و بحث میں امتیاز نہیں جزم[۱۱] و امکان میں فرق نہیں، مانع[۱۲] و متدل کی پہچان نہیں، راوی مجہول و متروک کی شناخت نہیں صریح و محتمل کا ادراک نہیں، عبارت[۱۵] و اشارات کی معرفت نہیں مفید[۱۶] و مہمل میں تفرقہ نہیں بلکہ مضر[۱۷] و نافع کی سمجھ نہیں، محض[۱۸] منہ زوری سے بے معنی حدیث کی تحریف، حنفی[۱۹] کہلا کر فقہ حنفی کے مقابل ایک شافعی عالم سے اِستناد اور وہ بھی نرا خرط القتاد۔ کثیر[۲۰] کتب فقہ کے رد کو ایک غیر فقہی کتاب سے اِستناد اور وہ بھی محض بے بنیاد۔ میں ان بیسوں باتوں کا ثبوت پیش کروں اس سے یہ بہتر کہ انشاء اللہ الکریم خود ان صاحبوں کے منہ منوالوں، میرے پندرہ سوال پہلے کے ہیں، آگے چلوں اگر یہ پھر پچھلے سوالوں کے جواب دے تو بعونہٖ تعالیٰ سب دیکھ لیں گے کہ وہ بیسوں باتیں کیسے روشن طور پر ثابت ہوگئیں اور کھل گیا کہ حضرات نے اس تحریر میں کیسی دین و دیانت کو پیٹھ دی اور اگر پہلے کی طرح اڑان گھائی سے کام لیا تو الحمدللہ میں حق واضح کرچکا۔ وللہ الحمد للہ رب العلمین۔

جناب مولنا مولوی عبدالغفار خان صاحب السلام علیکم۔ مزاج شریف۔ جناب کے مصدقین میں جو دیوبندی وغیرہ مقلد صاحبان ہیں آپ ہی کے صدقہ میں انشاء العزیز ان کی بھی خبر لی جائے گی۔ ورنہ میں پہلے ہی فتوے میں حضرات علمائے اہلسنت کی تخصیص کر چکا۔ زیادہ عرض آپ سے ہے اور یوں بھی کہ آپ ہی اصل مجیب ہیں، اور یوں بھی کہ عبارتیں آپ ہی نے پیش کی ہیں جن سے عوام سمجھیں کہ آہا کتاب سے کہہ رہے ہیں سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ کی تحریر اگر چھپی نہ ہوتی تو میں ہرگز آپ کے اغلاط شائع نہ کرتا۔ کاش آپ حسب دوستاں دُر دل پر نظر رکھ کر مجھ سے باہم طے کر لیتے مگر جب آپ کی تحریر چھپ چکی تو رد شائع نہ کرنے میں گمراہی عوام ہے لہٰذا مجبوری ہے۔ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ اس تحقیق امر ونہی کو قاطع محبت قدیمہ نہ ٹھہرائیے۔ الحمدللہ آپ بھی سُنی میں بھی غرض سُنی فقہی اختلاف ہوا ہی کرتے ہیں، ہاں آپ نے بعض وہابیہ کی خواہش کے مطابق خلاف ظاہر کیا اور انہیں مدد دی اور باہم طے ہونے سے پہلے چھپوا دی یہ ضروری غلطی ہوئی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

تین سوال ابتدائی، قبل اس کے کہ بعونہٖ عزوجل ان سوالات کا سلسلہ شروع کروں جن سے دعوی علم ودیانت کی آنکھیں کھلیں، پہلے تین سوال عرض کروں جن کو ہمارے عوام بھائی بھی سمجھ لیں۔ پھر تو انشاء اللہ تعالیٰ علم کا میدان ہے اور ہمارے قلم کا جولاں وباللہ التوفیق وعلیہ التکلان۔

سوال ۱۔ جو حدیث موقوف اور شروح بخاری ومشکوٰۃ کی عبارتیں آپ نے پیش کیں، یہ بعونہٖ تعالیٰ آگے دکھاؤں گا کہ وہ حدیث کیسی ضعیف اور ان عبارتوں میں آپ نے کیا کیا کارروائی کی اور کیسی خوش فہمی برتی، تھوڑی دیر کو ان تمام قاہر اعتراضوں سے قطع نظر ہی سہی تو آپ کو حق دوستی کی قسم ایمان ایمان سے کہنا اگر آپ ایک مسئلہ پر صحاح کی حدیث مرفوع اور بارہ کتب فقہ حنفی کی صریح تصریحیں لکھیں جن میں صاف صاف

حکم مسئلہ لکھا ہو اور ایک شخص آپ کے خلاف مسئلہ بتائے اور اس پر ایک عبارت فقہ بھی نہ لاسکے صرف غیر صحاح کا ایک اثر موقوف اور دو شروح حدیث کی ایک جملا عبارت جس میں حکم مسئلہ کی کہیں تصریح نہیں سامنے لائے تو کیا یہ منصفوں کے نزدیک جواب ہو گیا یا عقل و علم و دیانت سب کو جواب کیا جو عوام لیسے مقابلہ پر کودیں اور فتویٰ کے جواب میں فتویٰ سمجھیں وہ احمق بدعمل وہٹ دھرم ہیں یا نہیں۔

سوال ۱۰ مسئلہ اشارہ میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات جلد اول مکتوب ۳۱۲ میں آپ کی نظر سے ضرور گذرے ہوں گے جن میں صراحۃً اقرار فرمایا ہے کہ دربارۂ اشارہ بہت حدیثیں ہیں اور نوادر میں امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسے مانا اور اسے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی قول بتایا اور علمائے حنفیہ نے اس پر فتویٰ بھی دیا تو حدیثوں میں بھی ہے، فقہ میں بھی ہے، فتوے میں بھی ہے، با اینہمہ صرف اس وجہ سے کہ ظاہر الروایۃ میں نہیں اس پر عمل جائز نہ رکھا اور فرمایا ہم مقلدوں کو جائز نہیں کہ حدیثوں پر عمل کر کے اس پر جرأت کریں اب اسے اپنے مسئلہ سے ملا دیکھیں نہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے نام کو ایک حدیث، نہ نام کو کسی کتاب فقہ میں حکم بھلا فتویٰ تو بڑی چیز ہے پھر آپ کو کیونکر حلال ہوا کہ برخلاف تصریحات فقہ ایک اثر موقوف اور دو شروح حدیث کی عبارتیں دکھائیں، ان میں بھی ایک شافعی المذہب کی اور ان کے سبب تمام تصریحات کتب فقہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیں اور پھر آپ کی مقلدی برقرار۔

سوال ۱۱۔ اشارہ درکنار امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے میں کتنی صحاح احادیث ہیں۔ حضرت شیخ مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جی پڑھنے کو چاہتا تھا مگر محض اس وجہ سے کہ فقہ حنفی کے خلاف ہے نہ پڑھتے اور فرماتے "نقل از مذہب الحادست" مذہب سے عدول کرنا ملحد کا کام ہے دیکھو حضرت کا رسالہ "مبدأ و معاد" کیا آپ بارہ کتب

نقہ حنفی کے خلاف ایک اثر موقوف و دشرح حدیث پیش کرکے مقلدیت و مجددیت دونوں کو اُستعفا دینا گوارا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے کہیں یہ فتوے آپ کے نام سے کسی وہابی نے تو نہیں لکھ دیا بہر حال کچھ بھی ہو اب ذرا آپ حضرات سنبھل کر ہوشیار ہو جائیں کہ قاہر سوالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔
۶۔ ربیع الاول شریف روز جان افروز دوشنبہ مبارکہ ۱۳۳۲ھ

دوسرا حصہ بنام تاریخی (سوالات قاہرہ) در زبر و بینات

سوال ۱۹۔ آپ نے فتح الباری سے ایک اثر موقوف منسوب بامیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا اور فتح الباری میں جو اس کا حال بتایا تھا تو یہ کیسی کتاب میں ہے اور خود کیسا ہے سب حذف فرما دیا۔ جناب اگر فتح الباری کی پوری عبارت نقل فرماتے یا اس اثر ہی کے معنی سمجھتے تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم مروی کتاب صحاح کے مقابل اسے پیش کرتے شرم فرماتے نہ وہ حدیث ابوداؤد کے مقابل ہو سکتا ہے نہ اس میں کوئی حرف اس سنت کے خلاف نہ آپ کو مفید غرض نہ روایت مقبول نہ درایت معقول مگر حدیث صحاح و فقہ حنفی دونوں کا رد ضرور۔ اولاً کیا عبارت فتح الباری کا آغاز یہ نہ تھا کہ فی تفسیر جویبر عن الضحاک عن زیادۃ عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ آپ نے عن معاذ سے عبارت شروع کی اور اوپر کے حلقے چھوڑ دیے جن سے واضح تھا کہ یہ روایت تفسیر جویبر کی ہے اور تفسیر جویبر بہت نامعتبر کتاب ہے۔ آپ کو نہیں معلوم کہ ائمہ نے جویبر کو شدید الضعف متروک کہا ہے اور راوی من دونہ ہے تو اس کی تعیین پھر توثیق آپ پر تھی کیا احکام میں مجہول یا مجروح سے احتجاج جائز ہے۔

یہ آپ کی پہلی قطع برید ہوئی۔

سوال نمبر ۲۰ ثانیاً کیا فتح الباری میں اس عبارت کے متصل یہ الفاظ نہ تھے وھذا منقطع بین مکحول و معاذ یہ روایت مکحول و معاذ کے درمیان منقطع ہے۔ فتح الباری میں جو اس پر صریح جرح فرمادی تھی یہ بھی آپ نے حذف فرمادی۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ روایت منقطع جب حدیث متصل مسند کے معارض ہو بالاتفاق مردود ہے یہ دوسری قطع برید ہوئی۔

سوال نمبر ۲۱ ثالثاً اسی پر بس نہیں اس کے متصل ہی فتح الباری میں اس روایت کی صاف بے ثبوتی بیان فرمادی تھی کہ ولا یثبت یہ روایت ثابت نہیں جناب نے اسے بھی اڑادیا یہ تین قطع بریدیں ہوئیں۔

سوال نمبر ۲۲ رابعاً فتح الباری نے تاریخی واقعات سے وہیں اس کی بے ثبوتی کا ثبوت دیا تھا کہ لان معاذا کان خرج من المدینۃ الی الشام فی اول ما غزوا الشام واستمر الی ان مات الشام فی طاعون عمواس۔ یعنی شروع خلافت صدیقی میں ملک شام پر جہاد کا آغاز ہوا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جہاد میں مدینہ طیبہ سے شام کو چلے گئے اور وہیں رہے یہاں تک کہ طاعون عمواس میں شہید ہوئے۔ انہوں نے خلافت فاروقی میں مدینہ طیبہ دیکھا ہی نہیں کہ یہ روایت بیان فرماتے جناب نے اسے بھی اڑادیا یہ چار قطع بریدیں ہوئیں۔

سوال نمبر ۲۳ خامساً اس کے متصل ہی فتح الباری میں تھا وقد تواردت الروایات ان عثمان ھو الذی زادہ فھو المعتمد یعنی اور بیشک پے در پے روایات آئی ہیں کہ پہلی اذان امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے زیادہ فرمائی تو اسی پر اعتماد ہے کیا انہوں نے نہ بتایا کہ یہ روایت نہ فقط شاذ بلکہ منکر و

ناقابل اعتماد ہے۔ جناب نے اسے بھی اڑا دیا۔ یہ پانچ قطع بریدیں ہوئیں شاید جناب کے خیال میں یہ تھا کہ فتح الباری دنیا میں آپ ہی کے پاس ہے۔

سوال ۲۴ سادسگا مولنا ان تمام قطع بریدوں سے آپ نے فائدہ کیا پایا نہایت یہ کہ ایک اثر ضعیف ناثابت بن کر غیر معتبر کو ثابت و معتبر ٹھہرا لیں اچھا یوں سہی پھر حاصل تو بتائیے اس میں کون سا حرف مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے۔ اگر بین یدیہ لیجئے تو یہ وہی وہم بے اصل ہے جسے خود قرآن عظیم کی بکثرت آیات کریمہ رد فرما رہی ہیں۔ اور اگر یہ کہیے کہ امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو مؤذنوں کو حکم فرمایا کہ مسجد سے باہر اذان کہیں تو اس سے یہ سمجھا کہ دوسری اذان مسجد کے اندر ہے۔ مفہوم مخالف ہوا اور وہ بھی سب میں ضعیف، سب میں ردی، مفہوم لقب جسے حنفیہ تو قطعاً مانتے ہی نہیں۔ صرف بعض حنابلہ قائل ہوئے۔ یا دقاق شافعی یا مند ادمالکی دیس اور کتب حنفیہ میں اس پر یہاں تک انکار فرمایا کہ مفہوم لقب مانا جائے تو معاذ اللہ کلمہ طیبہ کفر ہو جائے (دیکھو توضیح تلویح وغیرہ کتب اصول)، تو کیا حدیث صریح صحاح و تصریحات کتب معتمدہ فقہ حنفی کے رد کو ایک ایسی پوچ (چربات) کا دامن پکڑنا ایک حنفی کو زیب دیتا ہے

سوال ۲۵ سابعگا مولنا یہ تو ایسی صاف بات تھی کہ ایک جاہل سے پوچھئے تو وہ بھی بتادے مثلاً بادشاہ دیوان خانہ میں ہو اس کا بیرونی دروازہ بالکل محاذات میں ہے جہاں سے چوبدار حاضران دربار کو لاتا اور نگاہ روبرو عرض کرتا ہے تین سفیر آئے ہیں ایک دروازہ تک پہنچا دو ابھی باہر ہیں۔ اس وقت بادشاہ انہیں پوچھے تو کیا نہ کہا جائے گا۔ ایک حضور کے سامنے ہے اور دو باہر حاضر ہیں یا فارسی میں یکے پیش روئے منورست، دو بیرون دربار، یا عربی میں احد هم بین یدی الملك و اثنان خارج الحضرۃ۔ کیا

کوئی عاقل اس سے یہ گمان کرے گا کہ یہ جسے بین یدی کہا جوفِ مکان میں ہے،
دروازۂ محاذی پر نہیں۔
سوال ۲۶ ثامنًا مولنا آپ نے اندر باہر کے محاورات پر نظر کی نہ ہی یہی جانا
کہ اذان کس معنی پر باہر ہے کیا مسجد کے دو اطلاق نہیں۔ ایک موضع صلاۃ فصلیں
دیواریں، دروازہ سب اس معنی پر مسجد سے خارج ہیں اور اس کے توابع۔ دوسرا
چار دیواری مسجد مع مافیہ، اس معنی وہ سب داخل مسجد ہیں۔ کیا خود قرآن عظیم
میں یہ دونوں محاورے موجود نہیں۔ انما یعمر مسجد اللہ من امن باللہ
یہ بنا پر موقوف نہیں دیکھو حدیث ترمذی و ابن ماجہ عن ابی سعید الخدری
رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ
وسلم لهدمت صوامع وبیع وصلوات ومسجد ہدم بنا ہی کے
لیے ہے یعنی دوم وہ اذان جدید خارج مسجد تھی اور اذان بین یدیہ
داخل۔ مگر بمعنی اول خارجِ مسجد تھی۔ اور اسی قدر اس سے درکار ہے بلکہ یہاں
تیسرا اطلاق اور ہے۔ فنائے مسجد کو بھی مسجد کہتے ہیں۔ لہذا منارہ پر جو اذان ہو
اسے یہی کہیں گے چلو مسجد میں اذان ہوئی یہ کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر
اذان ہوئی۔ بدائع پھر رد المحتار میں ہے لو صعد ای المعتکف
المنارۃ لم یفسد بلا خوف وان کان بابھا خارج المسجد
لانھا منہ لانہ یمنع فیھا من کل ما یمنع فیہ من
البول ونحوہ فاشبہ زاویۃ من زوایا المسجد اب تو
امر بہت واضح ہے مگر فقہ کے لیے سمجھ درکار ہے مولنا مستدل بننا
ذرا کارے دارد اور وہ بھی حدیث صحاح وفقہ حنفی دونوں کے رد کو۔
سوال ۲۷ تاسعًا ہمیں احتمال ہی کافی تھا نہ کہ خود آپ کی پیش کردہ روایت

میں خارجاً من المسجد کے ساتھ حتی یسمع الناس موجود ہیں نے
کھولدیا کہ خارج مسجد بیرون حدود مسجد مراد ہے کہ دُور والوں کو آواز پہنچے جس
طرح امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زوراء میں دلوائی کہ مدینہ طیبہ
کے بازار کا نام ہے۔
سوال ۲۸ عاشراً کیا ہمارے فتوائے اوّل میں امام ابن الہمام کا کلام نہ دیکھا
کہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ ان
تمام رہنماؤں کے بعد بھی اس اثر سے اذان ثانی کو جوف مسجد میں ٹھہرالینا ری دھینگا
مشتی کے سوا کیا ہے آپ کے تمسک بالاثر کے ابطال دبلے اثر کرنے کو تلک
عشرۃ کاملۃ مبارک ۔
سوال ۲۹ مولنا آپ نے اس اثر ضعیف ومنکر ونامعتبر کی حالت دیکھی کہ
اس میں بھی ایک حرف تک مسجد کے اندر اذان ہونے کا مفید نہیں ۔ لے دیکر یہی آپ
کے ہاتھ میں تھا وہ بھی گیا ۔ اب تو فرمایئے کہ آپ کا فرمانا اذان ثانی مسجد میں ہوتی
ہے یہی طریقہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم پر افترا ہوا یا نہیں؟
سوال ۳۰ ۔ افترا تو یہ بھی تھا کہ جس بات کا ثبوت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وعلیٰ آلہ وسلم سے نہ ہوا سے حضور کی طرف بالجزم نسبت کردیا کہ رن جس کے خلاف
کا ثبوت ہوا اب یہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر ڈبل افترا ہوا یا نہیں؛
سوال ۳۱ ۔ آپ خود جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر
افترا کیسی سخت شدید اعظم آفت ہے ۔ میں نہیں کہتا کہ آپ قصداً اس کے
مجوز ہوئے ہوں معاذ اللہ یہ تو وہابیہ کی شان ہے ۔ عاقل سا جاہل سنی
بھی اسے روا نہ رکھے گا ۔ آپ تو ماشاء اللہ سنی عالم ہیں ۔ مگر عجلت کاری و غلط فہمی
اور اللہ و رسول معاف فرمانے والے ہیں ۔ لہٰذا حق دوستی کے لیے بہت

منت سے معروض کہ اب مطلع ہو کر توبہ فرمایئے اور جس طرح اس کا وقوع علانیہ ہوا چھپ کر بٹا تو یہ بھی چھاپ کر بانٹیے کہ ہمارے آپ کے مولائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیہ خفیہ گناہ کی توبہ خفیہ اور علانیہ کی توبہ بھی علانیہ کیا جناب کی حق پرستی سے امید نہ ہو کہ آپ اس سے انکار اور اس پر اصرار نہ فرمائیں گے۔ دیکھئے آپ کا رب عزوجل فرماتا ہے لم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون۔

سوال ۳۲ فتح الباری میں یہاں اس کی بحث ہے کہ اذان اول امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زائد کی یا امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان ثانی کے اندر باہر ہونے کا یہاں کچھ ذکر نہیں۔ ابن حجر وہ اثر اس کے بیان کو لائے کہ برخلاف روایات مشہورہ ایک اثر میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زائد فرمانا آیا پھر اس اثر کا رد کیا۔ پھر عطا سے اس کی تائید نقل کی پھر اس کا رد کیا پھر تطبیق نکالنی چاہی جسے آپ نے نقل کیا جس کا حاصل یہ کہ ممکن ہے زمانہ فاروقی میں اذان سے پہلے کوئی اعلان لیے اذان ہوتا ہو اور یہی ابتدائے خلافت ذی النورین میں رہا۔ پھر امیرالمومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بالفاظ اذان کر دیا ہو۔ فرمایئے اس کلام کو اس مسئلہ سے کیا علاقہ۔ پھر اس کا لانا، سطریں بھرنے اور عوام کو یہ وہم دلانے کے سوا کیا ہے کہ آہا سطریں عربی عبارتوں کی ہیں یہ آپ کی پہلی بھرتی ہے۔

سوال ۳۳ پھر یہاں فتح الباری نے مہلب سے نقل کیا کہ اذان ثانی یہاں اس لئے رکھی گئی کہ لوگ جان لیں کہ خطیب منبر پر بیٹھا تو خطبہ کے وقت خاموش سنیں۔ پھر اسی روایت میں اسحٰق اعنی حدیث ابوداؤد بحوالہ طبرانی وغیرہ سے اس کا رد کیا کہ یہ اذان تو دروازہ مسجد پہ ہوتی تھی تو ظاہر یہ ہے کہ مطلق اعلام کے لیے تھی نہ اس

چپ کرنے کو ذرا خدا کو مان کر اپنی ہی نقل کی ہوئی عبارت ایک نظر بھر دیکھ لیجئے کہ امام ابن حجر تو اس روایت ابن اسحٰق کو حجت بنا رہے ہیں اس کی سند سے مہلب کا قول رد کر رہے ہیں کہ فیہ نظر فان فی سیاق ابن اسحٰق کان یؤذن علی باب المسجد فالظاھر انہ کان لمطلق الاعلام لا لخصوص الانصات اور آپ عین استدلال میں نتیجہ کو دلیل سے توڑ کر علی باب المسجد پر ختم کرتے اور فالظاھر کو جو اس روایت ابن اسحٰق پر تصریح تھی اسی کا رد ٹھہرائے دیتے ہیں کہ فرماتے ہیں" علامہ ابن حجر اس شبہہ روایت ابن اسحٰق کا یہ جواب دیتے ہیں فالظاھر انہ کان لمطلق الاعلام انا للہ وانا الیہ راجعون مولانا اگر سمجھ کی یہ حالت ہے کہ نتیجہ کو دلیل سے جواب دلیل کا رد ٹھہرایئے تو سو بار انا للہ وانا الیہ راجعون مولانا میں جانتا ہوں کہ ایسے فاحش نافہمی پر اگر آپ کا کوئی کافیہ خواں طالب علم اڑے تو شاید اس پر سخت غضب کی قمچی پڑے پھر آپ سے عجیب اور کرور ہا عجب اور جب آپ ہی ایسی ٹھوکریں کھائیں تو آپ کے فتوے پر تصدیقیں کرنے والوں سے کیا شکایت کہ وہ تو آپ ہی کی ہاں جی بجالاتے ہیں منطقیوں، فلسفیوں کو بھی نہ سوجھی کہ کیا اندھیر کھاتا ہے۔ یوں خالی زٹلیات میں بال کی کھال نکالنے کا دعوٰی ہے۔

سوال ۳۵ جانے دیجئے یہ صریح باطل حد عبر کی ناسمجھی ہی اوڑھ لیجئے کہ ابن حجر فالظاھر سے روایت ابن اسحٰق کا جواب دے رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم پر آپ کا افترا اب بھی ثابت رہا۔ آپ جو آپ ابن حجر سے سند لاتے ہیں ابن حجر حدوث اذان اول تک علی باب المسجد کو مسلم رکھتے اور اس کی وجہ قصد اعلام بتاتے ہیں تو ثابت ہوا کہ صدر خلافت ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہم تک اذان خطبہ بیرون مسجد ہی ہوا کی تو مسجد میں ہونے کو آپ کا فرمانا کہ" یہی

طریقہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم سے چلا آتا ہے" آپ ہی کے منہ، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پر افترا خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم پر افترا ہوا یا نہیں۔

مولٰنا قصور معاف۔ آپ بھی شیروں سے شکار چھیننے چلے ہیں غرض یہ جناب کی تیسری بھرتی تو اور الٹی پھری ہوئی۔ رہا انصات و اعلام کا خرخشہ اسکی سنیئے۔

سوال ۳۶ اولاً کیا جناب حنفیت کو بالکل استعفٰی دے بیٹھے جو ایک عام غیر حنفی سے نقل کرنے چلے کہ اذان ثانی اعلام کو نہیں اور آپ کے کتب مذہب میں صریح تصریح ہے کہ وہ بھی اعلام کو ہے۔ ہدایہ و کافی و تبیین و عنایہ و بحر و درمختار وغیرہا میں ہے واللفظ للبحر تکوارہ مشروع کما فی اذان الجمعۃ لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض۔ شرح تنویر میں ہے (الاذان اعلام مخصوص)، لم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتۃ وبین یدی الخطیب۔

سوال ۳۷ ثانیاً۔ کیا اعلام بعد اعلام ناممکن ہے یہ تو خلاف اجماع امت ہے، ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ ثبوت اعلام بعد اعلام ہے اور علمائے امت کے اس میں دو قول ہیں مکروہ یا مستحب اور دونوں فرع وجود ہیں۔ محال نہ مکروہ ہو سکتا ہے نہ مستحب تو بالاجماع اذان ثانی بھی اعلام ہے۔ اب ایک غلط بات کی اتباع میں نہ صرف حنفیت کا خلاف بلکہ اجماع کا خرق ہو گا۔ کیا آپ نے حدیث اتقوا زلۃ العالم نہ سنی۔

سوال ۳۸ ثالثاً اعلام رکن اذان ہے اذان کا اس سے انسلاخ کیونکر ممکن ردالمحتار میں ہے۔ لا یسمی اذانا شرعا لعدم الاعلام اصلاً۔

سوال ۳۹ رابعاً روح عمل اس کا مقصود ہے۔ شک نہیں کہ اذان خطبہ زمانہ رسالت میں اعلام کو تھی۔ اگر اذان اول کی زیادت سے صرف انصات کو رہ جاتی تو مقصود بدل جاتا تو امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شے زیادہ نہ فرمائی، بلکہ معاذ اللہ اصل سنت کو بدل ڈالا کہ اس کی صورت رہ گئی اور معنی فوت ہوئے یہ کیونکر معقول ہے

سوال ۴۰ خامساً بالغرض باطل یوں ہی سہی پھر کون سی دلیل شرعی ہے کہ انصات کی اذان داخل مسجد ہو۔ ھاتوا برھانکم اگر منبر کی آواز باہر تک جائے گی تو منبر در باہر کی منبر تک جائے گی۔ پھر وجہ تخصیص کیا اور اگر نہ جائے گی تو باہر ہی والے زیادہ محتاج نصات ہیں کہ اندر والے تو امام کا منبر پر جانا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اپنی ہی عبارت منقولہ دیکھئے جسے ابن حجر نے بھی بعد حدوث اذان اول مسلم رکھا کہ لیعرف الناس بجلوس الامام علی المنبر فینصتون لوگوں کو معلوم ہو کہ امام منبر پر بیٹھا تو چپ رہیں اس کی حاجت اندر زیادہ ہے یا باہر۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ باہر ہی ہے نہ اندر۔ غرض ایسی بے معنی و بے حاصل بات ایک غیر حنفی سے نقل کر کے فقہ حنفی کی روشن تصریحوں کو اس سے رد کرتے ہوئے ایک حنفی عالم کو شرم چاہیے خصوصاً حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ان عظیم تہدیدوں وعیدوں کے بعد ایک مجددی کو بس اور کیا کہوں سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو ہدایت دے۔ آمین

۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

تیسرا حصہ:

بنام تاریخی اسوالات قاہرہ ادرزبربنیات

سوال ۴۱: پھر فتح الباری کی ایک اور عبارت نقل کی کہ امیر المومنین نے پنجگانہ پر قیاس فرما کر اذان اول حادث فرمائی۔ اور روبروئے خطیب کی اذان باقی رکھی، کہیے اس سے کیا نکلا یہ جناب کی چوتھی بھرتی ہے۔

سوال ۴۲: نہیں نہیں یہ بھی نری بھرتی نہیں بلکہ الٹی مضر ہے۔ اگر یہ اذان اعلام کو نہ رہتی تو خود بصورت جمعہ زمانہ اقدس میں بھی کب باقی رہی۔

سوال ۴۳: پھر شرح مشکوۃ کی عبارت نقل کی کہ جب لوگوں کی کثرت ہوئی اور اذان روبروئے خطیب کی آواز سب اہل مدینہ کو نہ پہنچی یا جب لوگوں نے اول وقت سے حاضر ہو جانا ترک کر دیا۔ تو امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان اول زیادہ فرمائی۔ کہیے اس میں کیا ہے۔ کیا اندر باہر کا ذکر ہے۔ یہ جناب کی پانچویں بھرتی ہے۔ شاید یہ سمجھے ہوں کہ اندر ہی کی اذان ایسی ہو گی کہ سب شہر کو نہ پہنچے دروازہ کی بھی ایک اذان شہر بھر کو ہرگز نہ پہنچے گی۔ سرکار مدینہ طیبہ کی آبادی خود زمانہ رسالت میں دور دور تک تھی۔ خلاصہ امام سمہودی میں ہے

ومن تامل ما ذکرناه فی الاصل من منازل القبائل من المہاجرین مع منازل قبائل الانصار علم عظیم سعتہا۔

سوال ۴۴: پھر اسی کی ایک طویل عبارت نقل کی جس میں اس کی بحث ہے کہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اذان ثانی جمعہ کا خطیب کے

سامنے ہی ہوتا سرے سے بدعت ہے ان کے نزدیک زمانہ اقدس میں یہ اذان بھی منارہ پر ہوتی تھی نہ محاذات خطیب بیں امام ابن الحاج مکی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں۔ ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلک کان علی عہد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ علامہ یوسف سقطی مالکی حاشیہ جواہر زکیہ شرح عشماویہ میں فرماتے ہیں۔ الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وفعلہ بین یدی الامام مکروہ کمانص علیہ البرزلی وقد نہی عنہ مالک وفعلہ علی المنار والامام جالس ھو المشروع اھ سکندری توضیح امام خلیل بن اسحاق سے مجموعہ امام ابن القاسم تلمیذ امام مالک وکافی امام ابوعمر یوسف مالکی کی عبارتیں عنقریب آتی ہیں۔ واقعی یہی وہ بات ہے جس پر اور علماء یہاں تک کہ خود بعض مالکیہ نے انکار فرمایا اور ثبوت دیا کہ زمانہ اقدس میں یہ اذان امام کے روبرو ہی ہوتی تھی نہ منارے پر اور اس کے ثبوت کو وہی حدیث ابن اسحاق پیش کی جو ہم نے اپنے فتوے میں لکھی اور بلاشبہہ یہ بات کہ زمانہ اقدس میں یہ اذان خطیب کے محاذات میں ہوتی تھی جو اس کا ثبوت حدیث سے دینا چاہیے اسے اسی حدیث ابن اسحٰق کا دامن تھامنا ضرور ہے اسے رد کر کے حدیث سے بین یدی کا ثبوت نہ ملے گا۔ اب اس کے بیان میں ائمہ کا کلام سنئے۔ امام ابوعمر ابن عبدالبر کتاب الاستذکار پھر امام خلیل شرح ابن الحاجب پھر امام احمد قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ پھر علامہ محمد زرقانی شرح میں فرماتے ہیں۔

واللفظ لھذین وقال الشیخ خلیل اختلف النقل ہل کان یؤذن بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ وسلم او علی

المنار الذی نقلہ اصحابنا انہ کان علی المنار نقلہ ابن القاسم عن مالک فی المجموعۃ ونقل ابن عبد البر فی کافیہ عن مالک ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم (قال غیرہ ای غیر مالک هو اصل الاذان فی الجمعۃ وکذا نقل صاحب تهذیب الطالب لعبد الحق او المازری وفی الاستذکار ان هذا اشتبہ علی بعض اصحابنا فانکر ان یکون الاذان یوم الجمعۃ بین یدی الامام کان فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والی بکر وعمر قال وهذا قول من قل علمہ بالاحادیث وکانہ یعنی الداودی (ثم استشهد) فی الاستذکار (بحدیث السائب بن یزید المری فی البخاری ثم قال وقد رفع الاشکال فیہ ابن اسحٰق عن زهری عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ والی بکر وعمر اھ) کلام التوضیح اھ باختصار ملاحظہ ہو یہی وہ کلام ہے جس کا خلاصہ علی قاری نے لانا چاہا۔ یہاں اس اذان کو روبروئے امام مان کر مسجد کے اندر یا باہر ہونے کی بحث نہیں جسے ہمارے مسئلہ سے علاقہ ہو بلکہ اس کی بحث ہے کہ جمہور مالکیہ اس کے روبروئے امام ہونے ہی کو بدعت کہتے ہیں اس کا بھی منارہ ہی پر ہونا سنت جانتے ہیں اور اسی کو اپنے امام مذہب سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں یہ حدیث سے ناواقفی ہے۔

سائب بن یزید کی حدیث سے جس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔ ابن اسحاق نے اس کی روایت میں واضح کر دیا ہے کہ یہ اذان حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ

وعلی آلہ وسلم وصدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں خطیب کی محاذات میں ہوتی تھی، انتہی۔ بس اتنی بات ہے اور اتنی بحث ہے مسجد کے اندر ہونے کا اس میں کونسا لفظ ہے۔ مالکیہ نے روبروئے امام ہونے کا خلاف کیا۔ محققین نے اس کارد کیا چشم ماروشن دل ماشاد۔ ہم خود کہتے ہیں کہ روبروئے امام ہونا سنت ہے پھر کہیے اس میں ہمارا کیا خلاف ہے اور آپ کے اوس ادعائے باطل کا کیا ثبوت ہوا۔ اذان ثانی مسجد میں ہوتی ہے یہی طریقہ مسنون ہے۔ اور اگر کسی نے اس کے خلاف کیا ہے تو اس کا علمائے محققین نے رد کیا ہے یہ علمائے محققین پر افترا ہوا یا نہیں۔

سوال ۴۵ طرفہ یہ کہ محققین کا یہ کلام ان کی یا اور علما کی کتابوں سے نقل نہ کیا جن میں اسے مقبول رکھا ہو نقل فرمایا تو مرقاۃ سے جس میں اسے صراحۃً رد کر دیا ہے اور لطف تر یہ کہ ساتھ ہی وہ رد بھی نقل کر دیا کہ" لیس فی روایۃ البخاری ما یقتضی شیٔ من ذالک" یعنی یہ جو ابن عبدالبر وغیرہ نے جمہور مالکیہ پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ اذان خطیب کی محاذات ہی میں ہوتی تھی۔ جیسا کہ حدیث بخاری کا مقتضی ہے۔ ان کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ بخاری کی روایت اصلا اسے مقتضی نہیں کہ اذان امام کے سامنے ہو۔ اب فرمایئے یہ الٹا مخالف سے استناد ہوا یا نہیں اگر کہیے ہمیں محققین کے کلام سے کام ہے اگرچہ علی قاری نے اس کا رد کیا تو جناب اس رد کو کیوں نقل کر لائے۔ اگر کہیے یہ ہماری بھٹی بھرتی تھی تو جناب بھرتی تو لغو و بے علاقہ بات ہوتی ہے۔ یہ تو جناب کو مضر تھا جس کے حوالے سے کوئی کلام سند کو لائے اسی کے کلام میں اسی کا رد موجود ہو تو اس رد کو بچا جانا خیانت ہوتا اور نقل کر دینا خود اپنی بنا ڈھانا مگر یہ کہ رد کا رد کر دیتے اگر کہیے ہم نے علی قاری کے رد کی طرف اس لیے توجہ نہ کی کہ اتنے محققین کے مقابل تنہا ایک کی بات کیا

قابلِ التفات، تو جناب قاری کی اتنی بات کہ بخاری کی روایت امام کے سامنے اذان ہونے کی اصلاً مقتضی نہیں۔ یقیناً سچی ہے اور نہ مانیے تو اب آپ کسی حدیث بخاری سے ثبوت دیجئے کہ یہ اذان امام کے سامنے ہوتی۔ پھر حق بات کیوں ناقابل التفات۔ اگر کہیے یہاں علی قادری کو کلام محققین نقل کرنے میں سخت اشتباہ ہوا محققین نے یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ حدیث بخاری کا مقتضی ہے بلکہ بخاری کا تو نرا پتا دیا تھا کہ اصل حدیث اس میں بھی ہے اور سند لائے تھے۔ روایت ابن اسحاق سے کہ اس نے امر واضح کر دیا ہے تو جناب اب ٹھکانے سے آگئے اور ظاہر ہو گیا کہ محققین نے روایت ابن اسحاق کو اپنی حجت بنایا ہے نہ کہ اس کا رد فرمایا ہو تو علی قادری کا فنازعه کثیرون منهم جماعة من المالکیة میں حدیث ابن اسحاق کو داخل کرنا اسی سخت اشتباہ پر مبنی ہے۔ واللہ الحمد

اگر کہیے ان کثیرون اور جماعت سے ہم باز آئے ہم نے فقط علی قاری کو علمائے محققین کہا ہے انہوں نے تو اس کا رد کیا ہے تو جناب یہ تو بعد کو عرض کروں گا کہ قاری نے کس کا رد کیا۔ کہاں رد کیا؟ اولاً اپنے لفظ یاد فرمایئے کہ" اگر کسی نے اس کا خلاف کیا ہے تو اس کا علمائے محققین نے رد کیا ہے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ امر مجمع علیہ ساری امتِ مرحومہ کا ہے۔ کیا ایک اکیلے قاری کا رد کرنا ساری امت مرحومہ کا اجماع ہو جائے گا۔ تنہا قاری اگر علمائے محققین ہو گئے تو ساری امت مرحومہ تو نہ ہو جائیں گے۔

سوال ۲۲ ثانیاً قاری نے پہلے وہ قول نقل کیا کہ جمہور ائمہ مالکیہ اور خود امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ پھر کثیرین سے اس میں منازعت نقل کی، پھر اسی منازعت کا رد کیا۔ پھر ایک احتمالی طور پر دونوں قولوں میں تطبیق پیدا کی کہ شاید یوں ہو تو انہوں نے صراحۃً ان کثیرین کا رد کیا جو بین یدی کے قائل تھے نہ کہ امام مالک و مالکیہ کا جو منارہ پر ہونا مانتے ہیں، کیا آپ اسی کو امت مرحومہ کا

مجمع علیہ مانتے ہیں کہ اذان ثانی امام کے سامنے نہ ہو بلکہ منارہ پہ۔ رہی تطبیق وہ دونوں قولوں کے خلاف پر امت مرحومہ کا اجماع ہے یعنی نہ منارہ پہ نہ امام کے سامنے بلکہ زمین پر امام کے پیچھے۔

سوال ۴۷ ثالثاً یمکن کہہ کر ایک احتمالی بات پیدا کرنا کیا کوئی حکم ہوتا ہے اجماع حکم پر ہوتا ہے یا کسی مشکوک بات پر۔ اجماع درکنار۔ کیا امکان و احتمال سے کسی سنت کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

سوال ۴۸ رابعاً قاری کی تطبیق اول تک تو بحمد اللہ تعالیٰ بالکل مطلع صاف ہو گیا۔ اور بعد کی نری بے سند تطبیق کہ ممکن کہ زمانہ رسالت میں درِ مسجد پر اذانِ بلال مجرد اعلام ہو للہ انصاف کتنی بے اصل و ناقابل قبول اور جملہ ائمہ و علماء و شراح حدیث و روایت سیر سے ایک نئی راہ متروک و مخذول ہے اولاً تمام احادیث و علماء بالاتفاق ناطق ہیں کہ زمانہ رسالت میں روز جمعہ یہی ایک ندا تھی کہ وقتِ جلوسِ خطیب ہوتی۔ اس بے معنی احتمال نے اسے اذان ہی نہ رکھا نرا کوئی اعلام کر دیا تو حاصل یہ ہوا کہ زمانہ رسالت میں جمعہ کی اذان ہوتی ہی نہ تھی۔ مولنا اسے خلافِ اجماع امتِ مرحومہ کہیے۔ ثانیاً بالغرض باطل سُوا اعلام اذان سے پہلے مانیے مگر یہ جو وقت منبر تھی یہ تو باجماع امت مرحومہ اذان تھی۔ محققین نے جس روایت ابن اسحاق سے استدلال فرمایا توضیح سے اس کی عبارت سن چکے کہ اذا جلس علی المنبر اس اذان کو مجرد اعلام سے تاویل کرنا کس درجہ باطل صریح و خلاف اجماع ہے ثالثاً اعلام عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما قبل اذان خطبہ تھا۔ اس کے بعد اذان یہاں جب اذانِ خطبہ ہی محض اعلام ٹھہری تو یہ اس کی اصل کیونکر ہوئی۔ امیر المومنین نے اعلام سابق کو اپنا احداث بتایا اس طور پر تو خود اذانِ خطبہ ہی کو احداث کہنا تھا۔

رالعجا. جب اعلام زمانہ رسالت میں تھا تو احداث فاروق کیونکر ہوا، اس کے بنانے کو علی قاری ایک اور امکان واحتمال نکالتے ہیں جسے آپ نے چھوڑ دیا کہ لعله ترك ایام الصدیق او اواخر زمنه صلی الله تعالیٰ علیه وعلیٰ اٰله وسلم ایضًا فلهذا اسماه عمر بدعة یعنی شاید یہ اعلام صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں متروک ہو گیا یا خود آخر زمانہ رسالت میں بھی چھوٹ گیا ہو۔ اس لیے فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بدعت کہا۔ پہلے تو اذان خطبہ کو اعلام بنایا تھا اب وہ بھی گیا۔ ویسے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے۔ حالانکہ وہ حدیث جس میں یہ تاویلات کی جا رہی ہیں زمانہ رسالت وزمانہ صدیق وزمانہ فاروق سب میں وقتِ خطبہ اس کی تصریح فرما دی ہے خطبہ کے وقت کی ندا ہرگز متروک نہ ہوئی، بات یہ ہے کہ علی قاری کو اس وقت نہ کلام محققین بلفظ محفوظ تھا نہ یہی یاد تھا کہ وہ خود روایت ابن اسحاق سے سند لائے ہیں نہ وہ حدیث ہی پیش نظر تھی جس پر کلام کر رہے ہیں۔ ورنہ ہرگز نہ محققین سے وہ نقل کرتے کہ یہ حدیث بخاری کا مقتضی ہے۔ نہ ان پر اعتراض کرتے کہ ایسا نہیں نہ اذان خطبہ کو نرا اعلام ٹھہراتے نہ اسے زمانہ صدیق یا زمانہ رسالت میں بھی متروک بتلاتے نہ روایت ابن اسحٰق سند محققین میں تراع محققین بتاتے۔ روشن ہے کہ یہ سب باتیں محض بے منشا وخلاف واقع ہیں۔ قاری نے یاد پر یہ بحث لکھی کلام محققین میں جو حدیث کی اصل صحیح بخاری میں ہونا بتایا۔ اور روایت ابن اسحاق سے استناد فرمایا یہ یاد رہا کہ خود روایت بخاری سے استناد کیا اور روایت ابن اسحٰق سے فقط دروازہ کا لفظ یاد رہا نہ اذا جلس علی المنبر خیال رہا کہ اذان خطبہ کو اعلام نہ کہتے نہ لفظ او ابی بکر و عمر کہ زمانہ صدیق بلکہ زمانہ رسالت میں بھی اذان

خطبہ متروک نہ بتاتے۔ ظاہر ہے کہ ایسے کلام سے استناد محض باطل و خرط القتاد اسی لیے تو حدیث میں لا تکن امتعۃ ارشاد ہوا

سوال ۴۹۔ سب جانے دیجئے پھر اس عبارت فارسی میں کون سا لفظ ہے کہ مسجد کے اندر اذان ہو یا زمانہ رسالت و خلافت میں مسجد کے اندر ہوتی تھی عبارت بھر میں فی المسجد کا کہیں حرف بھی تو نہیں۔ فی جوف المسجد وغیرہ تو بڑی بات ہے صرف اتنا کہ وہ ایک احتمال نکالتے ہیں کہ پہلے علی الباب ہوتی ہو پھر بین یدیہ یہ بھی ان کے صریح ذہول بھول بھول پر مبنی ہے۔ یہی روایت ابن اسحاق مروی سنن ابی داؤد یاد ہوتی تو دیکھتے کہ ایک ہی وقت میں بین یدیہ بھی ہے اور علی باب المسجد بھی پھر حدیث کتاب صحاح کا اثر مقبر ہوگا یا ایک متاخر عالم کی بھول۔ یہاں تو کسی حکم کی بھی بحث نہیں جس میں آپ بادعائے تقلید ایک متاخر عالم کی پیروی میں حدیث صحیح کو رد کر دیں۔ یہاں تو واقعہ کی بحث ہے کہ زمانہ رسالت میں اذان کہاں ہوتی تھی۔ اس کا بتانے والا حدیث کے سوا کیا ہوگا۔ پھر ایک تحمیل بے اصل کی بنا پر حدیث ثابت جو واقعہ بتا رہی ہے کیونکر رد ہو سکتی ہے۔

سوال نمبر ۵۰ آپ مستدل ہیں۔ تعین مفید و رفیع جملہ احتمالات خلاف کا بار آپ پر ہے۔ علی قاری کی عبارت میں کہاں ہے کہ دروازہ محاذی پر اذان ہو تو بین یدیہ نہ ہوگی یا خاص جوف مسجد کے اندر نہ ہو تو بین یدیہ نہ ہوگی یہ تو قطعاً یقیناً معلوم و متقین کہ علی قاری یہاں جس حدیث پر بحث کر رہے ہیں۔ اس میں ذہول کئے ہوئے ہیں۔ تو یہ ایک جدا بات ہے کہ زمانہ انور میں مسجد اطہر میں شمالی دروازہ بھی تھا اگر خیال میں نہ ہو کیا دشوار ہے ان کے زمانہ سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے مسجد کریم میں کوئی شمالی دروازہ نہ رہا تھا۔ وہاں لوگوں کے مکان

بن گئے تھے۔ کما فی خلاصۃ الوفاء لہٰذا دروازے سے غربی وشرقی دروازوں کی طرف ذہن گیا اور شک نہیں کہ ان دروازوں کی طرف ذہن گیا اور شک نہیں کہ ان دروازوں پر اذان ہو تو ہرگز بین یدی الخطیب نہ ہوگی ناچار روایت ابن اسحٰق جس سے محققین سند لائے تھے خود اسی کو ان کی منازعت میں شامل کر دیا۔ اور اب دروازے کے لیے آپ ہی تاویلوں کا دروازہ کھولنا پڑا کہ محاذات فوت ہو کر مالکیہ کا مذہب ثابت ہوا جاتا ہے۔ کذٰلک یبین اللّٰہ آیاتہ فی الآفاق وفی انفسکم افلا تبصرون۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللّٰہ ولی التوفیق۔

سوال ۱۵ انصاف پر آئیے تو علی قاری کے اشتباہ کا جو منشا ہم نے احتمالاً بیان کیا خواہی نہ خواہی ماننا ہی پڑے گا کہ وہ اگرچہ عربی نہ تھے ہراۃ کے ساکن تھے مگر آخر عالم متبحر تھے، مکہ معظمہ کے مجاور تھے۔ آج کل کے دو چار ہندیوں کی طرح نہ تھے کہ صحابی اہل زبان کا ارشاد سنتے جائیں کہ اذان دروازہ مسجد پر بین یدیہ تھی اور ہٹ دھرمی سے کہے جائیں کہ دروازہ محاذی بر ہوگی تو بین یدیہ نہ ہوگی۔ صحابی اہل زبان درکنار خود قرآن عظیم کے محاورات کریمہ سنتے جائیں اور پھر وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہ جب تک امام کی گود میں چڑھ کر نہ ہو بین یدیہ نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی صاحب علی قاری کو بھی اپنا ہی سا بنانا چاہیں جس سے علی قاری مزید بیزار ہیں تو فرمائیے کہ صحابی اہل زبان کا ارشاد معتبر ہے یا ایک قریب زمانہ کے عالم کا۔ نہیں نہیں یہ بتائیں کہ قرآن عظیم کے محاورات صحیح ہیں یا گیارہویں صدی کی ایک عجمی سمجھ۔ غرض زمین سے آسمان تک اُٹھ لیے ہرگز ہرگز حدیث کا یہ ارشاد مٹ نہیں سکتا کہ اذان دروازہ مسجد پر بین یدیہ تھی۔ والحمد للّٰہ رب العٰلمین

سوال نمبر ۵۲۔ اب بھی جناب پر روشن ہوا یا نہیں کہ اب تک جتنی عبارتیں لائے سب بے کار و دور از کار تھیں۔ اور دو شرح کتب حدیث کا بچھا چھوڑ کر جو ہدایہ کی عبارت لکھی یہ جناب کی ساتویں بھرتی ہوئی۔ اور در مختار کی عبارت آٹھویں بھرتی کہ ان میں وہی بین یدیہ ہے کہ نہ آپ کو مفید نہ ہمارے خلاف اور اسی پر کنز کا حوالہ نویں بھرتی۔ عالمگیری کا نام لینا دسویں بھرتی۔ پھر اس پر شروح اور اس پر بھی وغیرہ کا حوالہ یہ خدا جانے کتنی بھرتیوں کے پلپلے رسالے۔

سوال نمبر ۵۳ ذرا دیکھنا شروح کنز میں بحر تو نہیں کیا بحر میں وہ صریح تصریح نہیں کہ لا یؤذن فی المسجد مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

سوال نمبر ۵۴ ذرا دیکھنا کہیں عالمگیری میں بھی یہی الفاظ نہ نکل آئیں کہ لا یؤذن فی المسجد۔ مسجد میں اذان منع ہے اب تو یہ حوالے اور اُلٹے پڑے

مولنا فتوی یوں نہیں لکھا جاتا۔ ہمارا آپ کا دوستانہ ہے پہلے آپس میں سمجھ لیتے تو یہ دن کیوں دیکھتے اب بھی کیا گیا ہے۔ صبح کو بھولا شام کو آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے ؎

غصہ جلنے دو آؤ مل جاؤ | سنی آپس میں سب برادر ہیں
نجدیوں کو سقر میں جانے دو | دشمن مصطفےٰ ہیں اکفر ہیں
انکو شیطاں کا خبث طیب ہے | کفر کی ظلمتیں منور ہیں
ان سے اور مسئلہ سے کیا نسبت | وہ تو اسلام ہی سے باہر ہیں

نسائل اللہ العفو والعافیۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۝

۲۶۔ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

بحمدہ تبارک و تعالیٰ

یہ مبارک فتوی نافع تقوی دافع بلوی جس میں جمعہ کی اذان ثانی کے
خارج مسجد ہونے کا واضح و روشن بیان ہے

مسمی باسم تاریخی

اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ

۱۳۲۰ھ

مصنفہ

حضور پر نور مرشد برحق امام اہلسنت تاج الفحول الکاملین شیخ الاسلام و المسلمین
مجدد اعظم دین و ملت سیدنا اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
جسکی تصدیقات حاصل فرماکر

حضرت مولانا مولوی حافظ قاری علامہ ابو المظفر محب الرضا محمد محبوب علی خاں صاحب قادری
برکاتی رضوی مجددی لکھنوی دام مجدہم العالی نے شائع کیا

تصنیف

اعلیحضرت امام اہلِ سُنت مجدد دین وملت

مولانا شاہ احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بفیض حضور مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بفیض حضور مفتیٔ اعظم علامہ شاہ حضرت محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رضا اکیڈمی ۲۶، کامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ از ملک بنگالہ موضع شاکوچیل ضلع سلہٹ ڈاک خانہ جگنہ بیاپور

مرسلہ مولوی ممتاز الدین صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان مسجد کے اندر دینا کیسا ہے جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد جو دی جاتی ہے آیا وہ اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے کھڑا ہو کر کہے یا باہر مسجد کے اور برتقدیر اول بلاکراہت جائز ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں یہ بلاکراہت سب علما کے نزدیک جائز ہے اور سلف صالحین سے لیکر اس زمانے تک کل امصار و دیار میں اسی طریقۂ مسنون پر باتفاق علمائے کرام جاری و دائر ہے۔ شامی میں ہے کہ مؤذن اذان خطیب کے سامنے کہے۔ ہدایہ میں ہے منبر کے سامنے کہے۔ اور اسی پر علما کا عمل ہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا مگر یہ اذان اور در مختار میں ہے خطیب کے سامنے کہے ان عبارات سے ہویدا ہوا کہ روبرو خطیب کے مسجد کے اندر کہے اور باہر مسجد یا صحن مسجد میں کھڑا ہو کر اذان کہنا خلاف کتب فقہ و سلف صالحین کا ہے انتہی اور بعض لوگ کہتے ہیں جمعے کی اذان ثانی مسجد کے اندر منبر کے سامنے کھڑے ہو کر مکروہ نہیں ہے۔ اگرچہ یہاں تک اطلاق بلین یدیہ آتا ہے

سب جگہ درست ہے انتہی۔ ایس کہ لسانا قل صحیح ہے بینوا توجروا

الجواب

ہمارے علماء کرام نے فتاوی قاضی خاں وفتاوی خلاصہ وفتح القدیر ونظم وشرح نقایہ برجندی وبحر الرائق وفتاوی ہندیہ وطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے فتاوی غایہ میں ہے ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد یعنی اذان منارے پر یا مسجد کے باہر چاہیے مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔ بعینہ یہی عبارت فتاوی خلاصہ وفتاوی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے فتح القدیر میں ہے الاقامۃ فی المسجد ولا بد واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لا یؤذن فی المسجد یعنی تکبیر تو ضرور مسجد میں ہوگی۔ رہی اذان وہ منارے پر ہو منارہ نہ ہو تو بیرون مسجد زمین متعلق مسجد میں ہو علما فرماتے ہیں مسجد میں اذان نہ ہو۔ نیز خود باب الجمعۃ میں فرمایا ھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ وہ اللہ تعالی کا ذکر ہے مسجد میں یعنی حوالی مسجد کے اندر اس لیے کہ خود مسجد کے اندر اذان دینی مکروہ ہے۔ شرح مختصر الوقایہ للعلامۃ عبد العلی میں ہے فی ایراد المئذنۃ اشعار بان السنۃ فی الاذان ان یکون فی موضع عال بخلاف الاقامۃ فان السنۃ فیہا ان تکون فی الارض وایضا فیہ اشعار بانہ لا یؤذن فی المسجد فقد ذکر فی الخلاصۃ

انه ینبغی الخ اھ باختصار یعنی صدر الشریعۃ قدس سرہ نے اذان کے لیے مناری کا جو ذکر فرمایا اسمیں تنبیہ ہے اسپر کہ اذان میں سنت یہ ہے کہ بلند جگہ پر ہو بخلاف تکبیر کہ اوسمیں سنت یہ ہے کہ زمین پر ہو۔ نیز اوسمیں تنبیہ ہے کہ اذان مسجد میں نہ دیجائے خلاصہ میں اس کی ممانعت کی تصریح ہے۔ بحر الرائق میں ہے فی القنیۃ یسن الاذان فی موضع عال والاقامۃ علی الارض وفی المغرب اختلاف المشائخ اھ والظاھر انہ یسن المکان العالی فی اذان المغرب ایضا کما سیأتی وفی السراج الوھاج ینبغی ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران وفی الخلاصۃ ولا یؤذن فی المسجد اھ مختصرا یعنی قنیہ میں ہے کہ اذان بلندی پر اور تکبیر زمین میں ہونا سنت ہے اور مغرب کی اذان میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ وہ بھی بلندی پر ہونا مسنون ہے یا نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ مغرب میں بھی اذان بلندی پر ہونا سنت ہے اور سراج الوہاج میں ہے اذان وہاں ہونی چاہئیے جہاں سے ہمسایوں کو خوب آواز پہنچے اور خلاصہ میں فرمایا کہ مسجد میں اذان دے اوسی میں بعد چند ورق کے ہے السنۃ ان یکون الاذان فی المنارۃ والاقامۃ فی المسجد سنت یہ ہے کہ اذان منارے پر ہو اور تکبیر مسجد میں۔ حاشیۂ طحطاویہ میں ہے یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم فان لم یکن ثمہ مکان مرتفع للاذان یؤذن فی فناء المسجد کما فی الفتح یعنی مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے جیساکہ قہستانی میں نظم سے منقول ہے تو اگر وہاں اذان کے لیے کوئی بلند مکان نہ بنا ہو تو مسجد کے آس پاس اوس کے متعلق زمین میں اذان دے جیساکہ فتح القدیر میں ہے۔ یہ تمام ارشادات صاف صاف مطلق بلا قید ہیں جنمیں جمعہ وغیرہا کسی تخصیص نہیں

دعی تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلمات صریحۂ معتمدہ میں اذان ثانی جمعہ کا استثنا دکھائے مگر ہرگز نہ دکھا سکیگا رہا لفظ بین یدی الامام یا بین یدی المنبر سے استدلال مذکور فی السوال وہ محض ناواقفی ہے ان عبارات کا حاصل صرف اسقدر کہ اذان ثانی خطیب کے سامنے منبر کے آگے امام کے مواجہہ میں ہو اب سے یہ کہاں سے نکلا کہ امام کی گود میں منبر کی گگر پر ہو جس سے داخل مسجد ہونا استنباط کیا جائے بین یدی سمت مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے۔ جو وقت طلوع مواجہ مشرق یا ہنگام غروب مستقبل مغرب کھڑا ہو وہ ضرور کہیگا کہ آفتاب میرے سامنے ہے یا فارسی میں مہر روبروی من ست یا عربی میں الشمس بین یدی حالانکہ آفتاب اوس سے تین ہزار برس کی راہ سے زیادہ دور ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتا ہے جو کچھ اون کے سامنے ہے یعنی آگے آنیوالا ہے اور جو کچھ اون کے پیچھے ہے یعنی گزر گیا۔ یہ ہرگز ماضی ومستقبل سے مخصوص نہیں بلکہ ازل تا ابد سب اوسمیں داخل ہے۔ یونہی ملائکہ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا قول کہ قرآن عظیم نے ذکر فرمایا لہ ما بین ایدینا وما خلفنا وما بین ذلک اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے تمام ماضی ومستقبل وحال سبکو شامل ہے ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظر قرآن حالیہ ایک نوع قرب ہر شے کے لائق مستفاد ہوتا ہے نہ اتصال حقیقی کہ خواہی نخواہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو قال اللہ تعالیٰ وھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت

سحابا ثقالا سقنه لبلد میت فانزلنا به الماء الآیہ - اللہ ہے کہ بھیجتا ہے
ہوائیں خوشی کی خبر لاتی باران رحمت کے آگے یہانتک کہ جب انھوں نے او
بھارے بوجھل بادل اٹھائے اوسے رواں کیا کسی مردہ شہر کی طرف تو اوتارا
اوس سے پانی بین یدی نے قرب مطر کی طرف اشارہ فرمایا مگر یہ نہیں کہ
ہوائیں چلتے ہی پانی مٰعا اوترے بلکہ چلیں اور بادل اوٹھے اور بوجھل پڑے
اور کسی شہر کو چلے وہاں پہونچکر برسے وقال تعالیٰ - ان ھو الا نذیر لکم بین
یدی عذاب شدید ۝ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے نہیں جیسا کہ اسے
کافرو تم گمان کرتے ہو وہ تو نہیں مگر تمھیں ڈر سنانیوالے ایک سخت عذاب
کے آگے - آیت نے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت
ہے پھر اوسکا قرب اوسی کے لائق ہے - تیرہ سو تینتالیس برس گزر گئے اور
ہنوز وقت باقی ہے پس جو اذان مسجد پر یا فناء مسجد کی کسی زمین میں جہانتک حائل نہو
محاذات امام میں دیجائے اوسپر ضرور بین یدیہ صادق ہے بلا شبہہ
کہا جائیگا کہ امام کے سامنے خطیب کے روبرو منبر کے آگے اذان ہوئی اور
اسیقدر دور کا رہے غالبًا خود مستدلین کو معلوم تھا کہ قریب مسجد بیرون
مسجد مواجہہ امام کو بھی بین یدیہ شامل ہے و لہذا روبرو خطیب کہنے کے
بعد ان لفظوں کی حاجت ہوئی کہ مسجد کے اندر مگر خاص یہی لفظ کہ اصل مدعا
تھے صرف اپنی طرف سے اضافہ ہوگئے ، شامی و ہدایہ و درمختار وغیرہا میں
کہیں اسکی بو بھی نہیں - اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس
بین یدیہ کے معنی بھی آفتاب کی طرح روشن ہوجائیں اور اوس ادعا سے

توارث کا حال بھی کھل جائے سنن ابی داود شریف میں بسند حسن مروی ہے حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمۃ عن محمد بن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب روز جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانے میں۔ اس حدیث جلیل نے واضح کردیا کہ اس روبرو کے امام پیش منبر کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ زمانہ رسالت و خلفائے راشدین سے کیا متوارث ہے۔ ہاں یہ کہیے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہنی شائع ہو رہی ہے مگر نص حدیث سے جدا تصریحات فقہ کے خلاف کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں ایک یہی کیا او روقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں حالانکہ وہاں تو اون تصریحات ائمہ کے مقابل بین یدی وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں۔ پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ یہاں اس سنت کریمہ کا احیاء رب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا میرے یہاں مؤذنوں کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے۔ جمعہ کی اذان ثانی بحمد اللہ تعالٰی منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانہ اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی الہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ہوا کرتی تھی ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم والحمد للہ رب العلمین بعض دیگر جن سے سائل نے دوسرا قول نقل کیا اگرچہ

اتنا سمجھے کہ بلین ین ی سے داخل مسجد ہونا اصلا مفہوم نہیں ہوتا مگر کتابوں
پر نظر ہوتی تو خلاف تصریحات علما یہ ادعا نہوتا کہ مسجد کے اندر مکروہ نہیں
۱۳۰۲ھ ہجریہ میں فقیر بہ نیت خاکبوسی آستانہ علیہ حضرت سلطان الاولیا محبوب
الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بریلی سے شد الرحال کرکے حاضر
بارگاہ غیاث پور شریف ہوا تھا دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جاتا ہوا اذان
کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی فقیر نے حسب عادت کہ جو امر خلاف شرع
مطہر پایا مسئلہ گزارش کردیا اگرچہ اون صاحب سے اصلا تعارف نہو ان مؤذن
صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے کہا کہاں لکھا ہے۔ میں
نے قاضی خان۔ خلاصہ۔ عالمگیری۔ فتح القدیر کے نام لیے۔ کہا ہم اون کی نہیں
مانتے فقیر سمجھا کہ حضرت طائفہ غیر مقلدین سے ہیں۔ گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں
معلوم ہوا کسی کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا احکم الحاکمین جل جلالہ کا سچا حقیقی دربار
تو ارفع و اعلیٰ ہے آپ انہیں کچہریوں میں روز دیکھتے ہونگے چپراسی مدعی مدعا علیہ
گواہوں کی حاضری کچہری کے کمرے کے اندر کھڑا ہوکر پکارتا ہے یا باہر۔
کہا باہر۔ کہا اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہریگا یا نہیں۔ بولے
اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب اون کی سمجھ کے لائق کلام
پیش کیا تسلیم کرلیا ع۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست الحمد للہ حق واضح ہوگیا
(اقول) وباللہ التوفیق یہاں دو نکتے اور قابل لحاظ و غور ہیں
اول۔ اگر بانی مسجد نے مسجد بناتے وقت تمام مسجدیت سے پہلے مسجد
کے اندر اذان کیلیے منارہ خواہ کوئی محل مرتفع بنایا تو یہ جائز ہے اور اوتنا ٹکڑا

اذان کے لیے جدا سمجھا جائیگا اور مسجد میں اذان دینے کی کراہت یہاں مانع نہوگی جیسے مسجد میں وضو کرنا اصلاجائز نہیں مگر پہلے سے اگر کوئی محل معین بانی نے وضو کے لیے بنوا دیا ہو تو اوس میں وضو جائز ہے کہ اوسقدر مستثنے قرار پائیگا اشباہ میں ہے تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون ثمہ موضع اعد لذلک لا یصلی فیہ اوفی اناء درمختار میں ہے یکرہ الوضوء الا فیما اعد لذلک ردالمحتار میں ہے لان ماءہ مستقذر طبعًا فیجب تنزیہ المسجد عنہ کما یجب تنزیہا عن المخاط والبلغم بدائع فقیر نے اوسپر تعلیق کی ھذا التعلیل علی مذھب محمد المفتی بہ اما علی قول الامام من تنجیس الماء المستعمل فظاھر ردالمحتار میں ہے قولہ الا فیما اعد لذلک انظر ھل یشترط اعدادذلک من الواقف ام لا فقیر نے اوسپر تعلیق کی اقول نعم وشیء اٰخر فوق ذلک ثم ھی ان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیۃ فان بعدہ لا یسلہ ولا لغیرہ تعریضہ للمستقذرات ولا فعل شیء یخل بحرمتہ اخذتہ مما یاتی فی الوقف من مسئلۃ بناء الواقف فوق المسجد بیتا لسکنے الامام اسی طرح اگر منارہ یا مئذنہ بیرون مسجد فنائے مسجد میں تھا بعدہٗ مسجد بڑھائی گئی اور زمین متعلق مسجد مسجد میں لیلی کہ اب مئذنہ اندرون مسجد ہوگیا اسپر بھی اذان میں حرج نہوگا کہ یہ بھی وہی صورت ہے کہ اس زمین کی مسجدیت سے پہلے اس میں یہ محل اذان کیلیے معنوع ہوچکا تھا کما لا یخفی ہاں اگر داخل مسجد کوئی شخص اگرچہ خود بانی مسجد نیا مکان اذان کے لیے مستثنے کرنا چاہے تو اوس کی اجازت نہونی چاہئے کہ بعد تمامی مسجد کیکو اوس سے استثنا یا فعل مکروہ کیلیے بنا کا اختیار نہیں۔ درمختار میں ہے لو بنی فوقہ بیتا للامام

لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذٰلک لم یصدق تاتارخانیہ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد دوم متعلقات مسجد میں مسجد کے لیے اذان ہونے کو عرف میں یوہیں تعبیر کرتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوئی مثلاً منارہ بیرون مسجد زمین خاص مسجد سے کئی گز کے فاصلے پر ہو اور اُس پر اذان کہی جائے تو ہر شخص یہی کہیگا کہ مسجد میں اذان ہو گئی نماز کو چلو یوں کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی نماز کو اُٹھو یہ عرف عام شائع ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں ولہذا امام محقق علی الاطلاق نے ھوذکر اللہ فی المسجد کی وہ تفسیر فرمائی کہ ای فی حدودہ اور اس کی دلیل وہی ارشاد فرمائی کہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ کوئی سخن ناشناس نظائر حدیث مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وتفا ان من سنن الھدی الصلاۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ و امثال عبارت کرہ خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ سے دھوکا نہ کھائے اور ارشاد حدیث ابن ماجہ عن امیر المؤمنین عثمٰن الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ادرک الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجتہ وھو لایرید الرجعۃ فھو منافق سے دھوکا اور بھی ضعیف تر ہے فان فی المسجد ظرف الادراک دون الاذان ولہذا علامہ مناوی نے تیسیر میں اس حدیث کی یوں شرح فرمائی (من ادرک الاذان) وھو (فی المسجد) الخ بلکہ خود حدیث شرح حدیث کو بس ہے احمد بسند

صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلاۃ فلا یخرج احدکم
حتی یصلی بالجملہ جہاں ایسے الفاظ واقع ہوں انھیں دونکتوں سے ایک پر
محمول ہیں اقول وبہ ینجلی مافی الجلابی انہ یؤذن فی المسجد او مافی
حکمہ لا فی البعید منہ اھ ای یؤذن فی حدود المسجد وفنائہ کما
فسر بہ الامام المحقق علی الاطلاق او فی نفس المسجد ان کان ثمہ
موضع اعد لہ من قبلُ او یؤذن فیما ھو فی حکمہ لقربہ منہ بحیث یعد
الاذان فیہ اذانا للمسجد کما فعل عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث
احدث الاذان الاول علی الزوراء دارٍ فی السوق ولا یؤذن للمسجد
فی البعید منہ فان المسجد اذا کان غربی البلد مثلاً واذن شرقیہ بل
اذن لمسجد حی اخر لا یعد ذلک اذانا لہ کما لا یخفی فلا استدراک
بکلام الجلابی علی کلام النظم کما زعم القھستانی وباللہ التوفیق وبما
قدمنا من تحقیق مفاد بین یدیہ وانہ یستدعی بقرینۃ الحال
قربا یناسب المقام لا الاتصال وضح بحمد اللہ ما قال القھستانی فی
تحت قول النقایۃ اذا جلس علی المنبر اذن ثانیا بین یدیہ ما نصہ
ای بین الجھتین المسامتین لیمین المنبر او الامام ویسارہ قریبا منہ
ووسطھما بالسکون فیشتمل ما اذا اذن فی زاویۃ قائمۃ او حادۃ او منفرجۃ
حادثۃ من خطین خارجین من ماتین الجھتین ام فلیس
القرب منکرا او لا بالا تصال مشعرا وانما اراد بہ اخراج البعد الذی

لا یعد بہ الاذان اذانا فی ذلک المسجد کما ذکرناہ فی کلام الجلابی

غرض عامہ کتب معتمدہ مذہب کے خلاف اگر ایک آدھ غریب و نا متداول کتاب میں کوئی تصریح بھی ہوتی عقلاً و عرفاً و شرعاً قابل قبول نہ ہوتی الا تری ان العلامۃ الطحطاوی کیف اقتصر فی الحکم علی حکایۃ ما فی القہستانی عن النظم ولم یعرج علی استدراکہ اصلا علما منہ ان الاستدراک مستدرک لا یقتضی نقلاً نہ کوئی لفظ محتمل نا صریح صاف صاف لائق توجیہ و تصحیح کما لا یخفی علی ذی عقل نجیح ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی التوفیق والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ اجمعین آمین:۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وحکمہ عز شانہ اجل واعظم

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ النبی الامی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری
عبد المصطفیٰ احمد رضا خان

تصدیقات علمائے بریلی بھیت و کچھوچھہ شریف ولاہور و سیالکوٹ و گلاوٹھی و رام پور و ہلی

اُتر نیب ترا د نی علما بریلی کا فتویٰ بلا ریب و تردد صحیح ہے اور موافق کتب معتمدہ فقہ و حدیث شریف ہے بیشک اذان خطبہ جمعہ کا مسجد کے باہر ہونا مسنون

ہے اور فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ اندر مسجد کے مکروہ ہے فقیر قادری وصی احمد خادم حدیث در مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت

۴ اصاب من اجاب فقیر ابو المحمود احمد اشرف جیلانی عفی عنہ (کچھوچھہ شریف)

۴ صاحب حجت قاہرہ مجدد ماتہ حاضرہ حضرت عالم اہلسنت دام فیضہ وکثرت احبابہ وکسرت اعداءہ کا فتویٰ بالیقین حق ہے اس حقیر فقیر سراپا تقصیر نے اسکو بالاستیعاب بنظر غور دیکھا ہے العبد الحقیر ابو سراج عبد الحق تلمیذ مولٰنا و بالفضل اولانا مولوی محمد وصی احمد محدث سورتی عم فیضہ العلی

۴ لقد اصاب المجیب واللہ سبحنہ تعالیٰ اعلم

عبد الحی قادری برکاتی بقلم خود امام جامع مسجد پیلی بھیت

۵ الجواب صحیح ابو المساکین محمد ضیاء الدین حنفی پیلی بھیتی غفر لہ ربہ

۶ بریلی شریف کا فتویٰ اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ فقیر نے بحمد اللہ تعالیٰ خود مطالعہ کیا۔ اس نے میری آنکھوں کو نور دل کو سرور بخشا اور میں نے اسکو بالکل بجا و درست پایا۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا واللہ ثم باللہ مطابق حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ وسلم اور موافق شریعت غرا ہے۔ اور کیسے خلاف ہوتا کیونکہ وہ ایک عالم ربانی مجدد وقت کا فتویٰ ہے۔ ہاں البتہ اس نے ایک سنت مردہ کے احیاء کا ضرور سبق تعلیم فرمایا ہے جسکی تصدیق ہمارے علامہ ارشد حضرت مولٰنا وسیدنا مولوی وصی احمد صاحب قبلہ محدث سورتی نے فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سبکو اسپر عملدرآمد کی توفیق بخشے چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ اکثر جگہ اس کا رواج بھی ہو گیا ہے فقط

عبد الاحد حنفی قادری رضوی غفرلہ ساکن پیلی بھیت

بیشک امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ مولانا الحاج مفتی شاہ عبد المصطفےٰ محمد احمد رضا خان صاحب قبلہ فاضل بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ وعمت فیوضہم المقدسہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتوائے مبارکہ مسمی بنام تاریخی اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ بالکل حق وصحیح وصدق صریح ہے اوسپر عمل کرنے والا مصیب ومثاب ونجیح ہے۔ اوس کا مخالف بر سر باطل قبیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ وانا عبدہ الاثیم الفقیر محمد عبد الکریم الجتوڑی الحنفی النقشبندی المجددی غفرلہ ربہ (مفتی اعظم شہر اوجین علاقہ گوالیار)

۸
ھذا ھو الحق والحق احق بالقبول۔ الفقیر السید ابو محمد محمد دیدار علی الحنفی الرضوی الالوری عفی عنہ۔ محدث وامیر مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور۔

۹
الجواب صحیح۔ ابو المحمود محمد مسعود حنفی نقشبندی عفی عنہ (ساکن الٹر ضلع سیالکوٹ)

الجواب صحیح وصواب۔ فقیر قادری ابو البرکات سید احمد قادری رضوی الوری غفرلہٗ

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا بیشک فتوائے مبارکہ مسمی باسم تاریخی اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعۃ مصنفہ حضور پرنور سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد اعظم دین وملت تاج الفحول الکاملین شیخ الاسلام والمسلمین حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراسر حق وصواب اور موافق سنت وکتاب ہے۔ مسلمانوں کو اسپر عمل کرنا چاہیے۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ توفیق بخشے آمین آمین فقیر محمد عبد الغنی سنی حنفی قادری غفرلہٗ (دھلی بازار۔ کان پور)

۱۲
رسالہ مبارکہ اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ حق وصحیح ہے فقیر نثار احمد کانپوری عفی عنہ۔ (مفتی شہر آگرہ)

۱۳ یقیناً یہ مبارک فتوی عندی حق وصواب ہے۔ محمد عبدالغنی قادری اشرفی ہزاروی
عفی عنہ صدر مدرس مدرسہ اہلسنت حنفیہ غلیہ۔ سیالکوٹ (پنجاب)

۱۴ حضور پر نور سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت عظیم البرکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
مبارک فتوی اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ بالکل حق وصحیح ہے
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا وحبیبنا وشفیعنا ومولنا
محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین فقیر فتح علی شاہ قادری برکاتی رضوی
غفرلہ (ساکن کھروٹہ ضلع سیالکوٹ)

۱۵ الجواب ھو الصواب۔ محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری عفی عنہ

۱۶ الجواب صواب والمجیب مثاب فقیر محمد امانت رسول قادری نوری رامپوری عفی عنہ

۱۷ الجواب صحیح۔ غلام جان قادری رضوی ہزاروی عفا اللہ عنہ۔

۱۸ الجواب ھو الصواب۔ فقیر احمد مختار صدیقی میرٹھی غفر اللہ لہ

۱۹ لقد اصاب من اجاب محمد نظام الدین حنفی وزیرآبادی غفر اللہ تعالیٰ لہ

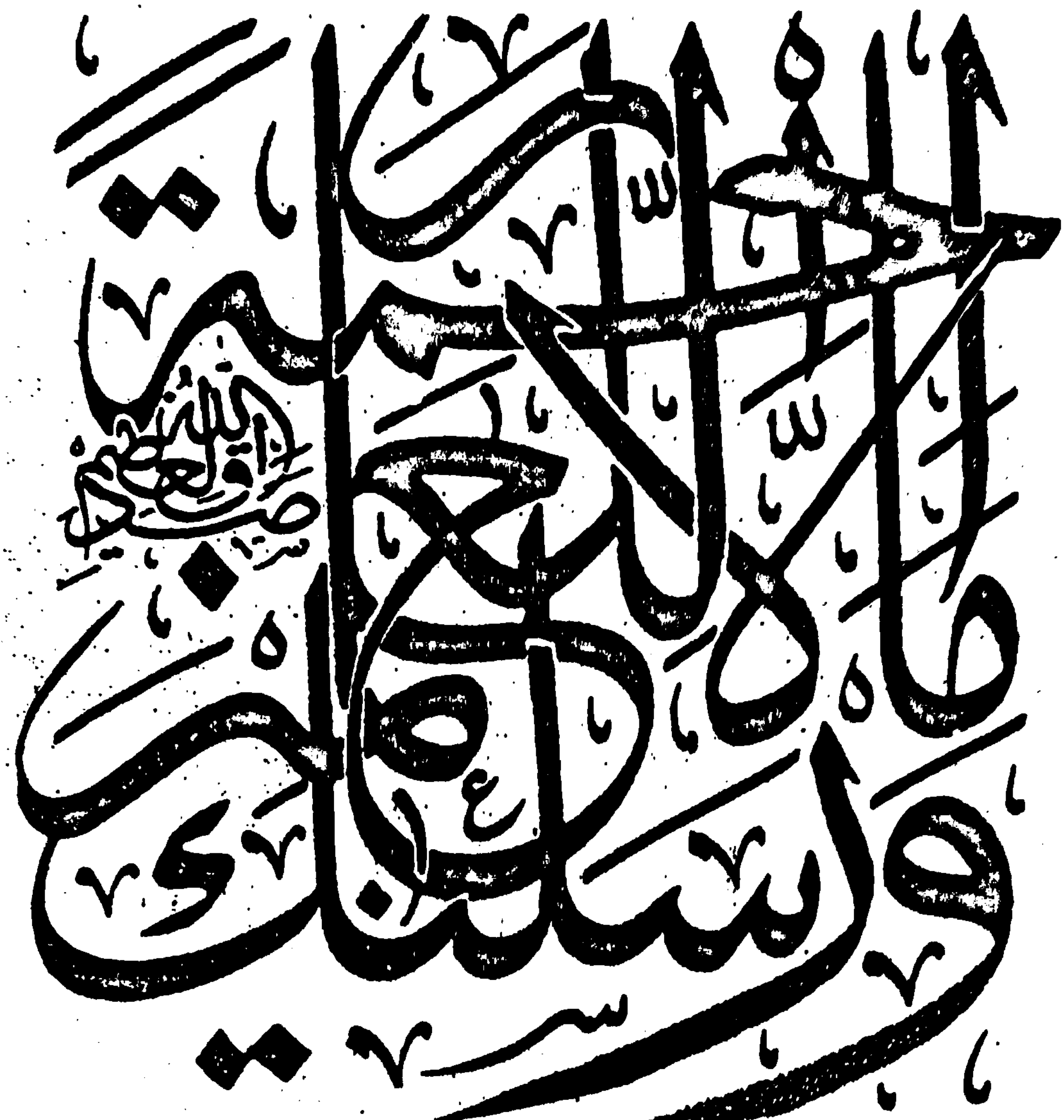
۲۰ الجواب صحیح۔ حافظ محمد عبدالمجید قادری اشرفی دہلوی عفی عنہ

۲۱ صح الجواب۔ بشیر حسن قادری برکاتی رضوی دہلوی عفی عنہ

۲۲ لاریب حضور پرنور سیدنا اعلحضرت عظیم البرکۃ امام اہلسنت مجدد دین وملت
حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک فتوی اوفی اللمعہ فی
اذان یوم الجمعہ حق وصحیح وصواب ہے فقط فقیر حقیر عبدالرضا غلام رسول
قادری برکاتی رضوی مجددی بھاولپوری غفرلہ ربہ

۲۳ مجدد وقت حضور اعلحضرت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کا فتوی اوفی اللمعہ حرف حرف

وصواب ہے۔ عبدالنبی المختار محمد یار فریدی بہاولپوری عفی عنہ تمت



جس میں کہ اذان کہاں ہونا چاہیے اسکی تحقیق نہایت سلیس اور عام فہم اردو میں اور مخالفین کا رد بلیغ

جسکو

حامئ سنت جناب مولوی عرفان علی صاحب قادری رضوی نے تصنیف فرمایا

اور

التحقیق الحسان فی احکام الاذان

نام رکھا

اور بحکم جناب منشی عظمت علی صاحب قادری رضوی بیسلپوری

حسنی پریس بریلی میں چھپکر رضوی کتبخانہ محلہ بہاری پور بریلی سے شائع ہوا

بار اول ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد ۴ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اس وقت مسئلہ اذان جمعہ میں مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھی مدرس مدرسہ سہارنپور کی تحریر تنشیط الاذان فی تحقیق محل الاذان ہمارے پیش نظر ہے کانپور سے بھی انبٹھی صاحب کے ہم مذہب علماء کی ایک تحریر شایع ہوئی تھی جسکے جواب میں وقایۃ اھل السنہ عن مکر دیوبند والفتنہ سنہ ۱۳۳۲ھ میں اہل حق نے شایع کیا جو اسوقت تک لاجواب ہے اس رسالہ مبارکہ میں روز روشن کیطرح ظاہر کیا گیا تھا کہ کانپوری تحریر نے اہلسنت کے صحاح ستہ وائمہ اربعہ سبکو باطل و بے اعتبار کردیا۔ وقایہ اہل السنہ جیسی زبردست اور لاجواب تحریر کے ہوتے ہوئے تنشیط الاذان کسی عاقل کے نزدیک باوقعت اور اصلا قابل التفات نہیں رہتی کیونکہ اسمیں زیادہ تر وہی کانپوری اور رامپوری تحریرات کی مردودات کا اعادہ کیا گیا ہے۔

مسلمانو! للہ الضاف وقایہ اہل السنہ کے تین سو قاہر اعتراضات کے جواب نہ دینا اور کانپوری اور رامپوری تحریروں سے کچھ دال دلیا کرلینا اور تغلیط الاذان کا ناملا میں آکر تنشیط الاذان نام دھر کر قوم میں شایع کر کے سنیوں کو احیائے سنت و عمل بالسنہ سے روکنا اور یہ کہتے پھرنا کہ تنشیط الاذان کا کوئی جواب نہیں ہوا کیسی کھلی ہٹ دھرمی ہے چونکہ بعض جگہ وہابیہ نے اس سہارنپوری تحریر کو احیاے سنت سے روکنے کا آلہ بنا رکھا ہے لہذا احباب کے اصرار پر ہم اوسکے رد کیطرف عنان قلم پھیرتے اور اپنے اسپ تحریر کو میدان احقاق حق و ابطال باطل میں جولان دیتے اور اس تحریر کا نام التحقیق الحسان فی احکام الاذان رکھتے ہیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان ؎

تعریف واحکام اذان

پہلے اسکے کہ میں سہارنپوری تحریر کے اعتراضات کے جوابات کیجانب متوجہ ہوں یہ بتادینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اذان کیا ہے اور اسکے متعلق مسائل فقہیہ کیا ہیں، تاکہ زیربحث مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اذان کی تعریف جاننا چاہئے کہ اذان عرف شرع میں ایک خاص قسم کا اعلان ہے جسکے لئے الفاظ مقرر ہیں یہ اعلان غائبین کی اطلاع کیواسطے ہے کیونکر اعلام غائبین رکن حقیقت اذان ہے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے الاذان اعلام الغائبین والاقامۃ اعلام الحاضرین یہ وہم کہ اذان خطبہ غائبین کی اطلاع کو نہیں بلکہ مثل اقامت حاضرین کی اطلاع کو ہے محض بے بنیاد اور لاعلمی پر مبنی ہے۔ ہدایہ وکافی وتبیین وعنایۃ وبحر ودرمختار وغیرہا میں ہے واللفظ للبحر تکلم دہ مشروع کما فی اذان الجمعہ لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض کیسی صاف تصریح ہے کہ جمعہ کی اذان بھی غائبین کی اطلاع کو ہے لہذا خطبہ کیوقت دو بارہ کہنا مفید ہے کہ شاید پہلی اذان بعض غائبین نے نہ سنی ہو تو اب سن لینگے محققین فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے زمانہ اقدس میں نماز جمعہ کیواسطے صرف ایک ہی اذان یعنی اذان خطبہ تھی جو فناء مسجد میں یعنی دروازۂ مسجد پر خطیب کے مقابل میں ہوتی تھی جبکہ بفضلہ تعالے مسلمان کثیر ہوگئے امیرالمومنین عثمن غنی رضی اللہ تعالے عنہ نے اپنے پاک زمانہ میں ایک اور اذان اضافہ فرمائی جو آجکل اذان اول جمعہ کہلاتی ہے۔ یہ اذان مسجد سے دور بازار میں دیجاتی تھی ہشام اپنے زمانہ میں اسی اذان کو مسجد کے منارہ پر لے آیا مگر اذان خطبہ مسجد کے دروازے پر خطیب کے محاذ میں بدستور ہوتی رہی اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل اذان جمعہ وہی اذان خطبہ ہے جو خطیب کے محاذ میں ہوتی ہے پس اس اذان کو مسجد کے اندر منبر سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر جیسا کہ رواج ہو گیا ہے اس بنا پر کہلانا کہ یہ اذان

خطبہ مثل اقامت کے حاضرین کی اطلاع کیواسطے ہے اس اذان خطبہ کو اذان کی تعریف اور اذان کے احکام ہی سے خارج کرنا ہے کہ اذان کیواسطے اعلام غائبین ضروری ہے اور یہ جب ہی ہو سکیگا کہ یہ اذان خطبہ بھی فنائے مسجد میں بلند آواز سے مثل دیگر اذانوں کے کہی جائے البتہ اس اذان خطبہ میں ہمارے نزدیک یہ زائد ہے کہ بین یدی الخطیب یعنی خطیب کے محاذ میں ہو ولبس۔ باقی وہی احکام ہیں جو اور پنجوقتہ اذانوں کیواسطے ہیں

احکام اذان} فرض پنجگانہ کہ انھیں میں جمعہ بھی ہے۔ جب جماعت مستحبہ کیساتھ مسجد میں وقت پر ادا کئے جائیں تو انکے لئے اذان سنت موکدہ ہے اور اسکا حکم مثل واجب کے ہے کہ اگر اذان نہ کہی جاے تو وہاں کے سب لوگ گنہگار ہونگے سنت یہ ہے کہ اذان بلند جگہ کہی جاے اور بلند آواز سے کہے (بحر) مگر طاقت سے زیادہ آواز بلند کرنا مکروہ ہے (عالمگیری) اذان ماذنہ پر کہی جاے یا کہیں خارج مسجد اور مسجد میں اذان نہ کہے (خلاصہ عالمگیری) مسجد میں اذان کہنا مکروہ ہے (فتح القدیر طحطاوی علی مراقی الفلاح۔ فتاوی قاضیخاں فتاوی خلاصہ خزانۃ المفتیین۔ بحر الرائق۔ شرح نقایہ علامہ برجندی۔ غنیہ شرح منیہ) یہ حکم ہر اذان کے لئے ہے فقہ کی کتاب میں کوئی اذان اس حکم سے مستثنی نہیں۔ بس اذان ثانی جمعہ بھی اس حکم میں داخل ہے امام اتقانی اور امام ابن الہمام نے یہ مسئلہ خاص باب جمعہ میں لکھا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسجد میں اذان نہ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ عین مسجد یعنی موضع صلاۃ میں اذان کہنا ممنوع ہے اور مسجد سے باہر ہونیکا یہ مطلب ہے کہ موضع صلاۃ سے باہر کسی جگہ فنائے مسجد میں ہو البتہ اذان خطبہ میں ہمارے نزدیک محاذات خطیب بھی سنت ہے لہذا موضع صلاۃ کے علاوہ ہر وہ جگہ جو فنائے مسجد میں محاذی منبر ہو محل اذان خطبہ ہے خواہ دروازہ ہو یا کوئی اور جگہ جو جگہ محل اذان ہو وہ جگہ مسجد بنانے کے وقت سے بدستور اذان کیواسطے مستثنی رہیگی یعنی جو جگہ پہلے سے اذان کے لئے مقرر تھی اگر اوسکے ارد گرد مسجد کی توسیع کر لی گئی اور وہ محل اذان اب موضع صلاۃ کے اندر آگیا تو اس محل میں اذان بلا کراہت جائز رہیگی اور صرف اتنی جگہ ہمیشہ خارج مسجد مثل سابق سمجھی جائیگی۔

مسجد کے اطلاق

مسجد کے دو اطلاق ہیں ایک موضع صلاۃ پس فصیلیں۔ دیواریں دروازہ سب اس معنی پر مسجد سے خارج ہیں اور اسکے توابع دوسرا چار دیواری مسجد معہ مافیہ یا یعنی وہ سب داخل مسجد ہیں۔ خود قرآن عظیم میں یہ دونوں محاورے موجود انما یعمر مسجد اللہ من امن باللہ یہ بنا پر موقوف نہیں دیکھو حدیث ترمذی و ابن ماجہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومسجد۔ ہدم بنا ہی کے لئے ہے بلکہ یہاں تیسرا اطلاق اور ہے فنائے مسجد کو بھی مسجد کہتے ہیں ولہذا معتکف اس میں جا سکتا ہے اور اسوقت بھی وہ معتکف فی المسجد کہلائیگا ولہذا منارہ پر جو اذان ہو اسے یہی کہینگے چلو مسجد میں اذان ہوئی یہ کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہوئی۔ بدائع پھر رد المحتار میں ہے لو صعد ای المعتکف المنارۃ لم یفسد بلا خلاف وان کان بابہا خارج المسجد لانہا منہ لانہ یمنع فیہا من کل ما یمنع فیہ من البول ونحوہ فاشبہ زاویۃ من زوایا المسجد۔

تنشیط الاذان کا اجمالی رد

(۱) فتوائے مبارکہ بریلی میں سوال دہم کے جواب میں صاف تھا کہ حضرات اہلسنت سے معروض الخ انبیٹھی صاحب نے دس سوالوں کے جوابات پر تو خامہ فرسائی کی مگر گیارہ تا پندرہ پانچ سوالوں کو قطعی فروگزاشت گیا اگر انکو یہ سمجھکر چھوڑ دیا کہ انکے جوابات کا مطالبہ علمائے اہلسنت سے تھا تو ان دس سوالوں کے جوابات کار دلکھنے کی بھی کیا ضرورت تھی سکوت ہی بہتر تھا کہ فتوائے مبارکہ بریلی میں دس سوالات کے جوابات بھی سنیوں کیواسطے تھے دس جوابات بے جوڑ لکھدیئے اور پانچ آخری سوالات کے جوابات سے پہلو تہی کرنیسے ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچاہے کہ ان پانچ سوالات نے

انبیٹھی صاحب کے ہوش عہ پراں کردیئے۔ ہر ذیعلم جانتا ہے کہ یہ وہ سوالات ہیں جسمیں مخالفین کے تمام شبہات کا پیشگی رد ہے انکے فرار کی سب گلیاں بند ہوجاتی ہیں اسی لئے دیدہ ودانستہ انکے جوابات سے مخالفین نے پہلو تہی اختیار کی ؛

(۲) سہارنپوری تحریر کے صفحہ ۲ لغایتہ ۹ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ مسجد مین ہر اذان دینا جائز ہے خواہ وہ اذان پنجوقتہ ہو یا اذان خطبہ اور دلیل یہ پیش کی گئی ہے۔ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کا مسجد میں ہونا مکروہ نہیں۔ سنی بھائیو دیکھو یہ کیسا کھلا ہوا حنفیت سے مستعفی ہوتا ہے فتوای بریلی میں فقہاے کرام کے اقوال فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں جنمیں صاف صاف موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دیجائے۔ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ ایک ذراسی بات سمجھ لینے کی یہ ہے کہ فتوائے بریلی میں صاف صریح حدیث اور مستند کتب فقہ حنفی کے حوالے مع نشان صفحہ و ترجمہ درج ہیں خدا الضاف دیتا تو اسکا جواب یہ تھا کہ حدیث کے مقابل ویسی ہی معتمد حدیث دکھاتے اور کتب فقہ کے مقابل ویسی ہی مستند کتب فقہ حنفی سے ثبوت پیش کرتے کہ مسجد میں اذان مکروہ نہیں یا صرف اسقدر ثابت کرتے کہ اذان خطبہ ان کتب فقہ کے حکم سے مستثنیٰ ہے مگر اسکا کہیں پتہ نہیں محض سخن پروری سے ہر مخالف کام لے رہا ہے اور اذان پنجوقتہ اور اذان خطبہ کو بلا کسی دلیل کے فی جوف المسجد فقہاے کرام کے ارشادات کے خلاف جائز دیے غلل جاتا ہی ہم انبیٹھی صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں کہ آپکی کتاب بھر میں یہ کن الفاظ کا ترجمہ ہے کہ مسجد میں بلند آواز کیساتھ اذان دینا بلا کراہت جائز ہے یہ وہم کہ اذان ذکر اللہ ہونیکی وجہ سے مسجد میں مکروہ نہیں لاعلمی پر مبنی ہے اذان کہ جسکے واسطے رفع صوت لازمی ہے اور جو غائبین کی اطلاع کیواسطے ایک خاص قسم کا اعلان ہی ہرگز ہرگز ذکر خالص نہیں امام عینی بنایہ میں تصریح فرماتے ہیں کہ اذان ذکر خالص نہیں اور ایسا ہی بحر الرائق وصلاۃ مسعودی میں ہے پس مسجد میں اذان سے منع ذکر سے منع نہیں بلکہ رفع صوت بذکر سے منع ہے اور اسکی ممانعت در مختار و مسلک متقسط و

عہ سنی الفتاویٰ نعیمی مطبع اہلسنت ... صفحہ ۲۹ ...

برازیہ وغیرہ میں مصرح۔ اسی لیے مسجد میں اذان کہنا دربار الٰہی کی بے ادبی ہے
مزید تفصیل دیکھنا ہو تو وقایۃ اہل السنۃ کا صفحہ ۴۰ تا ۷۶ ملاحظہ ہو۔ یہ یاد رہے
کہ مسجد میں اذان نہ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ موضع صلاۃ میں اذان نہ کہی جائے پس
منارہ فصیل۔ دیوار مسجد۔ دروازہ پر اذان کہنا بلا کراہت جایز ہے۔

مسلمانو! مقام غور ہے کہ کیا معاذ اللہ فقہائے کرام جنکے ارشادات اوپر گذرے
انبیٹھی صاحب سے علم میں کم تھے جو انھوں نے انبیٹھی صاحب کی پیش کردہ آیات قرآنیہ
واحادیث پر غور وخوض کرکے مسجد کے اندر ہر اذان کو مکروہ بتادیا اور یہ کہ چودھویں صدی
میں یہ بات صرف انبیٹھی صاحب ہی کی سمجھ میں آئی کہ چونکہ مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر
اعلان حج پکارا گیا تھا پس مسجد کے اندر ہر اذان بلا کراہت جائز ہوگئی کیا معاذ اللہ
فقہائے کرام اس سے بے خبر تھے کہ اذان اعلیٰ ترین ذکر اللہ ہے اور مساجد محل ذکر
اللہ ہیں عام اس سے کہ اذان ہو یا نماز نہیں نہیں وہ ہرگز بے خبر نہیں تھے یہ آیات
واحادیث انکے زیر نظر تھیں مگر بات وہی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ فقہائے کرام اذان کو ذکر
خالص نہیں مانتے اور اسی لئے ان آیات واحادیث کے حکم کے تحت مثل ذکر خالص کے
اذان داخل نہیں مانتے اور بالاتفاق مسجد کے اندر اذان کہنے کی ممانعت فرمارہے ہیں
طرہ یہ کہ انبیٹھی صاحب کے نزدیک فقہائے کرام آیات واحادیث سے محض بے خبری
نہیں ٹھہرتے بلکہ معاذ اللہ بڑے ظالم قرار پاتے ہیں کیونکہ انبیٹھی صاحب نے صفحہ ۲ پر
آیۂ کریمہ ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ الآیۃ مسجد کے اندر
اذان کہنے کو منع کرنیوالوں پر چسپاں کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی
کرتی ہے کہ مساجد محل ذکر اللہ اور عبادات کی جگہ ہیں عام اس سے کہ اذان ہو یا نماز گویا
کہ مسجد میں اذان کہنے کو منع کرنا ذکر اللہ سے منع کرنا ہے اور یہ بحکم قرآن عظیم سب سے
بڑا ظلم ہے تو اس تقدیر پر معاذ اللہ توبہ توبہ خاک بدہن گستاخ فقہائے کرام جنھوں
نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ بتایا ہے سب سے بڑے ظالم ٹھہرے والعیاذ باللہ تعالیٰ
سچ تو یہ ہے کہ فقہ کے لئے بہت بڑی سمجھ درکار ہے۔ انبیٹھی صاحب نے یہ خیال کیا

کہ مساجد کو ذکر سے روک دینے اور مساجد میں ذکر کو منع کرنے میں بین فرق ہے علاوہ اسکے اذان اعلام غائبین ہے بے آواز بلند کیے ناممکن تو مسجد میں اذان سے منع ذکر سے منع نہیں بلکہ رفع صوت بذکر سے منع ہے نیز اذان ذکر خالص نہیں پس موضع صلاۃ کیونکر مثل عبادات کے محل اذان ہو سکتا ہے۔

(۳) مسلمانو! فضلائے کرام کو انبیٹھی صاحب کا معاذ اللہ ظالم ٹھہرانا آیت وحدیث سے بے خبر سمجھنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہی انبیٹھی صاحب ملک الموت و شیطان کے علم کو نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے علم سے زیادہ بتلا چکے ہیں۔ تھانوی صاحب نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جیسا علم ہر سور اور کتے کو بتایا۔ مولوی اسمعیل صاحب دہلوی نے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیال آنیکو بیل اور گدھے کے تصور میں ڈوب جانیسے بدتر گردانا۔ گنگوہی صاحب نے اللہ واحد قہار سے وقوع کذب مانا۔ غرضکہ وہابیہ کے اکابر نے اللہ واحد قہار اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ وہ گھنونی توہینیں کیں کہ آخر کار علمائے حرمین شریفین نے صاف صاف نام بنام فرمایا کہ یہ توہین کرنیوالے سب کے سب ایسے کافر ہیں کہ جو انکے ان اقوال کفریہ پر مطلع ہو کر اونکے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔ جن کے یہاں انبیا کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی یہ عزت وعظمت ہو کہ گاؤں کا مکھیا بتایا جائے انکے یہاں غلامان سرکار کی عزت وعظمت کا کیا ذکر۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام کے ارشادات لا یؤذن فی المسجد کے رد کرنے کے واسطے آیۂ کریمہ ومن اظلم کو بے موقع اور بے محل چسپاں کیا گیا ہے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

(۴) اذان کا مسئلہ ہمارے دین کا ایک فرعی مسئلہ ہے وہابیوں سے اسکا کیا تعلق ان کے عقائد اور ہمارے عقائد میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ بہت سی ضروریات دین کے منکر ہیں اور اس فرقہ ضالہ کے رد میں اہل حق کے سیکڑوں رسالے شائع ہو چکے ہیں جو آجتک لاجواب ہیں مگر کوئی ان سے اتنا پوچھنے والا نہیں کہ آجتک انکے جوابات

کیوں نہ دیے بھلا سنیوں کے ایک فرعی مسئلہ میں ٹانگ اڑا دینا اور لاکھوں اعتراضات سے خاموشی اختیار کرنا کون سا انصاف ہے اچھا یہ بھی سہی وقایہ اہل السنۃ تو خاص اس مسئلہ اذان میں مدتوں کا چھپ چکا ہے اسکے تین سو قاہر اعتراضات کے جوابات دینا پہلے ضروری تھا نہ کہ کانپوری تحریر کے اعتراضات الٹ پلٹ کر ایک جدید رسالہ کی شکل میں شائع کر دینا۔

انبٹھی صاحب اگر مسئلہ اذان میں آپکو لب کشائی ہی کرنا تھی تو وقایہ اہل السنۃ میں کانپوری تحریر کے جن جن اعتراضات کے جوابات ہو چکے تھے انکا اعادہ چہ معنی دارد اس رسالہ مبارکہ کے قاہر دلائل کے جوابات کا مطالبہ تو تمام دیوبندی خیالات کے لوگوں سے تھا پس انکے جوابات نہ دینے سے ہر منصف بے تامل کہہ سکتا ہے کہ وقایہ اہل السنۃ نے آپکے حواس باختہ کر دیے ہیں۔

تفصیلی رد

یہاں تک تو اجمالاً بحث تھی اب ہم میدان تفصیل میں سمند خامہ کی باگ موڑتے ہیں و باللہ التوفیق۔

قولہ دلیل اول:۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مقام ابراہیم پر حج کا اعلان کیا گیا تھا اور یہ کہ جسوقت اعلان پکارا گیا تھا وہ مقام مسجد الحرام شریف کے اندر تھا لہذا مسجد کے اندر اذان دینا بلا کراہت جائز ہی نہیں بلکہ سنت ابراہیمی ہے۔

انبٹھی صاحب۔ اولاً حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مقام ابراہیم ملصق بجدار کعبہ ہونیسے یہ کیونکر لازم آیا کہ وہ عہد ابراہیمی صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہ میں وقت اعلان حج بھی اسی جگہ تھا۔

ثانیاً:۔ تاریخ قبطی سے اس پر استناد کیونکر صحیح ہوا اسکے کون سے لفظ سے اسطرف اشارہ ہو سکتا ہے کیا رفع تعمیر کے لئے مقام کا وہاں لیجانا اس پر دلالت کرتا ہے؟

ہاں استناد تو جب صحیح تھا جبکہ اس تاریخ میں قرب لہ المقام کے بعد یہ بھی ہوتا کہ

حیبسے وہ ابتک وہیں رہا اور عہد ابراہیمی میں وہاں سے نہ ہٹایا گیا۔ وقت اعلان متصل بنائے کعبہ رکھا تھا۔ کیا تاریخ قبطی میں کہیں اسکی تصریح ہے۔

ثالثاً۔ اگر یہ مان بھی لیں تو وہ شریعت ابراہیمی تھی اسمیں اذان فی المسجد جائز ہو مگر شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ میں مکروہ تحریمی ہے کیا شرائع من قبلنا ہم پر حجت ہو سکتی ہے۔

رابعاً۔ روایت قیام ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے اخذ فرمایا کرتے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اسکی مخالف روایت صحیحہ موجود ہے اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بنی اسرائیل سے اخذ روایت نہ فرمایا کرتے تھے تو یہ یقیناً حضور پر نور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے مسموع ہوا دیکھو قال علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما فرغ ابراہیم من بنائه بعث اللہ جبرئیل فحج به حتی اذا رای عرفة قال قد عرفت وکان اتاها قبل ذلك مرة فلذلك سميت عرفة حتی اذا کان رمی الجمار قال اعل علی ثبیر فعلاه فنادی یا عباد اللہ اجیبوا اللہ اطیعوا اللہ فسمع دعوته من بین الابحر السبع مولیٰ مشکلکشا نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بنائے کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو مبعوث فرمایا انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیساتھ حج کیا یہانتک کہ جب عرفہ دیکھا تو فرمایا میں نے پہچانا اور وہ اس سے پہلے ایک دفعہ عرفہ میں تشریف لائے تھے اور اسی لئے عرفہ کا نام عرفہ رکھا گیا۔ جب قربانی کا دن آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شیطان آیا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ اسے کنکریاں ماریئے حضرت خلیل علیہ السلام نے سات کنکریاں ماریں پھر دوسرے تیسرے روز بھی یہی ہوا اسی لئے رمی جمار ہوئی اسکے بعد جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی اس پہاڑ ثبیرہ پر تشریف لیجائیں حضرت خلیل علیہ الصلاۃ والسلام اس پر تشریف لے گئے اور ندا فرمائی کہ اے اللہ کے بندو اللہ کی دعوت قبول کرو اور اسکی بندگی بجالاؤ اس ندا کو سات سمندر پہنچ

سب نے سنا روی عبد الرزاق وغیرہ عن معمر قال قال ابن المسیب قال علی بن ابی طالب لما فرغ ابراھیم من بنائہ الخ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزدلفہ کے پہاڑ ثبیرہ پر اعلان حج فرمایا۔

خامساً۔ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف روایتیں مروی ہیں کسی میں ہے کہ مقام پر اعلان حج فرمایا کسی میں ہے کہ جبل ابوقبیس پر بعض روایات میں صفا پر تو ایک روایت معتبرہ صحیحہ مرویہ عن الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہوتے چند آثار مختلفہ مضطربہ سے ایک اثر لیکر اس سے استدلال کسی عاقل کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلان حج مسجد الحرام شریف کے باہر مقام ابراہیم پر پکارا گیا ازرقی نے اس روایت کی تخریج ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے کہ عبد اللہ ابن سلام سے میں نے پوچھا اس نشان سے جو مقام میں ہے انھوں نے کہا کہ جب امر فرمایا اللہ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ اعلان کریں حج کا لوگوں میں تو وہ کھڑے ہوئے مقام پر پھر جب فارغ ہوئے تو انھوں نے حکم کیا متعلق مقام ہیں وہ رکھدیا گیا جانب قبلہ تو اسکی جانب نماز پڑھتے تھے سامنے دروازہ

قولہ دلیل دوم وسوم۔ حاصل ان دونوں دلیلوں کا یہ ہے کہ مساجد محل ذکر اللہ اور عبادات کیجگہ ہیں عام اس سے کہ اذان ہو یا نماز پس اذان مساجد میں مکروہ نہوگی۔ دوسری دلیل کے تحت تین آیات قرآنیہ لکھیں اور تیسری دلیل میں ایک حدیث باختلاف روایت دو کتابوں سے تحریر کی جن سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ مساجد محل ذکر اللہ ہیں یہ کہیں بھی نہیں کہ مساجد محل اذان ہیں اور نہ ان آیات میں کوئی ایسا لفظ ہے جسکے یہ معنی یا مطلب ہو کہ اذان خالص ذکر الٰہی ہے پس انبٹھی صاحب کا اذان کو مسجد میں جائز ٹھہرانا قرآن عظیم پر افترا ہے مساجد بیشک محل ذکر اللہ ہیں مگر جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں اذان ہرگز خالص ذکر الٰہی نہیں۔ بنایہ امام عینی میں ہے فان قلت الاذان ذکر فکیف تقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشیٔ غیرہ قلت ھو لیس بذکر خالص علی

مالا یخفی وانما المطلق اسم الذکر علیہ باعتبار الاکثر الغالطہ ذکرہا ایسی ہی اکثر کتب فقہ معتمدہ مضمرہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے اذان کی ممانعت مسجد میں ممانعت رفع صوت بالذکر فی المسجد ہے نہ منع الذکر کیا جس شخص نے ایک وقت ایک جگہ ایک جلسہ میں چند اشخاص کو قرآن عظیم بالجہر پڑھنے کو منع کیا وہ مانع عن ذکر اللہ اور ان وعیدوں کا مستحق ہے کیا اسکا یہ فعل منع الذکر ٹھہریگا کیا منع قرأت بالجہر منع سے منع قرات ہوگا۔

مصرعہ:۔ بریں عقل و دانش بباید گریست

قولہ دلیل چہارم اس دلیل کے تحت جو عبارت غنیہ شرح منیہ کی پیش کیگئی ہے وہ خود انبیٹھی صاحب کا الٹا رد کر رہی ہے فما کان فیہ نوع عبادۃ ولیس فیہ اھانۃ ولا تلویث لا یکرہ والا کرہ کا ترجمہ انبیٹھی صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ پس جس فعل میں کسی نوع کی عبادت ہو اور اس میں مسجد کی اہانت اور تلویث نہ ہو تو وہ فعل مکروہ نہوگا ورنہ مکروہ ہوگا چونکہ عرف میں دربار کے اندر حاضری پکارنا دربار کی بے ادبی ہے پس اس امر امتہان کے عارض ہونیکی وجہ سے غنیہ کی اس عبارت سے اذان کی مسجد میں ممانعت صاف ظاہر ہے کہ اذان میں رفع صوت ضروری اور مسجد میں رفع صوت مکروہ ہے بلکہ رفع صوت بالذکر الخالص بھی مسجد میں مکروہ ہے کما فی الدر المختار ورد المحتار والاشباہ وغیرھا من معتمدات الاسفار اور اذان تو ذکر خالص بھی نہیں کما صرح بہ الامام العینی فی البنایۃ شرح الھدایۃ تو اوسمیں رفع صوت بدرجہ اولی مکروہ ٹھہرا۔

انبیٹھی صاحب نے جو کچھ رفع صوت کے متعلق لکھا وہ غلط اور مضر مدعا ہے رفع صوت کی دو حالتیں بتائیں اور ماتحت شقوں پر نظر نکی ہم سے سنئے رفع صوت یا بذکر یا ایسے کلمات سے جو ذکر خالص نہیں یہ تین صورتیں ہیں پہلی کی دو صورتیں ہیں یا اس ذکر میں رفع صوت محمود مطلوب شرع ہے یا نہیں اگر ہے تو حسب ضرورت رفع کیا جائیگا ضرورت سے زیادہ رفع کرنا مکروہ ہوگا جیساکہ عبارت درمختار منقولہ انبیٹھی صاحب ما تعارفہ فی زماننا فلا یبعد انہ مفسد اذا الصیاح ملحق بالکلام سے ظاہر اور مستفاد ہے

عقل بھی یہی ہے اور اگر نہیں تو رفع صوت کا ممنوع و مکروہ ہونا ظاہر دوسری کا بھی ناجائز و ممنوع ہونا خود روشن تیسری بعض وہ جو خالص نہیں اسکا بھی مسجد میں رفع جائز نہیں بلکہ جہاں رفع صوت مطلوب شرعی ہے وہاں بھی ضرورت سے زائد مکروہ ہے تو وہ ذکر جسکی صورت ذکر ہے اور حقیقت شرعاً و عرفاً ہر طرح اعلام ہے ہرگز ذکر خالص نہیں اسکا مسجد میں بلند آواز سے ہونا کیونکر مکروہ نہوگا۔ ہر شخص جسکے سر میں دماغ اور دماغ میں ذرا سی عقل جسکے منہ پر آنکھ اور کان ہیں وہ سمجھتا دیکھتا سنتا ہے کہ اذان درحقیقت اعلام ہے۔ شرع میں اسے اعلام فرمایا۔ عرف اسے اعلام جانتا ہے ہرگز ذکر خالص نہیں ملتا تو اسکا مسجد یعنی موضع صلاۃ جسکی بنا ذکر خالص اللہ عزوجل کیلئے ہے اسمیں ہونا اور بلند آواز سے ہونا کیوں مکروہ نہوگا۔ فقہا کی تصریحات موجود اور حدیث سے محل اذان کا پتہ معلوم و مشہور۔ عرف میں اعلام کا بلند جگہ اور دربار سے باہر ہونا ہی معروف اور حاضری کا برسر دربار پکارنا عرفاً سخت قابل سرزنش اور نہایت معیوب تو فقہ و حدیث و عرف سب کو پس پشت ڈالنا اور وہ عبارتیں جو خود اپنے مدعا کا رد کر رہی ہیں نقل کرلانا اور یہ کہدینا کہ اذان کا مسجد میں یعنی اوس جگہ جو نماز کے لئے موضوع ہے ہونا جائز ہے اور اذان کا جو ذکر خالص نہیں اذکار خالصہ خطبہ و قراءت وغیرہ پر قیاس کرنا جیسا کچھ ہے ہر عقلمند پر ظاہر ہے اقامت اعلام حاضرین کے لئے ہے اور اذان اعلام غائبین کے لئے۔ اعلام حاضرین برسر دربار ہی ہوتا ہے وہ دربار سے باہر نکلکر اگر کوئی کرے تو احمق سمجھا جائے اور اذان اعلام غائبین ہے یعنی حاضری پکارنا اگر ایسا اعلام خود دربار میں کوئی کھڑے ہو کر کرے مجرم سمجھا جائے الفاظ ایک سے دیکھکر اگر کوئی اس اعلام کو جو دربار سے باہر کرنیکا تھا اس اس اعلام کی طرح جو دربار کے اندر کرنیکا ہے دربار کے اندر اسے کرے یا اسکا کرنا جائز جانے ہر سمجھ والے کے نزدیک مجرم و بدتمیز ٹھہریگا انبیٹھی صاحب کیا کسی حدیث یا معتمد کتاب فقہ سے یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ اذان ثانی جمعہ اعلام غائبین کے لئے نہیں بلکہ اعلام حاضرین کے لئے ہے اور عجب کہ حاضرین کے لئے اعلام پر اعلام کی حاجت ہو اور غائبین کے لئے صرف ایک اعلام کافی ہو۔ للہ الانصاف۔ حضرت سیدنا عثمن غنی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اعلام غائبین کے لئے اس اذان جمعہ سے پہلے ایک اذان اور زائد فرمائی حضرت کا مدعا اس سے یہ تھا کہ ایک اعلام لوگوں کی کثرت کی بنا پر شاید کافی نہ ہو تو اس لئے ایک اذان زوراء پر اور زائد فرمائی کہ زوراء کے قریب کے لوگ اس اذان سے اطلاع پائیں اور مسجد شریف کے لوگ اس اذان سے جو وقت خطبہ عہد سرکار رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ سے ہی اعلام غائبین کے لئے تھی سو چو تو یہی کہ اذان خطبہ عہد پاک میں غائبین کے لئے رہے حضرت عثمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُسے اعلام غائبین ہی جانیں اُسے اسکے محل پر رکھیں پھر وہ کون ایسا ہے جو اذان خطبہ کی حقیقت باطل کر کے جس لئے وہ شرعاً موضوع تھی اس سے بر کراں کر کے اسے ایک دوسری حقیقت پہنادے۔

انبیٹھی صاحب کا یہ لکھنا کہ اگر رفع صوت بالاذان کو مکروہ اور بے ادبی مسجد کی قرار دیجائیگی تو سب سے پہلے یہ بے ادبی حضرت خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ وسلام کر چکے ہیں الخ سرتا پا غلط ہے انبیٹھی صاحب کو معلوم نہیں کہ شرائع من قبلنا ہم پر حجت نہیں علاوہ اسکے اسکا کیا ثبوت ہے کہ وہ پتھر وقت اعلان حج عہد نورانیت مہد حضرت خلیل جلیل علیہ الصلاۃ والسلام میں مسجد الحرام کے اندر تھا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مسجد الحرام کے اندر تھا تو اسکا کیا ثبوت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقام ہی پہ اذان دی اسکے متعلق ہم کافی بحث دلیل اول میں کر چکے ہیں اور کہے دیتے ہیں کہ قیامت تک اسکا ثبوت کوئی نہ لا سکیگا۔

انبیٹھی صاحب کا یہ لکھنا کہ پھر بلال بھی یہ بے ادبی کرتے رہے کوئی تعجب خیز بات نہیں جبکہ بلا ثبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جبرئیل علیہ السلام کو معاذ اللہ بے ادب بتایا گیا تو حضرت بلال اب کس گنتی میں ہیں۔ انبیٹھی صاحب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام و جبرئیل علیہ السلام کو بے ادب ٹھہرانے سے قبل جس طرح یہ ثابت کرنا لازمی تھا کہ اعلان حج یقیناً اس پتھر پر پکارا گیا اور جبوقت اعلان پکارا گیا تھا اسوقت وہ پتھر مسجد الحرام کے اندر تھا اسیطرح حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے ادب لکھنے سے قبل یہ ثابت کرنا تھا کہ حضور پر نور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں یہ

اذان فی جوف المسجد ہوئی۔
قولہ دلیل پنجم ۔صفحہ ۹ پر اس دلیل کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ اذان خطبہ مثل اقامت ہے یہ سب کو مسلم ہے کہ زمانہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صرف ایک ہی اذان تھی اور وہ اذان خطبہ تھی جواب اذان ثانی جمعہ کے نام سے مشہور ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ اقدس میں اعلام غائبین کیواسطے یہی اذان خطبہ تھی کیونکہ اگر اس اذان خطبہ کو اعلام حاضرین کیواسطے مثل اقامت مانا جائیگا جیسا کہ ابنشعی صاحب نے لکھا ہے تو یہ ماننا پڑیگا کہ جمعہ کیدن جمعہ کی نماز کیواسطے زمانہ اقدس میں اعلام غائبین مفقود تھا اور یہ نہ مانیگا مگر وہ جسکو حدیث وفقہ پہ نظر نہیں۔ ہم ہدایہ وکافی وتبیین وعنایہ وبحر و درمختار وغیرہا کے حوالہ سے پہلے ہی ثابت کر چکے کہ جمعہ کی اذان ثانی بھی غائبین کی اطلاع کو ہے لہذا خطبہ کیوقت دوبارہ کہنا مفید ہے کہ شاید پہلی اذان بعض غائبین نے نہ سنی ہو تو اب سن لینگے۔ پس کتب فقہ کی اس صراحت کے ہوتے ہوئے مولوی عبدالحی صاحب کی سعایہ شرح شرح وقایہ کا دامن پکڑنا اور اذان خطبہ کو اعلام حاضرین کیواسطے مثل اقامت بتانا بالکل بے سود ہے۔ کیا ابنشعی صاحب نے فتوائے مبارکہ بریلی میں نہ دیکھا کہ یہی مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۲۰۸ میں اذان خطبہ کو مسجد کے باہر ہونا ہی سنت کہتے ہیں۔
مسلمانو! یہ کونسا انصاف ہے کہ ابنشعی صاحب نے مولوی عبدالحی صاحب سے اذان خطبہ کا اعلام حاضرین ہونا تو نقل کیا مگر انکا دوسرا قول جو اذان خطبہ کو مسجد کے باہر ہونا ہی سنت بتاتا ہے چھوڑ دیا کیا مولوی عبدالحی صاحب کے کالاقامۃ لکھنے سے اذان خطبہ کا داخل مسجد ہونا معلوم ہوا کاف تشبیہ دیکھکر یہ مضمون سمجھ میں آگیا کیا کوئی شخص زید کالاسد کہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ زید ہاتھ پاؤں ناک کان تمام خصائل وعادات واوضاع واطوار میں شیر کی مثل ہے؟
صفحہ ۱۰ تا ۱۲ میں ابنشعی صاحب نے کانپوری تحریر کے اعتراضات کا اعادہ کرتے ہوئے بین یدیہ اور عند کی بحث کو چھیڑا ہے اور ان الفاظ کے یہ معنی ومطلب نکالے ہیں۔ کہ

اذان خطبہ مسجد کے اندر خطیب سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو جیسا کہ رواج ہو گیا ہے اور اسی کو امر متوارث بتایا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ اذان خطبہ کا خطیب کے سامنے یا منبر کے سامنے یا امام و منبر کے قریب ہونا امر متوارث ہے۔ وقایۃ اھل السنۃ کے صفحہ ۴۳ تا ۵۰ میں اسکے متعلق کافی بحث موجود ہے اور اسمیں آیات قرآنیہ۔ کلمات علما تصریحات فقہا محاورات عرب سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ بین یدیہ اور عندکچھ اتصال ہی سے خاص نہیں انکا مفاد محاذات و حضور ہے متصل ہو یا منفصل و لہذا قریب و بعید دونوں میں استعمال ہوتا ہے پس بین یدی الخطیب و عند المنبر کے صرف یہ معنی ہوئے کہ خطیب کے محاذی یا منبر کے محاذی ہو ان الفاظ سے متصلاً بالخطیب سمجھ لینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ سنن ابوداود شریف کی حدیث میں علی باب المسجد موجود ہے جو صریح ایسے معنی سمجھنے کا رد ہے۔ بین یدیہ اور عند کی بحث کیواسطے وقایۃ اہل السنۃ کے علاوہ نفی العار۔ سلامۃ اللہ لاہل السنۃ۔ مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ۔ سد الفرار۔ مقتل کذب و کید۔ مقتل اکذب اجہل رسائل بھی ملاحظہ ہوں۔ انہیں توارث کے متعلق بھی مخالفین کے اوہام باطلہ کا کافی ازالہ ہے ان عبارتوں میں بین یدی الخطیب و عند المنبر وغیرہ ہرگز ہرگز محل اذان کو بیان نہیں کرتے بلکہ مؤذن کی سمت معین کرتے ہیں کہ خطیب کے سامنے یعنی محاذ میں منبر کے مقابل ہو دہنے بائیں پیچھے نہو لیس انبیٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ فقہائے جو اذان جمعہ ثانی کے محل کو بیان کیا ہے سے آخر بحث تک بالکل غلط اور فقہائے کرام پر افترا ہے۔"

صفحہ ۹ و ۱۰ پر جتنی بھی عبارتیں ہیں انمیں سے کسی میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں جسکا یہ ترجمہ یا مطلب ہو کہ اذان مسجد کے اندر دیجائے۔ فی جوف المسجد در کنار فی المسجد تک نہیں لیس انبیٹھی صاحب کا یہ لکھنا کہ میرے نزدیک کوئی عاقل منصف ان تعبیرات کے مدلولات کو دیکھکر اسمیں ہرگز بھی تردد نہیں کر سکتا کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ہونا چاہیئے محض بے بنیاد ہے۔ ہر وہ شخص جسکے دو آنکھیں ہیں اگر ایمان و عقل سے کچھ بھی واسطہ رکھتا ہے ان عبارتوں کو پڑھکر فوراً پکار اٹھے گا کہ انمیں

بین یدیہ اور عندہ ہے جسکے معنی امام ومنبر کے مقابل وحضور ہیں انہیں فی جوف المسجد نہیں جسکے یہ معنی ہوں کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ہونا چاہئے آیندہ ہم ہر ایک عبارت پر علیحدہ علیحدہ بحث کرینگے۔ اچھا انبٹھی صاحب یہ تو بتلایئے کہ ان عبارتوں میں مسجد کے اندر کون سے لفظ کا ترجمہ ہے یا کون سے لفظ کی مراد یا مطلب ہے بین یدیہ اور عندہ کے معنی مسجد کے اندر کونسی لغت میں لکھے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں ہے اور یقیناً ان عبارتوں میں کوئی بھی لفظ ایسا نہیں ہے جسکے معنی مسجد کے اندر ہوں تو بیشک اس قسم کے غلط معنی ومراد بتانیسے اتباع شرع ورضاء حق حاصل نہیں ہوسکتی جو مسلمان کا مقصود ومطلوب ہے۔

اہل حق نے بین یدیہ اور عندہ کا مفاد یعنی محاذات وحضور آیات قرآنیہ ومحاورات عرب وکلمات علما وتصریحات فقہا سے بتایا اسکو انبٹھی صاحب نے صفحہ ۱ پر اہل حق کا ان الفاظ کی تاویلات بعیدہ کرنا ان کے ظاہری معنی اور مدلول سے بلا دلیل پھیرنا ٹھہرایا مگر یہ سب کچھ بلا دلیل اور جب حافظہ نباشد کی ٹھہری تو آپ ہی ہمارے بیان کردہ مفاد کو اپنی اس تحریر کے صفحہ ۲۹ پر خود تسلیم کیا کہ امام سے قرب وبعد کو کراہت میں دخل نہیں اور اس سے پہلے کہا کہ دہلی اور سہارنپور کی جوامع میں اکثر جگہ اذان خطبہ منبر سے بیس ذراع سے زائد ہی فاصلہ پر ہوتی ہے گویا انبٹھی صاحب کو خود تسلیم ہے کہ اذان خطبہ کا بیس بلکہ اس سے زائد ذراع کے فاصلہ پر ہونا جائز ہے امام سے قرب وبعد کو کراہت میں کوئی دخل نہیں۔

مسلمانو! ایمان لگتی کہنا ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ بین یدیہ اور عندہ سے یہ مراد کہ اذان خطبہ منبر سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو جیسا کہ رواج ہو گیا ہے اور جسکو امر توارث بتلایا جاتا ہے محض غلط ہے۔ منبر سے متصل ہو یا منفصل بین یدیہ اور عندہ دونوں پر صادق آتا ہے کہ ان کا مفاد محاذات وحضور ہے نہ قرب وبعد۔ مگر چونکہ فضلائے کرام نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ بتایا ہے اور ہم یہ بھی ظاہر کر آئے کہ مسجد کے اندر اذان دینا دربار الٰہی کی بے ادبی ہے اور سنن ابوداؤد شریف کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اذان خطبہ

دروازہ مسجد پر ہوتی تھی پس اذان خطبہ فنائے مسجد میں خطیب کے محاذی ہو خواہ دروازہ ہو یا کوئی اور جگہ۔ اب ہماری اس روشن تقریر کو پڑھکر ہر منصف اس نتیجہ پر پہنچیگا کہ بین یدیہ اور عند کے جو معنی اہل حق نے بیان کئے ہیں وہ بالکل صحیح و درست ہیں اور انبیٹھی صاحب نے ان الفاظ کا ترجمہ منبر کے نزدیک یا امام و منبر کے قریب جو کیا ہے کہ صرف ہاتھ یا دو ہاتھ کا فاصلہ ہو وہ خود انبیٹھی صاحب کی صفحہ ۲۹ والی عبارت سے باطل ہوتا ہے صفحہ ۲۹ پر تو وہ وسعت مانی کہ اگر امام و خطیب سے اذان خطبہ بیس بلکہ اس سے زائد ذراع کے فاصلہ پر ہو تب بھی بین یدیہ اور عند کے منافی نہیں اور یہاں یہ تنگ نظری دکھائی کہ بین یدیہ اور عند کے معنی امام و منبر سے ایسا قریب کہ صرف ہاتھ یا دو ہاتھ کا فاصلہ ہو نہ سمجھنا اتباع شرع و رضاء حق سے دور ہونا ہے لبغرض باطل اگر بین یدیہ اور عند کے معنی یہی مان لیں کہ منبر سے صرف ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر اذان ہو ورنہ اتباع شرع و رضاء حق رخصت ہو جو مسلمان کا مقصود و مطلوب ہے تو انبیٹھی صاحب خود صفحہ ۲۹ پر امام سے بیس بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر اذان خطبہ کا ہونا جائز بتا کر اپنے منہ اتباع شرع و رضاء حق سے دور جا پڑے ؎

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا ۔۔۔ وہ الزام ہمکو دیتے تھے قصور انکا نکل آیا

انبیٹھی صاحب نے سات عبارتیں اس امر کے ثبوت میں پیش ... کی ... ہیں کہ محل اذان خطبہ منبر سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہے جیسا کہ اس زمانہ میں رواج ہو گیا ہے ہر ذی العقل جو تھوڑی سی بھی عربی جانتا ہو خود بتا سکتا ہے کہ پہلی اور دوسری اور ساتویں عبارت میں بین یدیہ آیا ہے جسکی تشریح ہم اوپر کر چکے کہ امام کے محاذات میں اذان خطبہ ہو۔ اب رہا یہ امر کہ موضع صلوات میں ہو یا فنائے مسجد میں ہو سو فقہائے کرام کے ارشادات اوپر گذرے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے پس محل اذان خطبہ وہ جگہ ہوئی جو فنائے مسجد میں امام و منبر کے محاذی ہو خواہ وہ دروازہ ہو یا سارہ یا خالی زمین اب جو لوگ امام سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلے پر موضع صلاۃ میں خطیب کے سامنے اذان خطبہ کہتے ہیں وہ ..... بین یدیہ کی تعمیل تو کرتے ہیں مگر لا یوذن فی المسجد سے عدول

حکم کرتے ہیں ہاں اگر اذان خطبہ فنائے مسجد میں خطیب کے مقابل دیجائے تو بین یدیہ اور لا یوذن فی المسجد دونوں کی تعمیل ہوجائیگی مقام غور ہے کہ جب انبیٹھی صاحب کو یہ تسلیم ہے کہ اذان خطبہ امام سے نہیں بلکہ اس سے زائد ذراع کے فاصلہ پر ہو تو کچھ حرج نہیں اور فنائے مسجد میں اذان کے مکروہ ہونیکا کوئی ثبوت نہیں تو دروازہ مسجد پر یا فنائے مسجد میں کسی اور جگہ علمائے اہلسنت کے ارشاد کے مطابق خطیب کے مقابل جو شخص اذان خطبہ پکارے وہ علمائے اہلسنت اور انبیٹھی صاحب دونوں کے نزدیک شرع مطہرہ کی پابندی کر رہا ہے برخلاف اسکے اگر وہ موضع صلاۃ یعنی عین مسجد میں اذان خطبہ پکارے تو علمائے اہل سنت کے نزدیک لا یؤذن فی المسجد کی خلاف ورزی کرنیکی بناپر شریعت کے حکم کے خلاف عمل کرتا ہے تو اب ہر صاحب عقل یہی کہیگا کہ اذان خطبہ فنائے مسجد میں خطیب کے محاذات میں دیجائے کہ یہ دونوں فریق کے نزدیک مکروہ نہیں بلکہ ایک فریق کی تحقیق کے بموجب یہی سنت ہے۔

چوتھی اور پانچویں اور چھٹی عبارت میں عند ہے اور اسکا مفاد بھی محاذات اور حضور ہے اور یہ خود انبیٹھی صاحب کو بھی تسلیم ہے جیساکہ اوپر بیان ہوچکا پس ان عبارات میں سے کسی عبارت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ہو یا امام سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو یا تیسری عبارت میں علی ہے اولاً خبابا علی بمعنی عند تو مجاز ہے اور بمعنی لزوم حقیقت ہے اصول امام شمس الائمہ پھر کشف امام بخاری میں ہے اما علی فلا لزام باعتبار اصل الوضع تحریر امام ابن الہمام و تقریر امام ابن امیر الحاج میں ہے وھو ای اللزوم ھو المعنی الحقیقی رضی شرح کافیہ میں ہے منہ مسح علی اسم اللہ تعالی ای لزمہ اللہ عزوجل فرماتا ہے فجاءتہ احدٰھما تمشی علی استحیاء ای ملازمۃ للحیاء اور شک نہیں کہ یہ اذان اگرچہ باہر ہے ہمیشہ لازم و ملازم منبر ہے تو علی اپنے معنی حقیقی پر ہے ثانیاً کیا علی بمعنی مصاحبت نہیں القان شریف میں ہے علی حرف جر لہ معان ثانیھا المصاحبۃ کمع نحو واٰتی المال علی حبہ ای مع حبہ و ان ربک لذو مغفرۃ للناس علی ظلمھم حدیث میں ہے زکاۃ الفطر علی کل حر و عبد نہایہ میں ہے

قیل علی انما بمعنی مع لان العبد لا تجب علیه الفطرۃ وانما تجب علی سیدہ
قاموس میں ہے والمصاحبۃ کمع واتی المال علی حبہ حجل علی الجلا لئین میں زیر
قولہ تعالی وتمشی علی استحیاء ہے۔ علی بمعنی مع ای مع استحیاء کیا اس اذان اور
منبر کا ساتھ نہیں کیا دونوں کا وقت ایک نہیں۔ ثالثاً اللہ عزوجل فرماتا ہے واتبعوا
ماتتلوا الشیطین علی ملک سلیمن القان وفتوحات میں ہے۔ ای فی زمن ملکہ
مدارک شریف میں ہے ای علی عہد ملکہ وفی زمانہ تو یوہین علی المنبر یعنی بوقت منبر
کیا ممکن نہیں۔ بفرض باطل علی المنبر کا ترجمہ وہی مان لیا جائے جو امیٹھی صاحب نے لکھا
ہے کہ منبر پر تو کیا اذان خطیب کی چھاتی سے چھاتی ملا کر ہی جائے علاوہ اسکے علی
المنبر سے مراد عند المنبر لیجائے جب بھی ہمارے کیا مضر ہے یہ عند المنبر صرف پتہ ہے
اور ائمہ کا ارشاد لا یؤذن فی المسجد صریح حکم ہے اعتبار۔ حکم کا ہے نہ پتہ کا شرح صحیح
مسلم پھر علامہ طاہر نے مجمع بحار الانوار میں فرمایا۔ ان العلامۃ تکون بحرام وبمباح پتہ
جائز وناجائز دونوں طرح کی باتوں سے دیا جاتا ہے کسی مجمع میں اگر بادشاہ وامراجمع
ہوں اور کوئی ناواقف کسی عالم سے پوچھے انہیں بادشاہ کون ہے جسکی اطاعت فرض
ہے عالم فرمائے وہ جسکے سر پر سونے کا تاج ہے تو کیا وہ حکم کر رہا ہے کہ اسے سونا پہننا
جائز ہے علماء حکم بتا چکے کہ مسجد میں اذان ممنوع ہے پھر بھی پتہ کچھ ہو۔
ساتویں عبارت نے تو خود بین یدیہ کی تصریح کر دی کہ یدین سے مراد دو جہت مقابل
ہیں کہ دونوں بازوؤں کی سمت پر ہیں اور چونکہ یہ دونوں جہتیں جو بازوؤں کی سمت پر
چلی گئیں ہیں عرش بریں کے منتہی تک محدود نہیں اسلئے قریبا منہ سے قید قرب لگائی
گئی یعنی بتایا گیا کہ بین یدیہ قریب وبعید دونوں کا محتمل تھا تو قریباً نہ سے اسکی تفسیر کرنی
پڑی پھر قرب خود وسعت وسیع رکھتا ہے جہانتک نظر پہنچے سب قریب ہے کہ قرب
شرط عادی ابصار ہے کیا قریب کے معنی متصل کے ہیں کیا قرب امر اضافی نہیں کیا ہر
عام عرف ہذا قرب نہیں کیا رب العزت نے خود قیامت کو قریب فرمایا اقترب الساعۃ
وانشق القمر بلکہ حساب وکتاب قیامت کو قریب فرمایا اقترب للناس حسابھم وہ

معاذ اللہ غلط ہے جب بحکم تصریحات فقہائے کرام معتمدین مذہب مسجد میں اذان ممنوع ہے اور حدود مسجد سے خارج اذان عقلاً بھی ممنوع تو ثابت ہوا کہ قریباً منہ کے یہ معنی ہیں کہ اذان مسجد میں نہ دیجائے مگر خارج مسجد یہاں بین یدیہ اور عند اور قریب سب اسی قرب پر دلالت کر رہے ہیں جو شرعاً و عرفاً حق موذن ہے یعنی لب محن مسجد جامع الرموز کی اس عبارت کے متعلق اگر تفصیل دیکھنا ہے تو امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسالہ الشمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر ملاحظہ ہو یہ رسالہ مبارکہ عربی زبان میں ہے جسپر سترہ علمائے مکہ معظمہ کی تصدیق ہے کہ اذان خطبہ فنائے مسجد میں ہونا چاہئے۔ مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ قاضی القضاۃ حضرت مولینا عبد اللہ سراج اس رسالہ کی تصدیق میں فرماتے ہیں کہ باطل ہے تمسک مخالفین کا فعل اہل مسجد حرام سے بوجہ غفلت کے انکے حقیقت حال کے اور نسبت ارتکاب مکابرہ اور جدال کے ....کیونکہ موذن مسجد حرام میں اذان خطبہ دیتا ہے چاہ زمزم پر کنارہ مطاف کے سامنے امام کے اور ایسے ہی مسجد نبوی میں اذان ہوتی ہے دکہ مخصوصہ پر اور وہ کہ منبر پر جواب دیتا ہے کلمہ کلمہ کا واسطے ادائے سنت اجابت کے اور ان دونوں پر صادق نہیں آتا مسجد بمعنی اول جو کہ محل خلاف ہے تو انکے لئے کوئی حجت نہیں ہے۔ اھ

مسلمانو۔ دیکھو کیسا کیسا صاف فرماتے ہیں کہ جو لوگ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کی اذان سے دلیل پکڑتے ہیں وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں کیونکہ ان دونوں جگہ اذان خطبہ کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہوتی ہے۔

انبیٹھی صاحب کا یہ فرمانا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ایک زمانہ دراز اور صدہا سال سے قرناً بعد قرن شرقاً غرباً تمام بلاد اسلامیہ میں ہو رہی ہے سرتاپا غلط ہے پہلے تو آپ یہ بتلائیے کہ کیا آپ تمام بلاد اسلامیہ میں چکر لگا آئے ہیں یا یہ کہ آپ نے سہارنپور ہی کو تمام بلاد اسلامیہ خیال فرما رکھا ہے غالباً اگر آپ مالکیہ کے مذہب سے باخبر ہوتے تو کبھی یہ نہ فرماتے کہ انکے نزدیک اذان خطبہ کا خطیب کے مواجہ میں ہونا ہی بدعت و خلاف سنت ہے انکی کتب مذہب ان تصریحات سے گونج رہی ہیں کہ اذان خطبہ کا بھی

منارہ ہونا سنت ہے ملک مغرب میں کہ اکثر سکان اسی جناب رفیع کے مقلد ہیں آج تک اذان خطبہ بیرون مسجد منارہ پر ہوتی ہے۔ علامہ اسکندری مالکی پھر علامہ یوسف سفطی مالکی حاشیہ جواہر زکیہ شرح مقدمۂ عشماویہ صفحہ ۱۰۰ میں فرماتے ہیں الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیہ اھل المغرب الی الآن وفعلہ بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ البرزلی وقد نھی عنہ مالک اذان ثانی زمانہ سلف میں منارہ پر تھی اور اہل مغرب آجتک اسی روش پر ہیں اور اسکا امام کے سامنے کہنا مکروہ ہے جیساکہ امام برزلی نے تصریح کی اور بے شک امام مالک نے اسکی ممانعت فرمائی۔ انبیٹھی صاحب کہیئے اب تو آپکو معلوم ہوا کہ تمام بلاد اسلامیہ میں اذان خطبہ مسجد کے اندر نہیں ہوتی ہے تمام بلاد اسلامیہ میں گھوم آنا تو بڑی بات ہو اگر آپ ہندوستان ہی میں دورہ فرماتے تو آپ کو معلوم ہوجاتا کہ حنفیوں کی سیکڑوں مساجد میں یہ اذان خطبہ دروازۂ مسجد پر بیرون مسجد ہوتی ہے آپ کا یہ فرمانا بھی کہ فقہاء علماء جائز سمجھتے چلے آئے اسی طرح بالکل بے بنیاد ہے فقہائے کرام کے ارشادات سن چکے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے مسجد میں اذان نہ ہو پھر نہ معلوم وہ کون سے فقہاء و علماء ہیں جو مسجد کے اندر جائز سمجھتے چلے آئے ہیں۔ نیز یہ کہنا کہ اگر یہ فعل مذموم اور بدعت ہوتا تو متقدمین و متاخرین فقہاء احناف ہرگز اسپر سکوت نہ فرماتے بھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ والا مضمون ہے فقہاء کرام تو علی الاعلان لا یؤذن فی المسجد فرمائیں اور آپ ان پر سکوت فرمانیکا الزام لگائیں۔ العجب ثم العجب۔

ہاں انبیٹھی صاحب ذرا فرمائیے تو وہ عدم کراہت کی تصریح کونسی ہے جو آپ نے تحریر فرمائی ہے کہ فقہائے احناف نے بیان کراہت سے سکوت ہی نہیں فرمایا بلکہ گویا عدم کراہت کی تصریح کر دی کیا یکرہ ان یؤذن فی المسجد کے یہ معنی ہیں کہ مسجد میں اذان مکروہ نہیں۔ یا وہ معنی ہیں جو ہم بتاتے ہیں کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے اور اگر یہی معنی ہیں جو ہم بتاتے ہیں اور یقیناً یہی ہیں تو عدم کراہت کی تصریح کجا معنی؟ اور فقہائے کرام کے ارشادات لا یؤذن فی المسجد ولکراھۃ الاذان فی داخلہ اور یکرہ ان یؤذن فی المسجد

سنتے جانا اور پھر بھی عدم کراہت کی تصریح کی پکار مچائے جانا منصف کی شان سے بعید ہے ان تصریحات کو دیکھتے ہوئے فقہاء کی نسبت یہ فرمانا کہ انکی حقانیت و حق گوئی کی شان اسکو مقتضی تھی کہ تصریح فرماتے کہ اذان کا مسجد میں جو معتاد اور رائج ہو رہا ہے وہ مکروہ اور بدعت ہے روز روشن میں آفتاب کے وجود سے انکار ہے۔

مسلمانو - مجلس میلاد ہمارے دلوں کی فرحت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور سب اہلسنت کے نزدیک مستحب بلکہ سنت ہے وہابیہ اسے بدعت کہتے ہیں اور کل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار کے تحت میں داخل کرتے ہیں۔ ذرا انبیٹھی صاحب سے انھیں کے الفاظ میں کہہ تو دیکھو کہ جب قرائن میں غور کیا جائے اور خیال کیا جائے کہ یہ فعل زمانہ دراز اور صدہا سال سے قرناً بعد قرن شرقاً غرباً عجماً عرباً تمام بلاد اسلامیہ میں ہو رہا ہے اور آجتک کسی نے اس پر انکار نہیں کیا بلکہ تمام فقہا و علماء اسکو جائز و مستحسن سمجھتے ہوا آئے پس اگر یہ فعل بدعت سیئہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ فقہا اپنی تصنیفات میں ایسے مواقع کے بیان میں ایسے الفاظ نہ کہتے جن سے اس بدعت پر قدح اور اعتراض ہوتا اور اعتراض کی جگہ ایسے الفاظ بیان کرتے جس سے بدعت سیئہ کی تائید و تقویت ہوتی ان حضرات کا منصب تھا اور انکی حقانیت و حق گوئی کی شان اسکو مقتضی تھی کہ تصریح فرماتے کہ مجلس میلاد جو معتاد اور رائج ہو رہی ہے بدعت سیئہ ہے پھر تعجب ہے کہ کوئی فقیہ مجلس میلاد کی نسبت بشرطیکہ حسب زعم وہابیہ مانا جائے بیان نہیں کرتا کہ یہ فعل معتاد بدعت سیئہ ہے دیکھو ایک صلوۃ الرغائب ہوئی تھی سو اسکی نسبت فقہانے کسقدر تنبیہ فرمائی اور اسکے کرنیوالوں کی تقبیح و تذلیل کی پس ہمارا پختہ خیال ہے کہ اگر یہ فعل بھی مذموم و بدعت ہوتا تو متقدمین و متاخرین فقہائے کرام ہرگز اسپر سکوت نہ فرماتے اور اسکا بدعت ہونا علی الاعلان ظاہر فرماتے چہ جائیکہ اس مبحث میں علمانے اس فعل کے مستحب ہونیکی تصریح فرمادی اس سے صاف واضح ہوا کہ مجلس میلاد ہرگز بدعت نہیں۔

انبیٹھی صاحب آخر مابہ الفرق کیا ہے کہ مجلس شریف تو باوجود روشن ثبوت کے بدعت سیئہ بلکہ معاذ اللہ جنم کنھیا سے بدتر ہوا اور اذان خطبہ داخل مسجد بلا ثبوت سنت ہوا

کیسی ہٹ دھرمی اور بد مذہبی ہے اسی دلیل پنجم میں صفحہ ۱۶ پر تو انیصفی صاحب نے وہ بات کہی جسکو سنکر ہر شخص یہی کہیگا کہ یہ شان علم سے کوسوں بعید ہے چنانچہ فرماتے ہیں اذان اول جو حضرت عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حادث ہوئی تھی وہ زورا، یا منارہ پر ہوتی رہی ہے اور جو اذان ثانی عند الخطبہ ہوتی تھی وہ خطیب کے سامنے ہوتی تھی اب محل غور و تامل یہ امر ہے کہ ان دونوں اذانوں کا اختلاف محل کیوں ہوا؟ جب ہر ایک اذان کے لئے خارج از مسجد ہونا ضروری ہے تو جس طرح اذان اول زورا، یا منارہ پر خارج از مسجد دیگئی اسیطرح دوسری اذان بھی اسیجگہ منارہ پر خارج از مسجد دیجاتی سبحان اللہ کیا معقول بحث ہے خیابا اذان اول جو زورا، پر اضافہ کیگئی تھی وہ تو اسلیے تھی کہ زورا کے قریب قریب کے لوگ اس اذان سے اطلاع پائیں پس وہ مقام زورا، پر کہی گئی اذان خطبہ کے لئے خطیب کے محاذات و حضور میں موذن کا ہونا ہمارے نزدیک سنت ہے پھر بھلا یہ اذان زورا، یا منارہ پر کیونکر ہو سکتی تھی اور اگر ایسا کیا جاتا تو محاذات خطیب کیسے رہتا ہمارے نزدیک اذان خطبہ تو فناے مسجد میں صرف اس جگہ پر ہو سکتی ہے جہاں سے مؤذن اور خطیب کی محاذات رہے ہاں جو اسکے قائل ہیں کہ امام کے محاذ میں اذان کا ہونا خلاف سنت ہے یعنی مالکیہ تو وہ اس اذان کو بھی منارہ ہی پر مسجد کے باہر دلواتے ہیں ہمارے اور مالکیہ دونوں کے نزدیک ہر اذان عام اس سے کہ اذان خطبہ ہو یا پنجوقتہ ہو اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے خارج مسجد کے یہ معنی سمجھنا کہ حدود مسجد سے باہر شہر کے اندر کہیں پر ہو فقہ حنفی سے بے خبر ہونیکی دلیل ہے۔

دلیل ششم میں جو عبارتیں ہیں انکا صرف یہ مطلب ہے کہ جب خطیب منبر پر بیٹھ جائے تو اذان خطبہ کے محاذات میں دیجائے اور خطبہ ختم ہوتے ہی تکبیر کہی جائے اور یہی متوارث ہے اسکا کسکو انکار ہے ہم کب کہتے ہیں کہ اذان خطبہ خطیب کے دہنے بائیں یا پیچھے ہو۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ خطیب کے مقابل ہو کلام تو اسمیں ہے کہ یہ اذان خطبہ جو ہمارے اور آپکے اتفاق سے امام کے سامنے یعنی مواجہ میں ہوتی ہے آیا مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر یعنی موضع صلاۃ سے باہر سو آپکی منقولہ عبارات کو اس سے

قطعی تعلق نہیں کہ باہر ہو یا اندر۔ اس اندر باہر کی بحث کا فیصلہ تو فقہائے کرام کے ان ارشادات سے ہوتا ہے جو علی الاعلان فرما رہے ہیں کہ مسجد کے اندر اذان...... مکروہ ہے انبیٹھی صاحب بتائیں تو کہ ہدایہ یا بحر الرائق کی عبارتوں میں کون سے الفاظ ہیں جنکا ترجمہ یا مطلب یہ ہے کہ اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا امر متوارث ہے بین یدیہ کے معنے مسجد میں امام کے سامنے کس لغت میں لکھے ہیں بھلا سامنے تو بین یدیہ کا ترجمہ ہوا یہ مسجد میں کا ہے کا ترجمہ ہے بیشک اذان خطبہ کا خطیب کے سامنے ہونا امر متوارث ہے مگر امر متوارث کیا ہے اذان کا بین یدیہ الخطیب ہونا اسی کی طرف بذلک سے اشارہ نہ کہ داخل مسجد ہونا۔ وقایہ میں اسکا رد جلیل ونفیس موجود ہے مگر اس کے ایک حرف کو بھی ہاتھ نہ لگانا اور ادعائے توارث اذان داخل مسجد کر لینا اور خواہ نخواہ بھی امام عینی اور امام برہان الدین صاحب ہدایہ پہ افترا کر دینا کیا کسی عاقل کا کام ہے وقایہ میں ہے کہ دوسری اذان منبر کے سامنے پہلی اذان منارہ کے بعد ہونا یہ امیر المومنین عثمن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وقت سے آجتک چلا آتا ہے وہ صراحۃً اذان خطبہ بعد اذان منارہ ہونیکو زمانہ ذی النورین سے بتا رہے ہیں اس لیے کہ زمانہ رسالت و زمانہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما میں اذان خطبہ سے پہلے کوئی اذان بھی نہ تھی اس سے پہلے اذان امیر المومنین عثمن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے زائد فرمائی جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں تصریح ہے تو اذان خطبہ کا اذان منارہ کے بعد ہونا امیر المومنین عثمن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وقت سے ہے امام عینی تو یہ فرماتے ہیں اور انبیٹھی صاحب نے یہ ٹھہرا دیا کہ وہ منبر کے سامنے ہی اذان ہونیکو زمانہ عثمن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بتاتے ہیں۔ اور ظلم دیکھئے عینی میں اسکے متصل اس سے ملی ہوئی بالکل بلافصل یہ عبارت ہے م ولم یکن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ھذا الاذان ش ای الاذان الذی یوذن بین یدی المنبر یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فقط یہی اذان منبر کے سامنے والی تھی دیکھو وہ تو صاف فرما رہے ہیں کہ اذان خطبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کے زمانہ سے محاذی منبر ہے

اور انبھٹی صاحب یہ کہتے ہیں کہ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ منبر کے آگے اذان ہونا حضرت عثمٰن کے وقت سے ہے تو کیا یہ کھلا ہوا امام عینی پر افترا نہ ہوا۔ اور سینئے امام عینی اسکے چار ہی سطر بعد فرماتے ہیں الاذان الاصل الذی کان علی عہد النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم بین یدی المنبر اصل اذان وہ ہے کہ زمانہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں منبر کے آگے تھی اور انبھٹی صاحب کہتے ہیں کہ علامہ عینی فرماتے ہیں الخ دیکھو یہ کیسا آنکھوں میں خاک جھونکنا ہے اور دن دہاڑے آفتاب کی روشنی سے انکار ہے۔

آگے چلکر انبھٹی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ اذان ثانی عند الخطبہ اسکا مسجد میں ہونا امام کے سامنے عرباً عجماً زمانہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اگر پیچھے بھی ہوا ہو خواہ حضرت عثمٰن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں ہوا ہو یا اسکے بعد ہوا ہو یہ امر متوارث ہے جو بلا نکیر ہوتا چلا آیا ہے فضلاے متقدمین اور متاخرین میں سے کسی نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں اسپر انکار نہیں فرمایا۔

یہ ایک ہی کہی یوں ہر گناہ جائز و مباح ہوگا سواے اُن معدود چند کے جنکے نام لیکر تحریم فرمائی گئی۔ کیا کوئی تعزیہ دار تعزیہ داری کو سنت کہکر یہی تقریر پیش نہ کردیگا کہ یہ تعزیہ داری عرباً عجماً زمانہ اقدس اور خلفاے راشدین اور اہلبیت اطہار سے اگر پیچھے بھی ہو امر متوارث ہے جو بلا نکیر چلا آیا ہے کسی نے اسپر انکار نہ فرمایا اور جو ایسا فعل ہو گا بشرطیکہ کسی نص صریح کے مخالف نہ ہو متوارث ہو گا اور مکروہ و بدعت وضلالت نہ ہوگا اور اگر اس سے یہ کہا جاے کہ کل لھو ولعب حرام اسپر وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کلیہ سے ہماری تعزیہ داری مستثنیٰ ہے جیسی لا یوذن سے انبھٹی صاحب کے نزدیک اذان خطبہ کیونکہ کہیں تعزیہ داری کا نام لیکر تحریم وارد نہیں ہے اگر کل لھو ولعب حرام کے زیر حکم تعزیہ داری کو انبھٹی صاحب داخل کرینگے تو لا یوذن کے زیر حکم ہر اذان پنجوقتہ ہو یا اذان خطبہ ماننا پڑیگا وقایہ میں ہے علامہ رحمہ نے ایک جائز بات پر توارث سے استدلال کیا اور انبھٹی صاحب ایک ناجائز کو توارث سے سنت کیا چاہتے ہیں یوں تو مسجد میں دنیا کی باتوں کا رواج اس سے بہت زائد ہے جب مسئلہ شرعیہ مقرر ہو چکا

کہ اذان مسجد میں منع ہے اور سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وقت تک کے علماء
یوہیں لکھتے آئے تو مسئلہ کے خلاف رواج پکڑنا کیسا اگر رواج ہی پر جائز و ناجائز کا
مدار ہے تو منشی صاحب کے نزدیک تعزیہ داری بھی جائز ہوگی کہ ہندوستان جیسے
وسیع ملک میں کتنی مدت سے ہے اور دنیا بھر میں ہونا کچھ ضرور نہیں کہ سارے جہاں
میں اذان جوق کہاں ہے وہابیہ کی منطق بھی عجیب ہے کہ میلاد اور قیام جو تمام
دنیا میں رائج ہے مگر انکے نزدیک ناجائز اگرچہ تمام علمائے کرام اسکو محمود و مستحسن لکھتے
چلے آئے اور اذان خطبہ مسجد میں تمام فقہاء کے نزدیک ناجائز مگر وہابیہ کے نزدیک تو
توارث کی بنا پر سنت۔

اسی دلیل کے تحت ردالمحتار کی منقول عبارت خود منشی صاحب کا رد کر رہی ہے
اور بتا رہی ہے کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لئے ہے اس میں ہے کہ ہم خطیب
کے سامنے کی اذان میں بھی یہی کہینگے کہ یہ امر متوارث ہے تو اس اذان کا بھی متعدد
موذنین کا دینا مکروہ نہ ہوگا تو یہ بدعت حسنہ ہوئی ہر ذی عقل سے پوچھ دیکھئے کہ
جب اذان خطبہ اعلام حاضرین کے لئے ہے تو متعدد موذنین کی کیا حاجت متعدد
موذنین کی حاجت تو اعلام غائبین ہی کیواسطے ہو سکتی ہے پس اس عبارت سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کیواسطے ہے اور بلند آواز سے پکارنیکی
ضرورت ہے۔ نیز یہاں پر ایک اور مسئلہ حل ہوتا ہے کہ بدعت دو قسم کی ہے۔ ایک
بدعت سیئہ اور دوسری بدعت حسنہ بدعت سیئہ زیر حکم کل بدعۃ ضلالۃ و کل
ضلالۃ فی النار داخل ہے اور بدعت حسنہ کے اجر پر یہ حدیث شریف دلیل ساطع و
برہان قاطع ہے من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا
من بعدہ من غیر ان ینتقص من اجورھم شیٔ یہ اس حدیث طویل کا ایک ٹکڑا ہے
جسکو امام مسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت کیا۔ وہابیہ کے نزدیک ہر قسم
کی بدعت زیر حکم کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار داخل ہے پس اس بنا
پہ بھی ردالمحتار کی یہ عبارت وہابیہ کا رد ہے اور مسلم شریف کی حدیث مذکورہ ہر بدعت

کو منارات کیساتھ مختص کرنا کار دانشد۔ وہابیوں کا عجب فرقہ ہے یہ لوگ جو چال چلتے ہیں الٹی سب کچھ فکریں کرتے ہیں مگر سب بے سود۔

صفحہ ۳ پر علی باب المسجد کے معنی پر بھی انبٹھی صاحب نے طبع آزمائی کی ہے مگر کچھ ایسے ہوش و حواس پراں ہوئے ہیں کہ خبر بھی نہ رہی کہ آسمان کی فرمارہے ہیں یا زمین کی۔ چنانچہ علی باب المسجد کے معنی میں دو احتمال بیان کرکے دوسرے احتمال یعنی دروازہ کے اوپر اذان دیجاتی تھی کو علی باب المسجد کا مطلب بتاتے ہوئے لکھا کہ فضلاء احناف نے علی باب المسجد کے معنی فوق باب المسجد اختیار کیا ہے کہ دروازہ کے اوپر چڑھنے سے اونچی جگہ حاصل ہوجائے گی اسکا صریح مطلب یہ ہوا کہ انبٹھی صاحب کے نزدیک علی باب المسجد کے یہ معنی ہوئے کہ دروازے کے اوپر چڑھکر۔ جناب من! علی الباب کا ترجمہ تو اتنا ہے کہ دروازے پر یہ دروازے کے اوپر چڑھ کے کا ہے کا ترجمہ ہے کیا حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ صاعد فوق الباب؟ کیا جناب کو معلوم نہیں کہ علی حرف ہے اور اوپر اسم کہ ترجمہ فوق کا ہے نہ علی کا کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپکو اوپر کیلئے کے لانا پڑا کہ علامت اضافت ہے مضاف اسم ہوتا ہے یا حرف بھلا پر کا تو کے اوپر بنا یہ چڑھ کے کا ہے کا ترجمہ ہے کیا علی یوذن سے متعلق نہ تھا۔ صاعدا محذوف ماننا پڑا۔ ہاں یہ تو فرمائیے کہ سنن ابو داود شریف کی حدیث میں جو علی باب المسجد آیا ہے اسکے معنی فوق باب المسجد فقہ کی کس کتاب میں اختیار کیے گئے ہیں۔ جناب فضلاء کرام کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے کوئی معمولی سا لکھا پڑھا شخص بھی علی باب المسجد کے معنی دروازے کے اوپر چڑھ کے نہیں اختیار کرسکتا کیونکہ جب دروازہ کے اوپر چڑھ کر اذان پکارنا مانا گیا تو بین یدیہ یعنی منبر اطہر کی محاذات کب رہی کہ دروازہ مسجد اقدس کی بلندی ساحت کے گز سے سات گز تھی۔

علی باب المسجد کے جو معنی آپ اختیار کر رہے ہیں اسکی تردید تو بین یدیہ سے ہی ہوجاتی ہے کسی اور دلیل کی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی ہم نے علی کی پوری بحث اوپر لکھدی جو ایک منصف کیلئے کافی ووافی ہے اور نامنصف کیلئے دفتر کے دفتر بیکار ہیں غرضکہ یوذن علی باب المسجد کے یہی معنی ہیں کہ مسجد کے دروازے پر یعنی دروازہ کی فضا میں دروازہ کی

زمین پر اذان ہوتی تھی اور چونکہ دروازہ مسجد ہمیشہ مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہے پس ہمارا یہ دعویٰ کہ یہ اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی بالکل صحیح و درست ہے کیونکہ آنا ہی اذان خارج مسجد کو درکار ہے اور یہ حدیث شریف سے ثابت ہے بفرض باطل اگر دروازے پر چڑھکر ہی اذان خطبہ کا ہونا مان لیا جاے تو یہ فرمایئے کہ آپکو کیونکر مفید ہے آپکا تو یہ دعویٰ ہے کہ اذان عین مسجد میں ہو خطیب سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو جیسا کہ رواج پڑگیا ہے مگر ہر وہ اذان جو دروازہ مسجد پر چڑھکر دیجائیگی مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد رہیگی۔ جامع المضمرات پھر بحر الرائق پھر رد المحتار میں ہے والذی یبیع ولیشتری فی المسجد او علی باب المسجد اعظم اثما واثقل وزرا یعنی وہ کہ اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت مسجد میں کرے یا مسجد کے دروازہ پر کرے اس کا گناہ اور سخت ہے دیکھئے علی باب المسجد کو فی المسجد.....سے علیحدہ کیا اگر باب المسجد بھی عین مسجد ہوتا تو باب المسجد اور فی المسجد کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنیکی کیا حاجت تھی المنتہی صاحب غور تو کیجیے اگر علی باب المسجد کے معنی دروازے کے اوپر چڑھکر ہیں تو کیا اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ مسجد کے دروازے کے اوپر چڑھکر خرید و فروخت بڑا گناہ ہے۔ حدیث شریف کے مفہوم کے خلاف علی باب المسجد کے معنی بیان کرنیکے واسطے بحر کی عبارت سے استناد بالکل فضول ہے بحر کی عبارت کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ اذان اونچی جگہ پر کہنا مسنون ہے اور تکبیر زمین پر اس سے یہ سمجھنا کہ اذان خطبہ دروازہ پر چڑھکر سات گز کی بلندی پر دیجاتی تھی عقل سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے بین یدیہ ہونا سنت اصلیہ ہے اور مکان رفیع پر ہونا غیر اصلیہ جب فرض و واجب معارض ہوں تو کیا واجب کو اختیار کیا جائیگا اور فرض کو پس پشت ڈالا جائیگا۔

یہ بھی خوب کہی کہ لفظ علی لغتہ استعلا کے لیے موضوع ہے خواہ استعلا حسی ہو یا حکمی چنانچہ زید علی السطح اور علیہ دین اسکی مثالیں چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بھی لکھی ہیں اور بموجب اس احتمال کے جسکو مجیب نے لفظ علی باب المسجد میں اختیار کیا ہے لفظ علی نہ استعلا حقیقی میں مستعمل ہو سکتا ہے نہ استعلا حکمی میں۔ المنتہی صاحب

زید علی الباب میں استعلاء حکمی نہیں تو کیا ہے جیسے علیہ دین میں ہے زید دروازہ پر کھڑا ہے اسکے کیا معنی ہوتے ہیں جہاں حقیقت متعذر ہو وہاں مجاز اختیار کیا ہی جاتا ہے اگر آپ کے طور پر اسے معنی حقیقی پر محمول کریں بین یدی الخطیب ہونا باقی نہیں رہ سکتا قرینہ صارفہ وہی محاذات خطیب نہیں۔

ہاں یہ تو فرمائیے کہ باب المسجد کے معنی خارج باب مسجد معلا کسکی مراد ہے جو آپ نے یہ لکھ مارا کہ علی باب المسجد کے معنی خارج باب مسجد کے لینا فقہا کی منشاء مراد کے بالکل خلاف ہے فتوائے مبارکہ کے کسی لفظ کا یہ منشا ہے یہ جینا افترا ہوا یا نہیں۔

صفحہ ۱۴ تا ۱۶ پر وہی کانپوری تحریر کے مردود اعتراضات کا اعادہ کیا کہ روایت جس میں علی باب المسجد کی زیادتی مروی ہے محمد بن اسحاق نے شہاب زہری سے روایت کی سو اول تو محمد بن اسحق متکلم فیہ ہے الخ کیا وقایہ اہل السنہ میں نہ دیکھا کہ پورے ۲۰ صفحوں میں اسکے وہ قاہر رد ہیں کہ پتھر پڑھتے تو سرمہ کر دیتے کیا میں امیٹھی صاحب ان ۲۰ صفحوں کو یہاں لکھدوں یہ تو غیر متناہی سلسلہ ہے ہم لاکھ بار چھاپیں اور آپ قاہر ردوں کو ہاتھ نہ لگائیں اور وہی مردودات سامنے لائیں لہذا وقایہ اہل السنہ صفحہ سات لغایۃ تیرہ دیکھ لیجئے۔ مختصراً بتادوں کہ ان ۲۰ صفحات میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مدلس کا عنعنہ جمہور ائمہ کے نزدیک مقبول ہے ہمارے ائمہ اسے سند متصل مانتے ہیں نیز امام بخاری وغیرہ وغیرہ پندرہ اماموں کی شہادت سے ثبوت ہے کہ اذان جمعہ دروازہ مسجد پر ہونگی حدیث حسن ہے حجت ہے غرضکہ یہ صفحات مدینہ طیبہ کے جلیل امام محمد بن اسحٰق کی توثیق کے ثبوت سے لبریز ہیں نیز اصل حدیث مسند میں انھیں ابن اسحاق سے بسند صحیح بتصریح سماع موجود ہے تو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ابن اسحق مدلس ہیں پھر بھی اس الزام تدلیس سے کیا فائدہ جبکہ انھوں نے تصریح بالسماع کردی اور یہ امیٹھی صاحب کو بھی مسلم ہے کہ اگر مدلس تصریح بالسماع کر دے تو وہ روایت اسکی مقبول ٹھہرے گی۔ علامہ حلبی کی جو عبارت امیٹھی صاحب نے نقل کی ہے وہ ہمیں بجائے مضر ہونیکے مفید ہے چاہا تو یہ تھا کہ محمد بن اسحاق کو مدلس بتاکر حدیث علی باب المسجد سے کسی طرح پیچھا چھڑالیں مگر عبارت وہ نقل کی جس نے قصے اور ثابت کیئے

کو پایۂ ثبوت پر پہنچا دیا۔ دیکھو علامہ حلبی شرح منیہ میں لکھتے ہیں وقال ابن خزیمۃ سمعت
محمد بن یحیی الذھلی الخ یعنی ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن یحیی ذہلی کو کہتے سنا
کہ عبد اللہ بن زید کی روایتوں میں اذان کے قصہ کے متعلق اس سے زیادہ صحیح کوئی روایت
نہیں اور ابن اسحق کی روایت ثابت ہے صحیح ہے اسلئے کہ محمد بن عبد اللہ نے اسے اپنے
والد سے اور محمد ابن اسحق نے اسکو محمد بن ابراہیم تیمی سے سنا ہے اور یہ ان روایتوں
میں سے نہیں جنمیں ابن اسحق نے تدلیس کی۔ للہ انصاف کیسی صاف روشن تصریح ہے
کیسا اس عبارت نے اس حدیث کو پایۂ ثبوت پر پہنچا یا یہ خدا کی شان ہے کہ وہ اپنے دشمنوں
مخالفوں سے بھی اپنے دین کی مدد لیتا ہے۔ انبیٹھی صاحب کا منشا یہ تھا کہ محمد بن اسحاق
کو مدلس بنانے میں جتنی ہماری علمی طاقت ہے صرف کر دیں جبتک مدلس نہ ٹھہرائینگے
حدیث علی باب المسجد سے ہرگز پیچھا نہ چھوٹیگا لیکن عبارت وہ نقل کی جو منشائے قلبی
کے بالکل مخالف ہے۔ صفحہ ۱۱ پر کہا کہ یہی سائب بن یزید ہیں جنکی روایت کو فقہا و احناف
اپنی کتابوں میں نقل فرماتے ہیں چنانچہ امام شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں اور صاحب
فتح القدیر اور عینی نے شرح ہدایہ میں سائب بن یزید کی روایت کو نقل فرمایا ہے لیکن
کسی نے انمیں سے اس روایت کو اختیار نہیں فرمایا جسمیں لفظ علی باب المسجد کی زیادتی مروی ہے
مسلمانو! زہری سے اس حدیث کے اور راویوں نے نہ علی باب المسجد کا لفظ روایت کیا
ہے نہ بین یدیہ کا لفظ۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم منبر پر
تشریف رکھتے اسوقت اذان دیجاتی نہ جگہ بتائی کہ دروازہ پر نہ سمت بتائی کہ حضور پر نور صلی
اللہ تعالی علیہ وسلم کے مقابل۔ تو ہر صاحب ایمان یہ کہتا کہ بین یدیہ اور علی المسجد دونوں
لفظوں کی زیادتی سوائے ابن اسحق کے کسی نے روایت نہیں کی۔ مگر لطف یہ ہے کہ انبیٹھی صاحب
بین یدیہ کو تو الگ اڑا گئے اور علی باب المسجد کا لفظ پکڑ لیا یہی کا پوری تحریر ہیں ہے جسکے
رد میں وقایہ اہل السنہ کے صفحہ ۴۱ تا ۴۳ قابل ملاحظہ ہیں انمیں روشن دلائل سے
ثابت کیا گیا ہے کہ ابن اسحق کی روایت میں بین یدیہ اور علی باب المسجد کی زیادتی کو صحیح ماننا
ہی لازمی ہے ورنہ مذہب حنفی کو خیر باد کہنا پڑیگا گو ان دونوں لفظوں کو غیر قابل اعتماد ماننے ہوتا کیسے

کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خطیب کے سامنے اذان خطبہ کا ہونا بدعت وخلاف سنت ہے بلکہ اور اذانوں کی طرح منارہ پر ہو۔ حنفی ہو کر ابن اسحق کے دامن ہی کے نیچے پناہ لینا پڑیگی بغیر اسکے بین یدیہ بھی رفو چکر ہوا جاتا ہے یہ کہنا کہ وہ زیادہ حسب قاعدہ مسلمہ اختلاف شاذ ہوگی اور ہرگز قابل اعتبار نہ ہوگی بالکل غلط و بے بنیاد ہے کیونکہ علما ہزار ہزار تصریحیں فرماتے ہیں کہ ایک بات زائد بیان کرنا مخالفت نہیں۔ مخالفت یہ ہے کہ اور راویوں نے جو کہا تھا یہ اسکے خلاف بیان کرے نہ یہ کہ اور جس امر سے ساکت ہیں یہ اسکا افادہ کرے۔ جواہر النقی جلد ا صفحہ ۱۱۱ ترک لبعض الرواۃ لا یعاد من زیادۃ غیرہ ایضاً صفحہ ۲۰۲ ذکرہ مقدم علی تمسک من ترک صحیحین وغیرہما جملہ کتب حدیث میں صدہا ہزارہا حدیثیں وہ ملینگی جنمیں بعض رواۃ نے کوئی بات زائد کی ہے کہ اوروں نے بیان نہ کی تو کیا وہ سب شاذ و منکر ہو کر صحت سے ساقط ہو جائینگی یہ صحیحین پر دیوبندیوں کی کھلی چوٹ ہے یہ بکثرت ملیگا کہ ائمہ محدثین متعدد راویوں سے ایک حدیث یوں روایت کرتے ہیں حدثنا فلان وفلان یزید بعضہم علی بعض یہ حدیث ہم سے اتنے شیوخ نے بیان کی اور انمیں ایک نے دوسرے سے زیادہ بات کہی جو اس نے نہ کہی تھی اس نے وہ بڑھائی جو اس نے نہ بتائی تھی امام محدث سب کی زیادتیں جمع کر کے ایک سیاق میں روایت کرتا ہے تو انبٹھی صاحب کے نزدیک متخالفوں کو جمع کر لیتا ہے۔

کسی ذی عقل سے پوچھئے کہ چھ آدمی کہیں کہ فلاں شخص گھوڑے پر سوار تھا اور ایک کہے کہ وہ سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا تو کیا کوئی عاقل اسکے بیان کو ان بیانوں کا مخالف سمجھ سکتا ہے انبٹھی صاحب آپکو خلاف اور زیادت میں فرق نہیں آیا۔ خلاف یہ ہے کہ وہ بات کہے جو اوروں کی بات کی معارض ہو اور زیادۃ یہ ہے کہ وہ امر زائد کہے کہ جس سے اور ساکت ہیں۔ خلاف مردود ہے اور زیادت مقبول۔ شاذ وہ ہے جو روایت ثقات کے خلاف روایت ہو اگر غیر ثقہ سے مروی ہے تو مردود ہے اور اگر ثقہ سے ہے تو اسکا مدار ترجیح پر ہے ملاحظہ ہو مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مقدمہ مشکوٰۃ نہ یہ کہ ہر زیادت عام ازیں کہ وہ مخالف روایت ثقات ہو یا نہ ہو شاذ ہو

کیا ابن اسحٰق نے جو زیادت کی ہے وہ مخالف روایت ثقات ہے کیا اور روایت میں عن جوف المسجد ہے اور اسمیں علی باب المسجد ہے بھلا کہاں شذوذ اور کہاں زیادت کہاں اسود ابن یزید کی روایت کہاں ابن اسحاق کی یہ زیادت زمین آسمان کا فرق وہ مخالف روایت ثقات تھی نامقبول ٹھہری یہ کونسی روایت کے مخالف ہے جو مردود ہو۔

مسلمانو! وہابیہ نجدیہ کے سامنے دلائل پیش کرنا بالکل بیکار ہے مگر تمہیں بتا دوں کہ امام ابن خزیمہ صاحب صحیح جنکا لقب امام الائمہ ہے اپنی صحیح میں اس روایت علی باب المسجد کے دوسرے راوی ہیں۔ امام جلیل ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی معجم کبیر میں اسکے تیسرے راوی ہیں علاوہ اسکے علماء کرام کے ارشادات سناؤں تاکہ طالبان صادق انشاء اللہ العزیز اون سے فائدہ پائیں تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے کان اذا جلس علیہ الصلوٰۃ والسلام علی المنبر اذن بلال علی باب المسجد وکذا علی عھد ابی بکر وعمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازہ مسجد پر اذان کہتے اوراسیطرح ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں کشاف میں ہے۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد ثم کان ابو بکر وعمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما علی ذلک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے جب حضور منبر پر جلوہ فرما ہوتے وہ موذن دروازہ مسجد پر اذان دیتے یہی روش صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں تھی بعینہ اسیطرح علامہ نیشاپوری میں ہے تفسیر خطیب شربینی پھر فتوحات الٰہیہ میں ہے کان لہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذن واحد اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد ثم کان ابو بکر وعمر وعلی بالکوفۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم علی ذلک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے جب حضور منبر پر جلوہ افروز ہوتے وہ موذن دروازہ مسجد پر اذان کہتے پھر صدیق وفاروق اور کوفہ میں مولیٰ علی کے یہاں یہی طریقہ رہا رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کشف الغمہ میں امام شعرانی قدس سرہ الربانی زمانہ اقدس وزمانہ شیخین رضی اللہ

تو اسکی مخالفت بھی مکروہ تحریمی ہوتی اور اینٹ پتھر کے منبر بنانےکی ایسی ہی مخالفت کی جاتی جیسی کہ مسجد میں اذان دینے کی مخالفت کیجاتی ہے۔

صفحہ ۸ پر انبیٹھی صاحب نے یہ دعوی کیا ہے کہ خود فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اذان مسجد میں ہوتی ہے اور اس دعوی کے ثبوت میں چھ حدیثیں نقل کیں ہیں ان احادیث میں سے پانچ حدیثوں میں علی المسجد علی ظہر المسجد علی سقف المسجد علی اسطح المسجد فنادینا فیہ بالاذان الفاظ ہیں ان سے یہ سمجھ لیا کہ زمانہ اقدس میں اذان فی جوف المسجد ہوئی وہی ہوش پران والا مضمون ہے خیاباں من ہم کب کہتے ہیں کہ اذان مسجد میں اسجگہ بھی نہ ہو جو مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہے اور اطلاق دوم کی بنا پر مسجد ہے کلام تو اسمیں ہے کہ عین مسجد میں اذان مکروہ ہے اور یہی فقہائے کرام کی تصریحات لا یوذن فی المسجد اور یکرہ ان یوذن فی المسجد کا مطلب ہے پس جبتک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ زمانہ اقدس میں اذان موضع صلاۃ میں ہوئی ہے ہمیں مضر نہیں۔

فنادینا فیہ بالاذان سے یہ سمجھنا کہ موضع صلاۃ میں اذان ہوئی محض غلط ہے جہاں ہم نے مسجد کے دو اطلاق بیان کئے ہیں وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ منارہ یا فصیل پر جو اذان ہو اسے یہی کہیں گے چلو مسجد میں اذان ہوئی یہ کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی حالانکہ مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر فصیل یا منارہ پر جو اذان ہوگی وہ مسجد کے باہر یعنی خارج مسجد کہی جائیگی۔ چھٹی حدیث میں تو محل اذان کا قطعی ذکر ہی نہیں اور امام ابن الہمام اور امام القانی نے فی المسجد کے معنی ای فی حدودہ لکمل هذه الاذان فی داخلہ بنا کر نزاع کا خاتمہ ہی کر دیا۔ یہ ہیں وہ احادیث جنکی بنا پر تنشیط الاذان کے صفحہ ۸ پر انبیٹھی صاحب نے وہ دون کہی تھی کہ جواب نمبر ۳ میں متعدد احادیث سے ثابت کریں گے کہ حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں مسجد میں اذان ہوئی ہے ؎ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا۔ جو چیرا تو ایک قطرہ خون نکلا اور اگر بفرض باطل یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور پر نور کے زمانہ ... میں اذان فی

جوف المسجد ہوئی ہے تو لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ حضور نے ایک فعل مکروہ بنایا ہے اور ممانعت فرمائی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ احادیث اذان جمعہ کے متعلق نہیں اذان اقامت خمسہ ان سے مستثنیٰ ہے جنکے متعلق فقہا کی نہی ہے تو انبیٹھی صاحب کو یہ تصریح دکھانا لازمی ہے کہ یہ احادیث اذان جمعہ کے متعلق ہیں۔

صفحہ ۲۰ پر انبیٹھی صاحب نے لکھا فقہ احناف کی بعض کتابوں میں اذان کو مسجد کے اندر ممنوع اور بعض میں مکروہ لکھا ہے اچھا کیا ممنوع کہدینے سے کراہت کا حال نہیں کھل گیا۔ اگر اس کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہوتی تو فقہا لا یوذن فی المسجد کیوں فرماتے یہ کیسا ظلم ہے کہ بعض نے ممنوع لکھا ہے اور بعض نے مکروہ کہکر ممنوع چھوڑ دیا اور صرف مکروہ پکڑ لیا اور لکھدیا کہ مکروہ کا اطلاق حرام اور مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولی پر بھی ہوتا ہے الخ انبیٹھی صاحب کیا ممنوع بھی مکروہ تنزیہی کو کہتا ہے آپکی نقل کردہ عبارت شامی میں بحوالہ بحر ہے احدھما مکروہ تحریما وھو المحمل عند اطلاقھم الکراھۃ انبیٹھی صاحب ممنوع نہ سہی مکروہ ہی سہی تو بھی خود آپکی پیش کردہ عبارت سے مسجد کے اندر ہر اذان مکروہ تحریمی ثابت ہوگئی۔

صفحہ ۲۱ پر لکھا اول تو جب تلاش کیا جاتا ہے کہ شریعت میں اذان فی المسجد کے متعلق کسی جگہ نہی وارد ہوئی ہے یا نہیں تو کوئی حدیث مسجد میں اذان کہنے کی ممانعت پر دلالت کرنیوالی دستیاب نہیں ہوتی انبیٹھی صاحب آپکی اس تحریر سے تو فقہ کو بالکل شریعت ہی سے خارج کردیا۔ فقہائے کرام کے ارشادات ملاحظہ کرچکے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے اور حدیث صحیح محل اذان باب مسجد بتا چکی پھر شریعت میں اذان فی المسجد کے متعلق نہی نہ وارد ہونا کیا معنی رکھتا ہے کیا فقہائے کرام کے ارشادات خارج از شریعت ہیں اوپر گذرا کہ صفحہ ۲۰ پر آپنے خود تسلیم کیا ہے کہ از روئے فقہ حنفی مسجد کے اندر اذان مکروہ و ممنوع ہے اور اب آپ یہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث مسجد میں اذان کہنے کی ممانعت پر دلالت کرنیوالی دستیاب نہیں ہوتی تو کیا آپ کی اس تقریر کا یہ خلاصہ نہ ہوا کہ فقہائے کرام نے کتب فقہ میں یہ احکام ممانعت و کراہت معاذ اللہ اپنی طرف

ص مسجد میں روا رکھا کہ یہ انبیٹھی صاحب کو تسلیم ہے کہ فقہا نے مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ کہا ہے کیسی صاف تصریح ہے کہ جب فقہا کراہت کو مطلق رکھتے ہیں تو کراہت تحریم مراد ہوتی ہے

سے تحریر فرمادے بلکہ آپ کے الفاظ مسند و احادیث سے مسجد میں اذان کا ہونا جواز پر دلالت کرتا ہے ثابت ہو رہا ہے تو یہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ فقہائے کرام نے معاذ اللہ اللہ احادیث نبویہ کے خلاف حکم کراہت تحریر کر دیا ہے انبیٹھی صاحب ذرا غور تو فرمائے کیا ایسا کوئی حنفی سنی مسلمان کہہ سکتا ہے کیا فقہ شریعت نہیں وہ قرآن و حدیث سے علیحدہ ولیجا و فقہا ہے۔

صفحہ ۲۲ پر عالمگیری اور بنیین کی عبارتوں کو نقل کر کے انکا وہ مطلب نکالا جو آجتک کسیکو نہ سوجھا۔ فرماتے ہیں کہ ینبغی ان یوذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد کا حاصل یہ ہے کہ مناسب ہے کہ اذان منارہ پر دیجائے جو داخل حدود مسجد ہے یا مسجد کی حدود سے بھی خارج دیجائے اور مسجد میں اذان نہ دیجائے یہاں پر او خارج المسجد کے معنی مسجد کی حدود سے بھی خارج لینا بالکل غلط ہے اس عبارت کا تو صاف صاف یہ مطلب ہے کہ اذان مأذنہ پر دیجائے یا خارج مسجد یعنی موضع صلاۃ سے باہر اور مسجد میں اذان نہ دیجائے انبیٹھی صاحب بتائیں کہ مسجد کی حدود سے بھی خارج کا ہے کا ترجمہ ہے۔ بھلا انکے کلام میں او خارج حدود المسجد ہے انکا مطلب تو صاف واضح ہے کہ اگر مأذنہ صحن مسجد میں واقع ہے تو اذان اس پر ہو ورنہ خارج مسجد یعنی موضع صلاۃ سے خارج نہ یہ کہ حدود و فنا مسجد سے خارج۔

اللہ اللہ اذان خطبہ کو منبر سے ملا کر کہلانیکے واسطے حدیث و فقہ کے الفاظ کے معنی کو کھینچ تان کر اور تاویلات بعیدہ کر کے ظاہری معنی اور مدلول سے بلا دلیل کیا کیا پھیرا جاتا ہے اور پھر بھی اتباع شرع و رضائے حق کا دعوی برقرار رہتا ہے۔ اچھا بالفرض باطل یہی معنی ہیں جو آپنے تراشے ہیں تو بھی آپکی اسوقت تک کی ساری محنت برباد ہوگئی آپ تو اذان کو ذکر اللہ ہونیکی بنا پر عین مسجد میں جائز سمجھتے ہیں اور فقہائے کرام بقول آپکے عین مسجد تو کیا بلکہ حدود مسجد میں بھی مکروہ بتاتے ہیں تو اب آپ ہی فرمائے کہ آپ حق پر ہیں یا فقہائے کرام حق پر ہیں۔ حیرت پر حیرت یہ ہے کہ انبیٹھی صاحب نے کونسا طریق اختیار کر رکھا ہے۔ یا تو یہاں تک بڑھے کہ عین مسجد میں بھی اذان

بلاکراہت جائز بتادی یا ذرا سی دیر میں پھر دوسری طرف اتنا جھٹے کہ حدود مسجد میں بھی ناجائز ٹھہرادی اور لطف یہ کہ رسالہ اس امر کے ثبوت میں لکھنے بیٹھے ہیں کہ اذان داخل مسجد جائز ہے برین عقل و دانش بباید گریست۔

جادو وہ جو سر پر چڑھکر بولے ابھی ابھی فتاوی عالمگیری وغیرہ کتب کی عبارتوں کے یہ معنی تراشے کہ فنائے مسجد میں بھی اذان مکروہ ہے اور جب حافظہ نہ باشد کی ٹھہری تو صفحہ ۲۲ پر خود ہی فتح القدیر کی عبارت واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد نقل کرگئے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اذان ما ذنہ پر دیجائے یا فنائے مسجد میں اور آپنے خود اس کے یہی معنی لئے ہیں کہئے اب وہ حدود مسجد سے خارج کہاں گیا۔ اب تو او خارج المسجد کے معنی سمجھ میں آگئے ہونگے کہ وہی ہیں جو ہم کہتے ہیں کہ موضع صلاۃ سے باہر جو جگہ فنائے مسجد میں ہو

اس صفحہ ۲۲ پر کہا کہ یہ حکم کراہت جو بمعنی خلاف اولی ہے وہ صرف جمعہ کی اذان اول اور اذان اوقات خمسہ مخصوصہ کیساتھ مخصوص ہے میں کہتا ہوں اولاً تو یہ آپکا خیال محض غلط ہے کیونکہ ہم ثابت کرچکے کہ فقہانے عام ممانعت فرمائی کسی اذان کا استثنا نہ فرمایا۔ ثانیاً بالفرض باطل کراہت کا حکم اگر اذان خمسہ و اذان اول جمعہ کیساتھ مخصوص مان بھی لیا جائے تب بھی آپکے ساری محنت برباد ہوگئی انبتہی ملخصاً کیا آپ کو پہلے فقہای کرام کے ان ارشادات کی خبر نہ تھی جو تنشیط الاذان کا ایک جز اسی بحث میں سیاہ کرڈالا کہ ہر اذان ذکر اللہ ہونیکی بنا پر مسجد کے اندر بلاکراہت جائز ہے اور یہ کہ جو ذکر اللہ سے روکے وہ آیات قرآنیہ کے حکم سے سب سے بڑا ظالم ٹھہرتا ہے۔ بیشے جب آپ نے یہ مان لیا کہ کراہت پنجوقتہ اذان کیساتھ مخصوص ہے تو آپ خود اپنے منہ سے آیہ کریمہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ کی وعید شدید کے مصداق بنے اور آپنے خود مسجد کے اندر پنجوقتہ اذان کی ممانعت تسلیم کرکے اپنے ہی قول سے اپنے کو سب سے بڑا ظالم قرار دے لیا واقعی فقہائے کرام کی مخالفت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

فتح القدیر کی عبارت سے جو آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اذان خطبہ کراہت کے حکم سے مستثنیٰ ہے تو یہ کہاں لکھا ہے کہ اذان خطبہ مثل اقامت ہی لہذا اسکا مسجد میں ہونا مکروہ نہ ہوگا اسمیں تو صاف صاف تصریح ہی کہ اذان مادنہ پر ورنہ فناے مسجد میں دیجاے اور اقامت مسجد میں ہونا چاہئے اور اذان مسجد میں مکروہ ہے اسمیں اذان خطبہ کا استثنا کہاں ہے فتح القدیر کا یہ حکم ہر اذان کے لئے عام ہی اسمیں تو ہر اذان کو مسجد کے اندر مکروہ بتایا ہے اور محقق مذہب حنفی امام ابن الہمام نے تو شرح ہدایہ میں عموم کو خوب جلا دیا خطبہ کو جمعہ میں طہارت سنت ہونیکو اذان پر قیاس کیا گیا تھا کہ وہ بھی اذان بغیر مسجد میں ذکر الٰہی ہی تو اسمیں اذان کی مانند طہارت ہونی چاہئے یہاں تو خاص جمعہ اور خطبہ کا ذکر تھا اگر اذان خطبہ مسجد کے اندر ہوتی تو یہاں فی المسجد کے لفظ میں کیا حرج تھا ضرور اسکو قائم رکھتے مگر انہوں نے فوراً اسکی مراد بتادی کہ مسجد میں ہونیکا مطلب حدود مسجد میں ہوتا ہی نہ کہ خاص مسجد میں اسلئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے انتہٰی۔ انصاف ہو کتنی روشن تصریح ہی کہ اذان خطبہ بھی مسجد کے اندر ممنوع ہے ورنہ خطبہ کا اسپر قیاس کرنیکو یہ کہنا بہت صحیح تھا کہ وہ بھی مسجد میں ذکر الٰہی ہے۔

انبیٹھی صاحب کا اذان خطبہ کو مثل اقامت اعلام حاضرین کیواسطے ماننا فقہ سے لاعلمی پر مبنی ہی ہم ہدایہ وکافی وتبیین وعنایہ وبحر ودر مختار وغیرہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کیلئے ہی جامع الرموز کی جو عبارت انبیٹھی صاحب نے نقل کی ہی اور اس سے یہ ثابت کیا ہی کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ نہیں منجملہ اور اغلاط کے یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ لفظ مسجد دو معنی پر محمول ہی ایک بمعنی موضع صلاۃ دوسرے معنی وقف کردہ زمین مع بنا۔ مسجد بمعنی اول سے بنا وغیرہ سب خارج دوسرے معنی کے طور پر مسجد در ودیوار چاہ حوض فصیل دروازہ غرض حدود وفنا سبکو شامل عبارت نظم نقل کردہ قہستانی لا یوذن فی المسجد فانہ مکروہ میں مسجد بمعنی اول پر محمول یعنی اذان نماز کیجگہ نہ دیجائے کہ نماز کیجگہ اذان دینا مکروہ ہے اور عبارت جلابی منقولہ قہستانی میں لفظ مسجد بمعنی ثانی پر محمول ہی یعنی حدود مسجد میں اذان دیجاے یا اسجگہ دیجاے جو حکم مسجد میں ہو یعنی فناے مسجد میں کیونکہ انبیٹھی صاحب اسمیں فاضل مجیب کیخلاف کیا تھا جو آپ نے تعجب کرتے ہوئے یہ لکھا کہ مجیب نے قہستانی سے مسجد میں اذان کا مکروہ ہونا تو نقل کیا لیکن قہستانی نے جو دوسرا قول اسکے خلاف نقل کیا ہے اسکو چھوڑ دینا فیا للعجب۔

فتوائے مبارکہ بریلی کے جواب سوال ششم کی تردید میں انبیٹھی صاحب نے چاند عوے
قایم کرکے لکھا کہ معاذ اللہ ازروے فتوائے مبارکہ کنارۂ مطاف پر خارج مسجد ہونیکی بنا پر پاخانہ پیشاب
وغیرہ افعال قبیحہ جایز ہوئے مسلمانو فتوی بریلی چھپا ہوا موجود ہے خود دیکھو اسمیں تو صرف اس
قدر ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارۂ مطاف پر ہوتی تھی اور نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم
کے زمانہ اقدس میں مسجد الحرام شریف مطاف ہی تک تھی تو حاشیہ مطاف بیرون مسجد
ومحل اذان تھا چونکہ اب مسجد بڑھا لیگئی تو اب بھی وہ جگہ بیرون مسجد اور محل اذان ہے بھلا
اسمیں ایسی کونسی عبارت ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ یہ پاک مقام محل بول وبراز
ہے انبیٹھی صاحب کے اس توجیہ کی بنا پر تو مسجد کے کنوؤں، فصیلوں دروازوں دیواروں
محل وضو وغیرہ سب کو معاذ اللہ نجاست سے ملوث کر سکتے ہیں کیونکہ یہ مقامات مسجد کے
اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہیں اور انبیٹھی صاحب کے نزدیک جو جگہ موضع صلاۃ نہو اس
میں پاخانہ پیشاب کرنے کی ممانعت نہیں جبھی تو کنارۂ مطاف جو محل اذان ہے اور اطلاق
اول کی بنا پر خارج مسجد ہے محل بول وبراز قرار دیا ۔ والعیاذ باللہ تعالی اور اگر کہا جائے
کہ دیواروں وغیرہ کو نجاست سے ملوث کرنا ناجائز ہے تو جسطرح یہ سب کہ اطلاق اول کی
بنا پر خارج مسجد ہیں نجاست سے ملوث نہیں کئے جا سکتے یونہیں محل اذان کو بھی نجاست سے ملوث
کرنا ممنوع ہے محل اذان تو خود اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ جگہ اذان کیواسطے ہے نہ کہ ان
افعال قبیحہ کیواسطے کتب فقہ میں تصریح ہے کہ کیچڑ سے سنا ہوا پاؤں مسجد کی دیوار یا ستونوں سے
پونچھنا ممنوع ہے (عالمگیری صغیری) مسجد کی دیوار پر ناک سنکنا ممنوع ہے (عالمگیری) بھلا
جب دیواروں سے جو اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہیں کیچڑ تک پونچھنا منع ہے تو محل اذان
پر پاخانہ پیشاب کرنا چہ معنی دارد ۔ ذکر الہی پر ان افعال قبیحہ مثل پاخانہ پیشاب کا قیاس کس قدر
شقاوت ہے کیا اذان ایسی ہی چیز ہے جیسے پیشاب پاخانہ کہ جہاں اذان جائز ہو وہاں یہ کیوں
ناجائز ہوں ہر جاہل سے جاہل جانتا ہے کوئی شخص حاضری اگر خاص حضور سلطان بجا سکے تو وہ بھی
ادب ہے اور دروازے پر حرج نہیں تو کیا دروازے پر حاضری جایز ہونے سے پاخانہ پیشاب
بھی جایز ہو گیا اذان فنائے مسجد میں جایز ہونے سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ امور قبیحہ بھی وہاں

جائز ہیں وہابیہ محل اذان پر خانہ بنیا ب پھر ناجائز بتائیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں
..... جبکہ انھوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی نجاستوں کو جز
ایمان سمجھ رکھا ہے تو محل اذان کی توہین کس گنتی اور کس شمار ہے۔
فتوائے مبارکہ بریلی میں فتاوی قاضیخان و فتاوی خلاصہ و فتاوی عالمگیریہ سے
لکھا گیا تھا کہ مسجد جب بڑھالیا جائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لئے مقرر تھی بدستور مستثنی
رہیگی انبیٹھی صاحب نے تمام دلائل سے نظر معرفر کر لکھ دیا کہ جب مسجد الحرام کی توسیع کیگئی تو اسکے
گرد ہر چہار طرف لوگوں کے مکان تھے نشست گاہیں تھیں ان مکانوں میں بول و براز کیجگہ بھی
تھی دار الندوہ بھی تھا لیکن تمام عوام و خواص امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق
ہے کہ وہ سب مکانات جو مسجد الحرام قدیم کے گرداگرد تھے خواہ محل نجاسات تھے یا غیر نجاسات
وہ سب کے سب بعد توسیع مسجد الحرام میں داخل ہوگئے بخلاف فتوائے بریلی میں یہ کہاں
لکھا ہے کہ جسجگہ کو موضع صلاۃ کرلیا جائے اگر پہلے وہ محل نجاسات سے ہو اس پر احکام مسجد
جاری نہ ہونگے کہا تو یہ گیا تھا کہ .... محل اذان یا محل وضو کو بدستور قایم رکھکر مسجد
کی توسیع کرلیجائے جیسا کہ کنارۂ مطاف کو بدستور محل اذان قایم رکھکر توسیع مسجد الحرام شریف
کیگئی تو وہ محل اذان مسجد کے اطلاق کی بنا پر خارج مسجد ہی رہیگا۔ اگرچہ اطلاق دوم کی بنا پر
داخل مسجد بھی ہے لوگوں کے مکانات وغیرہ کو مسجد میں داخل کر کے موضع صلاۃ بنالینا اور بات
ہے اور وضو کی جگہ کو محل وضو قایم رکھتے ہوئے اسکے ارد گرد توسیع کرلینا اور بات ہے اور اگر
آپکی انوکھی منطق کی رو سے محل وضو کو وضو کیواسطے قایم رکھتے ہوئے ارد گرد توسیع کرلینے
سے محل وضو بھی عین مسجد ہوگیا تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ عین مسجد میں وضو کرنا جائز ہوگیا حالانکہ یہ
آپکو بھی تسلیم ہے کہ مسجد میں وضو نا جائز ہے پس ہماری اس تقریر سے صاف صاف عیاں ہے کہ
محل وضو کو محل وضو قایم رکھتے ہوئے موضع صلاۃ کی اس محل وضو کے ارد گرد جب کبھی بھی توسیع
کیجائیگی تو وہ محل وضو مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد کے حکم میں رہیگا اور وہاں وضو
کرنا جائز رہیگا اور اسپر اذان بلا کراہت جائز رہیگی۔
ہم احادیث و کتب فقہ سے ثابت کرچکے کہ اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے اور مسجد ہو یہاں

مراد موضع صلاۃ ہے لہذا جو جگہ اذان کیواسطے حدیث و فقہ کی پابندی کیساتھ مقرر کیجائیگی وہ مراد مسجد بمعنی موضع صلاۃ سے خارج رہیگی انبھٹی صاحب نے آیات قرآنیہ احادیث اور روایات فقہیہ سے جو کچھ اسکے خلاف لکھا اسکا کافی رد کیا جاچکا ہے نیز یہ بھی عیاں کر دیا گیا ہے کہ رفع صوت کی بنا جسکی ممانعت حدیث شریف میں ہے اذان مسجد کے اندر کہنا مکروہ ہے وضو کے مکروہ ہونیکی علت توہم تلویث مسجد یا توہم امتہان مسجد ہے اور مسجد کے اندر اذان کا ہونا دربار الٰہی کی بے ادبی ہے اور اسمیں بھی ضرور امتہان مسجد ہے۔

حاشیہ مطاف کے بیرون مسجد اور محل اذان ہونیکی نسبت انبھٹی صاحب کا یہ لکھنا کہ مجیب نے اسکے ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل قایم نہیں کی روز روشن میں آفتاب کے وجود سے انکار کرنا ہے خیر اسوقت آپکو دلیل نظر نہ پڑی تو اب دیکھ لیجئے آدمی گنتی گنتی بھول جائے پھر گن لے۔ جواب سوال ششم ملاحظہ ہو جسمیں ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارہ مطاف پر ہوتی ہے رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسجد الحرام شریف مطاف ہی تک تھی منسک متقسط علی قاری طبع مصر صفحہ ۔۔ المطاف ہو ما کان فی زمنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجدا تو حاشیہ مطاف بیرون مسجد و محل اذان تھا اور جب مسجد بڑھا لیجائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لئے مقرر تھی بدستور مستثنیٰ رہیگی کیا انبھٹی صاحب دلیل کے سینگ ہوا کرتے ہیں فتوائے مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں اذان خطبہ خطیب سے بیس بلکہ زائد ذراع کے فاصلے سے ایک بلند مکبر پر ہوتی ہے طریق ہند کے تو یہ خلاف ہوا اسپر انبھٹی صاحب تحریر فرماتے ہیں) کہ علاوہ ازیں امام سے قرب وبعد کو کراہت میں کوئی دخل نہیں کراہت کا مدار محض مسجد کے اندر ہونے پر ہے نہ قرب وبعد پر مسلما تو یہ وہی ان کہی ہے جس سے کمزور دل مبطل فرار تھا مگر آخر کار جادو سر پہ چڑھکر بولا۔ سچائی کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوا شواہد نہایت غرجلالہ نے حق میں قدرت ہی وہ رکھی ہے کہ مخالف کی زبان پر بھی بیساختہ جاری ہو جاتا ہے مدینہ منورہ میں اذان خطبہ کا خطیب سے بیس بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر ہونیکا جواب ہی اور کیا ما انگیئے انبھٹی صاحب اب تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ بین یدی الخطیب وعند المنبر کے یہ معنی نہیں کہ خطیب سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو بلکہ بیس یا اس سے زائد ذراع کے فاصلہ پر ہو جب بھی بین یدیہ اور عند

صادق آئیگا ہم نے بھی تو یہی کہا تھا کہ یہیں پر یہ وعند کچھ انفصال ہی سے خاص نہیں انکا مفاد محاذات وحضور ہے متصل ہو یا منفصل و لہذا قریب و بعید دونوں میں استعمال ہے چونکہ علی باب المسجد والی حدیث اور فقہائے کرام کے ارشادات صراحت کر رہے ہیں کہ اذان خطبہ بھی مثل پنجوقتہ اذان کے مسجد یعنی موضع صلاۃ سے باہر ہو تو اذان خطبہ موضع صلاۃ سے باہر ایسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں سے خطیب کا محاذات وحضور ہے ہاں انبھٹی صاحب اب آپکا وہ قول جو صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے کہ مجھو اذان خطبہ کا خطیب کے سامنے یا منبر کے سامنے یا امام و منبر کے قریب ہونا امر متوارث ہے آپ ہی کے اس قول سے مردود ہو گیا یا نہیں ۔ابھی ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ امام و منبر کے قریب ہونا امر متوارث ہے اور جب مدینہ منورہ میں بیس ذراع کی فاصلہ پہ اذان خطبہ کا دیا جانا بتایا گیا تو امام و منبر کے قریب ہونے اور اسکے متوارث ہونیکا خیال جاتا رہا اور وہی قلم سے نکلا جو ہم کہتے تھے آپ نے پہلے نہ سوچ لیا کہ جب مدینہ منورہ میں بیس ذراع کے فاصلہ پر اذان ہوتی ہے اور دہلی بہار میں بھی اتنی ہی فاصلہ پہ ہوتی ہے تو میں امام و منبر سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر امر متوارث کیونکر بتا رہا ہوں اور آپکا یہ فرمانا کہ منبر صفوف کے لئے مطلقاً قاطع نہیں آپ ہی کے قول سے غلط ہے آپکو تسلیم ہے کہ وہ چار ستونوں پر قائم ہے تو کیا چار ستون قاطع صفوف نہ ہوئے کیا جبکہ دو ہوایش اور چھت صفوف میں حائل ہوئی جبھی قاطع صفوف ہونا کیا صفوف نہیں ہوتے پھر فتوائے بریلی میں چھت کو قاطع صفوف کب بتایا گیا تھا بلکہ صاف صاف لکھ دیا تھا کہ یہ منبر چار جگہ سے ٹھہر تا ہے اور کتنی ہی صفیں قطع کرتا ہے ہاں یہ بھی خوب کہی کہ مساجد بنائی گئیں اور اسکے وسط میں درمیانی دیوار اور دیواریں محرابیں قائم کی گئیں اور وہ بھی قاطع صفوف ہیں تو کیا وہ بھی فعل حرام ہے انبھٹی صاحب آپکو مسجد کے ہر دو اطلاق میں امتیاز نہیں ورنہ کبھی یہ نہ فرماتے ہم کہہ چکے ہیں موضع صلاۃ کے علاوہ مسجد کی دیواریں فصیلیں محل وضو منبر کنواں غسلخانہ درمیانی دیواریں وغیرہ سب مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہیں تو یہ سب عین مسجد یعنی موضع صلاۃ میں ہرگز ہرگز نہیں بنائے گئے ہیں ہر شخص جانتا ہے کہ جب کوئی مسجد بنانیکا ارادہ کرتا ہے تو اس کل زمین کو جو اطلاق دوم کی بنا پر مسجد کے حکم میں ہو گئی ہے موضع صلاۃ مقرر نہیں کر دیتا بلکہ اس زمین میں سے کچھ حصہ کو موضع صلاۃ اور بقیہ میں ضرورت کے موافق محل وضو کنواں غسلخانہ درمیانی دیوار فصیل وغیرہ وغیرہ تجویز کرتا ہے تو اب بانی مسجد نے یہ جو کچھ بنایا وہ عین مسجد میں نہ بنایا اور اس لئے جائز ہے البتہ اگر کوئی شخص مسجد بنانیکے بعد موضع صلاۃ میں کوئی ستون

یا مکبرہ قاطع صفوف تو یقیناً ناجائز ہوگا (بنائے) فتوے مبارکہ میں بھی یہی بتایا گیا تھا کہ وسط مسجد میں ایک جدید مکان ایسا کھڑا کر دینا جس سے صفیں قطع ہوں کس شریعت میں جائز ہے الخ یہاں پر مسجد سے وہی موضع صلاۃ تھا مگر آپ درمیانی دیوار کا سوال خوش فہمی سے اٹھا بیٹھے یہ خیال نہ کیا کہ درمیانی دیوار موضع صلاۃ میں نہیں بنائی جاتی اگر آپ مسجد کے دو اطلاق نہیں ملتے تو گویا آپکے نزدیک سائے محل وضو غسلخانہ مسجد وغیرہ وغیرہ سب عین مسجد ہوے اور اس تقدیر پر آپکے نزدیک عین مسجد میں وضو کرنا ناک سنکنا ناپاکی دور کرنا استنجا کرنا نہانا دھونا اور حائض کا وہاں کھڑا ہونا شور و غل مچانا سب کچھ جائز ہوگیا لیجئے اب تو آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ جو کھجور کے ستون جناب نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم نے جب مسجد شریف کی تعمیر فرمائی تھی قائم کئے گئے تھے وہ جائز طور پر قائم کیے گئے تھے انکا بنانا حرام نہ تھا علاوہ اسکے الضرورات تبیح المحذورات مشہور ہے ستون اور دیواریں مسجد میں بضرورت قائم کیجاتی ہیں اور اس وجہ سے وہ جائز ہیں اور وہ چیز جو ... بلاضرورت قاطع صفوف قائم کیجائیگی ضرور ناجائز ٹھہریگی

انجھٹی صاحب سچ کہئے کہ مجیب کے مدعا کو مکبرہ والے جواب نے کیا فائدہ پہنچایا سچ پوچھئے تو آپکا دل ہی جانتا ہوگا آپکی تمام محنت کو اس واحد میں ملیامیٹ کر دیا جب کہ آپکو تسلیم ہے کہ فقہائے احناف نے اذان کو مسجد کے اندر مکروہ بتایا ہے اور کوئی دلیل اس کی تردید میں نہ لاسکے اور یہ بھی تسلیم کرلیا کہ امام و منبر کے قریب ہونا ضروری نہیں کیونکہ بقول آپکے دہلی سہارنپور وغیرہ کی جوامع میں اذان خطبہ نہیں بلکہ اس سے زائد ذراع کے فاصلہ پر بلند مکبرہ پر ہوتی ہے اور ہم ثابت کرچکے کہ مکبرہ کہ اول سے بنا خارج مسجد کے حکم میں ہے تو پھر کسی مزید بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ جو کچھ فتوائے مبارکہ بریلی میں ہے وہ سب آپکو طوعاً و کرہاً مقبول ہے البتہ سب سے آخر میں جو آپنے جامع الرموز کی عبارت کو دوبارہ نقل کرکے بین یدیہ بھی اڑا دیا۔

اور صاف لکھدیا کہ روایت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ موذن کا امام کے سامنے عین محاذات میں ہونا ضروری نہیں ہے تو گویا آپکی یہ تھوک کے ستونوں سے جڑی ہوئی کاغذ کی عمارت (تنقیط الاذان) خود آپکے ہاتھوں پھٹ پھٹا کر نیست و نابود ہوگئی والحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی شفیع المذنبین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ۔

حررہ فقیر محمد عرفان علی قادری رضوی

جمعہ کی اذان ثانی کے خارج از مسجد ہونے پر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی تائید و توثیق

آپ کے فکری مخالفین سے

تائیدِ ربانی بر مسئلہ اذانِ ثانی

مؤلف

میثم عباس قادِری رضوی

نام کتاب	:	جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد سے باہر ہی ہونی چاہیے
مؤلف	:	میثم عباس قادری رضوی
اشاعتِ اوّل بصورتِ کتاب	:	جنوری ۲۰۱۷ء
صفحات	:	۴۸
ناشر	:	کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور
		اویسی بک سٹال گوجرانوالہ
قیمت	:	روپے

انتساب

راقم الحروف اس کتاب کا انتساب

امام المناظرین شیر بیشۂ اہل سنت

ابوالفتح حضرت علامہ مولانا مفتی

محمد حشمت علی خان لکھنوی

رحمۃ اللہ علیہ

کے اسم گرامی سے کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے

میثم عباس قادری رضوی

فہرست

۱۴۔اذانِ ثانی کے مسجد میں ہونے کے متعلق کسی کے پاس مذاہب اربعہ سے کوئی دلیل نہیں: انور شاہ کشمیری دیوبندی ....

۱۵۔ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد میں دینا بنی امیہ کا عمل ہے یہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے: انور شاہ کشمیری دیوبندی ....

۱۶۔ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد سے باہر بھی جائز ہے: مفتی کفایت اللہ دیوبندی

مسجد میں اذان کے قائلین سے زبردست مطالبہ: ....

۱۷۔ اذان مسجد سے باہر دینا سنت ہے: پالن حقانی دیوبندی ....

۱۸۔ اذان مسجد سے باہر دینا سنت ہے: پالن حقانی دیوبندی ....

۱۹۔ اذان کا مسجد سے باہر دینا اولیٰ ہے: مفتی شیخ فرید دیوبندی ....

۲۰۔ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے: مفتی عبدالحق دیوبندی ....

۲۱۔ اذان مسجد سے باہر دینی مستحب ہے: مولوی تنویر احمد شریفی دیوبندی

۲۲۔ مسجد میں اذان دینی مکروہِ تنزیہی ہے، دورِ رسالت میں مسجد سے باہر دی جاتی تھی: مولوی شکیل حقانی دیوبندی ....

۲۳۔اذانِ ثانی کے خارج از مسجد ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تائید غیر مقلد وہابی علماء سے۔ ....

ضروری نوٹ: اس تحریر میں جتنے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں، ان میں جو الفاظ قوسین () میں درج ہیں۔ وہ اصل کتب میں بھی قوسین ہی میں درج ہیں۔ ان اقتباسات میں راقم نے اپنی طرف سے جو وضاحتی الفاظ شامل کیے ہیں ان کو ڈبل قوسین (()) میں درج کیا ہے تاکہ (اصل اقتباس کا) امتیاز ہو سکے۔ (میثم قادری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ مقالہ (۱) ماہنامہ ''معارفِ رضا، کراچی'' بابت فروری ۲۰۱۳ء (۲) ماہنامہ ''چار یارِ مصطفیٰ، راولپنڈی'' بابت اپریل ۲۰۱۳ء (۳) سہ ماہی ''دعوتِ اہلِ سنت، کراچی'' شمارہ:۲ (۴) اور سالنامہ ''یادگارِ رضا، بمبئی'' بابت ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اب مزید اضافات اور ترمیم کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔

اس مقالہ کے لکھنے کا پس منظر:

کچھ سال پہلے کی بات ہے داتا دربار مارکیٹ، لاہور کے ایک کتب خانہ پر جناب اُسید الحق بدایونی صاحب کے ''متاثرین'' میں سے ایک صاحب نے ان کا ملفوظ بیان کیا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ ''جمعہ کی اذانِ ثانی تمام جگہوں پر بشمول مارہرہ شریف مسجد کے اندر ہوتی تھی اس پر اعلیٰ حضرت نے اختلاف پیدا کیا کہ اذانِ ثانی مسجد سے باہر ہونی چاہیے''۔ صاحبِ ملفوظ جناب اُسید الحق بدایونی صاحب کے اجداد اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت کے شدید مخالف تھے، اور اس اختلاف میں اس حد تک چلے گئے تھے کہ عدالت میں ازالۂ حیثیتِ عرفی کا مقدمہ درج کروادیا۔ جس پر ان کو ہزیمت اُٹھانی پڑی، اور اعلیٰ حضرت، امام اہلِ سنت، مجدد دین وملت، مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باعزت بری ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کے شدید معاند ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی نے بھی اپنی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' جلد ۷ میں مسئلہ اذانِ ثانی کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے خلاف کئی صفحات سیاہ کیے ہیں۔ ان دونوں باتوں کے پیشِ نظر اس وقت راقم نے یہ مقالہ لکھا اور دیوبندی، وہابی علما سے ثابت کیا کہ اس مسئلہ میں بھی اعلیٰ حضرت کا موقف

برحق ہے۔

مقدمۂ بدایوں:

مسئلہ اذانِ ثانی پر علمائے بدایوں سے ہونے والے اختلاف کی کچھ تفصیل پیش ہے۔ یہ مقدمہ ۱۹۱۵ء کے اواخر سے شروع ہوا، اور مارچ ۱۹۱۷ء میں اعلیٰ حضرت کے حق میں فیصلہ ہوا، یہ مقدمہ لائبل کیس کے نام سے اخبارات میں درج ہے۔

☆ حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مقدمۂ بدایوں کے متعلق فرماتے ہیں:

''اذانِ جمعہ بیرونِ مسجد کا قصہ: اذانِ جمعہ بیرونِ مسجد معلوم نہیں کتنے دنوں سے اعلیٰ حضرت قبلہ کی مسجد میں ہوا کرتی تھی اور اس کے متعلق ایک مختصر فتوی بھی غالباً ''تحفۂ حنفیہ'' میں شائع ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قبلہ پیلی بھیت تشریف لے گئے تھے۔ جمعہ کا دن آیا تو وہاں کے بعض لوگوں نے یہ چاہا کہ اذانِ جمعہ بیرونِ مسجد ہو جیسا کہ بریلی میں ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اذان باہر ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے خطبہ اور نماز پڑھائی۔ جب وہاں سے واپس تشریف لائے تو بعض وہ لوگ جن کے عقائد اچھے نہ تھے یا جن میں نفسانیت غالب تھی اس پر چہ میگوئیاں کرنے لگے، شدہ شدہ یہ خبر بریلی پہنچی۔ یہاں کے بعض لوگوں کے اصرار واستفسار پر ایک مفصل فتویٰ اس مسئلہ کے متعلق لکھا گیا جو اشتہار کی شکل میں شائع ہوا۔ پیلی بھیت کے وہ لوگ جن کے دل صاف نہ تھے اس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اور جگہ جگہ سے انہوں نے فتوے حاصل کرنے چاہے۔ وہابیوں نے بھی مخالفت میں فتوے لکھے۔ علمائے رام پور اور علمائے بدایوں نے بھی تحریر کئے جن کے جوابات ـــ۔ اب اس

کے بارے میں طرفین سے متعدد رسالے شائع ہوئے۔ مخالفین باوجود اپنی تمام تر کوششوں کے ایک عبارت بھی کسی کتاب کی ایسی نہ پیش سکے جس میں صراحۃً اذانِ جمعہ کا اندرونِ مسجد ہونا مذکور ہو۔ جب کچھ ہاتھ نہ آیا تو بعض علمائے رام پور نے عبارتیں گڑھیں اور ''صلوٰۃ مسعودی'' کی طرف نسبت کی، مگر ''صلوٰۃ مسعودی'' دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ بالکل افتراء اور من گھڑت ہے۔ جملہ مخالفین نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اس مروجہ اذان کو جو عموماً ہندوستان میں اندرونِ مسجد ہوتی ہے نہ حدیث سے ثابت کر سکے، نہ فقہ کی کسی کتاب سے۔ حدیث میں نظر کی جاتی ہے تو اس اذان کا بیرونِ مسجد ہونا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ وابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ثابت ہے۔ ''سنن ابی داؤد'' میں حضرت ثابت بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان زمانوں میں اذانِ خطبہ دروازۂ مسجد پر ہوا کرتی تھی۔ اور فقہ کی طرف نظر کی جاتی ہے تو لایؤذن فی المسجد ویکرہ الاذان فی المسجد وغیرہ۔ ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے اندرونِ مسجد مطلقاً اذان کی ممانعت وکراہت ثابت ہے۔ کسی کتاب میں بھی اذانِ جمعہ کو اس سے مستثنا نہیں کیا گیا۔ لے دے کر مخالفین کے پاس کچھ ہے اور اسے دلیل کے نام سے پکارتے ہیں وہ لفظ ''عند المنبر وبین یدیہ'' ہے۔ مگر یہ دونوں لفظ اپنے اطلاقِ شرعی ولغوی میں ایسے نہیں جس کا مدلول اندرونِ مسجد ہی میں منحصر ہو سکے۔ قرآن وحدیث وغیرہ سے ان کے اطلاقات کی وسعت پر رسائل میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اس مسئلہ پر لوگوں نے مخالفت نہ کی ہوتی تو خیال

ہوسکتا تھا کہ شاید جو ناواقفی سے کیا جارہا ہے اس کا کوئی ثبوت ہو مگر مخالفین کی پوری جدوجہد نے ثابت کردیا کہ ان کے پاس دلیل کا نام بھی نہیں۔ اس سلسلہ میں مخالفین کا عجز اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب علمائے بدایوں کے رد میں ''تعبیرِ خواب'' (۱) وغیرہ کے بعد کتاب ''سدالفرار'' تحریر کی گئی اور اس میں مفصل طور پر ان کا رد کیا گیا تو ان سے کچھ جواب نہ بنا۔ بلکہ کچہری کا دروازہ کھٹکھٹایا اور توہین ازالۂ حیثیتِ عُرفی کا دعوی کیا گیا۔ اس دعوی میں پانچ مدعا علیہ تھے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ،مولانا محمد رضا خان صاحب برادرِ خورد، مولانا حامد رضا خان صاحب خلفِ اکبر، شاہد علی خان صاحب خواہرزادہ اور راقم السطور۔ دعویٰ ایک ایسے مجسٹریٹ کے یہاں ان لوگوں نے کیا جس سے ان کے خاندانی تعلقات تھے اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ میں پوری کوشش ان لوگوں کی تذلیل میں صَرف کروں گا اور ضرور یقینی طور پر اعلیٰ حضرت کو کچہری میں بُلا کر کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا۔ گفتہ او گفتہ اللہ بود :جب یہ خبر اعلیٰ حضرت کے پاس پہنچی، ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ وہ کچھ نہ کر سکیں گے اور مجھے کچہری میں نہ جانا پڑے گا۔ مقدمہ کے واقعات بہت تفصیل طلب ہیں۔ ان بلوائیوں نے ایذا رسانی میں کوئی کمی نہ کی، یہاں تک کہ انہوں نے پانی بھی بند کردیا کہ کوئی سقہ ان لوگوں کا پانی نہ بھرے

(۱) مسئلہ اذانِ ثانی پر سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نایاب کتاب ''تعبیرِ خواب'' کا اقتباس ڈاکٹر شرر مصباحی صاحب نے مقدمۂ حدائقِ بخشش میں نقل کیا ہے۔ راقم نے اس کتاب کے حصول کے لیے بذریعہ فون ڈاکٹر صاحب سے رابطہ کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ یہ کتاب ''کتب خانہ قادریہ، بدایوں'' میں موجود ہے۔ کاش کوئی بندۂ خدا وہاں سے اس کتاب کو بازیاب کروالے اور یہ علمی دستاویز شائع ہو کر اہلِ علم کی آنکھیں ٹھنڈی کرے۔ (میثم قادری)

اور شہر میں کوئی شخص ان کو رہنے کے لیے کوئی مکان نہ دے۔ اگرچہ کتنا ہی زیادہ یہ لوگ کرایہ دیں۔ مگر الحمدللہ ان کی ساری کوششیں ناکامیاب رہیں۔ پانی بھرنے کے لیے تاریخوں پر سقے جایا کرتے تھے اور جس زمانے میں کہ مقدمہ کی پیہم تاریخیں ہونے لگیں اور وہاں مکان کی ضرورت پڑی تو مکانات بھی مل گئے۔ مدتوں یہ مقدمہ چلا، دعویٰ سے ایک سال زائد پر اس کا فیصلہ ہوا۔ جس میں یہی ہوا جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا مقدمہ کے واقعات کو اعلیٰ حضرت کی کرامت سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے۔ اس مقدمہ کی پیروی کرنا اور کوشش کرنے کا کام صرف دو ہی شخصوں نے کیا۔ ایک مولانا حامد رضا خان صاحب کہ اس سلسلہ میں اُنہیں بہت جگہ آنا جانا پڑا۔ دوسرے یہ فقیر کہ مقدمہ کی معلومات بہم پہنچانا اور گواہوں کو مضامین بتانا۔ جرح وغیرہ کے مضامین سکھانا، اس کا بڑا حصہ میں نے ہی انجام دیا''

(حیات صدر الشریعہ صفحہ 51 تا 53 مطبوعہ رضا اکیڈمی، محبوب روڈ، چاہ میراں، لاہور)

☆ شارح بخاری مولانا مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مقدمۂ بدایوں کے متعلق اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''خانقاہِ برکاتیہ کا مؤقف ہمیشہ سے یہی رہا کہ انہوں نے کلیات تو کلیات، اصول تو اصول، فروع میں بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فتوے پر عمل فرمایا مثلاً اذانِ ثانی کا مسئلہ، بدایوں سے خانقاہِ برکاتیہ کا تعلق سیدنا سرکار آل احمد اچھے میاں قدس سرہٗ کے عہدِ مبارک سے تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالمجید عین الحق رحمۃ اللہ علیہ سرکار اچھے میاں قدس سرہٗ کے بہت چہیتے خلیفہ تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ

کا مارہرہ شریف سے جو تعلق قائم ہوا وہ بھی تاج الفحول محبِ الرسول حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کے ذریعہ قائم ہوا۔ وہی اعلیٰ حضرت کو مارہرہ لائے اور خاتم الاکابر سے مرید کروایا۔ لیکن جب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یہ فتوی دیا کہ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کے باہر ہونا سنت ہے اور منبر کے متصل مسجد کے اندر خطیب کے سر پر سنت کے خلاف ہے، تو حضرتِ مولانا سید شاہ ابو القاسم محمد اسماعیل حسن شاہ جی میاں صاحب قدس سرہٗ نے خانقاہِ برکاتیہ کی مسجد میں اعلیٰ حضرت کے فتوی کے مطابق جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کے باہر کہلانی شروع کی۔ حالانکہ بدایوں کے لوگ اس فتویٰ کے بشدت مخالف تھے۔ یہ زمانہ بدایوں میں حضرت مولانا عبد المقتدر صاحب مرحوم کا تھا۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے رد میں کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اور اس وقت تک مارہرہ شریف اور بدایوں کے تعلقات میں کوئی کشیدگی بھی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود کہ بدایوں سے تعلقات بہت قدیم تھے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے جدید مگر چونکہ حق اعلیٰ حضرت کے ساتھ تھا، اس لیے خانقاہِ برکاتیہ کے سجادہ نشینوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فتویٰ پر عمل فرمایا اور قدیم تعلقات کی پرواہ نہیں کی، اس سلسلے میں کچھ بدمزگیاں بھی ہوئیں۔ جن کا تذکرہ "برکاتِ مارہرہ و مہمانانِ بدایوں" میں ہے۔ حضرت تاج العلماء قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حمایت میں بدایونی حضرات کے رد میں تین رسالے بھی لکھے۔ "مبحث الاذان"، "شافی جواب پر کافی ایرادات"، "بدایونی تحریر کے شافی جواب"۔

(ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اکتوبر ۲۰۰۲ء، سیدین نمبر، صفحہ ۳۱۳،۳۱۴)

☆ شارح بخاری مزید لکھتے ہیں:

''اس کے باوجود کہ حضرت تاج العلماقدس سرہٗ نے کچھ کتابیں جناب مولانا عبدالمقتدر سے بھی پڑھیں اور مسئلہ اذانِ ثانی میں مرحوم ہی نے اعلیٰ حضرت کے خلاف بدایوں میں محاذ کھولا تھا،مگر حضرت تاج العلماقدس سرہٗ نے اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت کا اتباع کیا،نہ کہ صرف اتباع کیا بلکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حمایت میں بدایونی حضرات کا رد کیا۔اس خصوص میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حمایت اس درجہ فرمائی کہ باآں عظمت وکمال اور سجادہ نشین ہونے کے بدایونیوں کے خلاف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حمایت میں بدایوں کچہری میں تشریف لے گئے۔مقدمہ بدایوں:قصہ یہ ہوا کہ مسئلہ اذانِ ثانی میں بدایونی حضرات نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر ہتک عزت عُرفی کا بدایوں میں مقدمہ دائر کردیا۔اس مقدمہ میں بدایونی حضرات نے بہت کوشش کی کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ' بدایوں ملزم کی حیثیت سے تشریف لائیں اور ملزم کی جگہ کٹہرہ میں کھڑے ہوں۔اس کے لیے سمن گیا اعلیٰ حضرت نے لینے سے انکار فرمادیا بدایونی حضرات نے وارنٹ جاری کرایا جو تعمیل نہ ہوسکا،اورصرف سرجن کے اس سرٹیفکیٹ پر کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بہت ضعیف،بیمار،کمزور ہیں، کچہری میں جانے کی ان میں قوت نہیں،اعلیٰ حضرت کو متعلقہ حاکم نے حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا،اور مقدمہ کی کاروائی آگے بڑھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے صفائی کے لیے جو بزرگ پیش ہوئے ان میں حضرت تاج العلماقدس سرہٗ بھی تھے۔بدایونی وکیل نے یہ درخواست پیش کہ حضرت تاج العلماء کی صفائی مدعی علیہ کے حق میں قابلِ قبول نہیں

کیونکہ یہ ان کے پیرزادہ ہیں۔اس کے جواب میں تاج العلما نے فرمایا کہ میں مدعیان کا بھی پیرزادہ ہوں۔اس لیے کہ ان کے مورثِ اعلیٰ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب عین الحق رحمۃ اللہ علیہ میرے جدّ امجد حضور سیّدنا ابوالفضل آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں، نیز میں مدعیوں سے بنسبت مدعیٰ علیہ کے یوں بھی زیادہ قریب ہوں کہ میں نے مولانا عبدالمقتدر صاحب مرحوم سے کچھ اسباق پڑھے ہیں۔جس پر حاکم نے بدایونی وکیل کی درخواست مسترد کردی۔اور حضرت تاج العلما کو گواہ تسلیم کرلیا،اس مقدمے کا فیصلہ یہ ہوا کہ بدایونی دعویٰ خارج ہوااور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ باعزت بے داغ بری ہوئے۔ یہ خبر جب اعلیٰ حضرت کو ملی تو فرمایا بدایوں ہی تھا۔جب بدایوں کی طرف سے اس پر بہت زیادہ زور صرف کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کچہری میں ضرور تشریف لائیں تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا احمد رضا تو احمد رضا۔احمد رضا کی جوتی بھی کچہری میں نہیں جائے گی انہوں نے اپنی سرکار میں میرے خلاف مقدمہ دائر کردیا ہے۔ میں نے بھی اپنی سرکار میں اپنا مقدمہ دائر کردیا ہے اور ہوگا وہی جو میرے سرکار چاہیں گے۔ میں اس کا تذکرہ نہ کرتا لیکن بہار کے ایک صاحب بدایوں اور بریلی کے اختلاف کو بہت غلط رنگ سے لکھ لکھ کر چھاپ رہے ہیں اگرچہ ان کا چھاپا آسمان پر تھوکنے والے کی طرح انہیں کے منہ پر آرہا ہے لیکن ہوسکتا ہے کچھ ناواقف غلط فہمیوں کے شکار ہوں، یہاں ہر سنجیدہ متین آدمی کے لیے سوچنا یہ ہے کہ اذانِ ثانی کا مسئلہ ایک جزئی مسئلہ تھا،اس میں اگر حضراتِ بدایوں کو اختلاف تھا تو انہیں اپنی بات سنجیدگی اور متانت کے ساتھ لکھ کر چھاپنے کا حق تھا اور پھر اس پر اعلیٰ

حضرت قدس سرہٗ اوران کے متعلقین کو بھی یہ حق تھا کہ ان کا رَدّ لکھتے اور انہوں نے لکھا۔لیکن کچہری میں جاکرایک علمی مبحث میں عاجز آ کرمقدمہ دائر کرنا نہ علم کی شان کے لائق ہے اور نہ دین داری ہے،ایک فروعی مسئلہ میں اتنا چراغ پا ہونا ہی غلط ہے۔رہ گیا تحریروں پر مؤاخذہ وہ بدایوں کے حضرات نے بھی کیا اور بریلی کے حضرات نے بھی کیا۔اب اگر بریلی کا مؤاخذہ بھاری پڑ گیا تو اس میں بریلی والوں کا کیا قصور۔''

(ماہنامہ اشرفیہ،مبارکپور،اکتوبر۲۰۰۲ء،سیّدین نمبر،صفحہ ۳۱۶،۳۱۷)

☆ حضرت سید شاہ محمد اسماعیل حسن شاہ جی میاں،رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ، سابق سجادہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ کو نواب سید سردار علی صاحب بہادر حیدر آباد،دکن کے نام اپنے ایک مکتوب میں مسئلہ اذانِ ثانی میں بدایونی علما سے ہونے والے اختلاف کی تفصیل بیان کی ہے۔اس خط کو''شمائم العنبر'' کے مقدمہ میں حضرت بحرالعلوم علامہ مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے نقل کیا ہے،ملاحظہ فرمائیں:

''اب تھوڑا سا حال محمد میاں سلّمہٗ کے رسالہ شائع کرنے کی ضرورت کا تحریر کرتا ہوں۔دبدبہ سکندری رام پور میں یہ مسئلہ طبع ہو کر مارہرہ پہنچا۔مہدی حسن نے اوّل دیکھا۔مجھے نمازِ جمعہ کے وقت دِکھا کر کہا گیا کہ مسئلہ بہت مدلل معلوم ہوتا ہے۔ہم اپنی مسجد میں اس پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔میں نے بھی دیکھا۔واقعی استناد کے ساتھ تھا۔میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔جب کتابیں دیکھ لوں گا، کہوں گا۔مگر میں بادی اس وقت نہیں ہوسکتا۔اگر آپ لوگ شروع کراتے ہیں،تو میں مانع بھی نہیں ہوں۔بہر حال اس جمعہ کو اذان فصیل مسجد پر ہوئی۔اس کے بعد میں نے اور محمد

میاں سَــلَّــمَــہٗ کے گھر پر آکر جہاں تک اپنا علم اور فہم تھا، اس حد تک اس مسئلہ کی تنقید کی۔ بالکل صحیح معلوم ہوا۔ اس کے بعد سے برابر مسجد خانقاہِ برکاتیہ میں سرکارِ کلاں وخورد میں اذانِ جمعہ بیرونِ مسجد ہونے لگی۔

اس کے بعد وہابیانِ بریلی اور کان پور وغیرہ کے اور بعض رامپوریوں کے رسائل وغیرہ اس فتوے کے خلاف میں آئے۔ مگر بالکل نامضبوط باتوں سے بھرے ہوئے۔ اصلاً کوئی مضبوط اِستناد اُن میں نہ تھا۔ ان کے دیکھنے سے زیادہ تر وثوق فتوائے اذان بیرونِ مسجد پر ہوا۔ بہر حال ہماری مسجد میں اذان باہر ہی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ عرس شریف اخی الأعظم حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہٗ کا وقت آیا اور اس میں بغرضِ شرکت مولانا عبدالمقتدر صاحب مع اپنے اعــــزّہ مولوی عبدالقدیر صاحب ومولوی عبدالماجد اور محبّ احمد صاحب اور ان کے صاحبزادے وغیرہ صاحبان متوسلان مدرسہ عالیہ قادریہ آئے اور مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب بھی آئے۔ مولانا عبدالمقتدر صاحب مع اپنے بعض ہمراہیوں کے فقیر کے تکیہ پر مقیم ہوئے اور مولانا احمد رضا خان صاحب مہدی حسن کے مکان پر مقیم ہوئے۔

ایامِ قیام میں ایک روز مولوی محبّ احمد نے تذکرہ اس مسئلہ کا چھیڑا۔ جناب مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔ میں نے فہمِ ناقص کے موافق جواب دیئے۔ برخوردار محمد میاں سَــلَّمَہٗ بھی آگیا۔ اس نے بھی جواب دیئے۔ ہمارے جوابِ لا جواب دیکھ کر مولوی محبّ احمد نے اپنی تقریر کا رُخ بدل کر ایسے کلام کیے، جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیں کچھ بے جا ذاتی طرفدار مولوی احمد رضا خان صاحب کا جانتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ خوب سمجھ لیں کہ مراسمِ محبت ومروت اور تعلیم اور تعلم وقدامتِ رشتۂ توسل، جو فقیر کو حضراتِ اکابرِ مدرسہ قادریہ کے ساتھ ہے، اس کا عشرِ عشیر مولوی احمد رضا خان صاحب

سے نہیں اور نہ ہوسکتا ہے، بلکہ معاملاتِ دنیاوی میں تو مولوی احمد رضا خان صاحب ہمارے اعزہ مخالفین کے ساتھ ہیں۔ مگر یہ معاملہ دینی ہے۔ اگر ہمارا جانی دشمن بھی دین کے امر میں حق پر ہوگا، تو ہم کیا، بلکہ سب سچے مسلمان اس کے ساتھ ہوں گے۔

بفضلہٖ تعالیٰ یہاں اس وقت سب پڑھے لکھے ہوئے صاحبوں کا مجمع ہے۔ ہمیں اقوالِ مفسرین ومحدثین وفقہا سے اس مسئلہ کو اپنا سا سمجھا دیجئے۔ ہم پھر مسجد کے اندر اذان دلوانے لگیں گے اور بہتر تو یہ ہے کہ اس وقت آپ دونوں طرف کے صاحب یہاں تشریف فرما ہیں اور اپنے آپ کو اس آستانہ کا خادم ومتوسل سمجھتے ہیں اور ہم سب آپ دونوں کو اپنے خاندان کا رُکنِ رکین سمجھتے ہیں۔ دونوں طرف والے بالمواجہہ بیٹھ کر اس مسئلہ کو صاف کر لیں۔ مگر محبّ احمد صاحب اور ان کے صاحبزادہ وغیرہم نے اس میں طرح طرح کی گریزانہ گفتگو کر کے مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کو اس پر نہ آنے دیا۔ میں نے مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب سے کہا کہ آپ ان سے اگر بالمواجہہ کلام فرمانا نہیں چاہتے، تو اپنا مسئلہ آپ ہم ہی کو سمجھا دیں۔ اس کے مستند دلائل بتا دیں، تو ہم جا کر مولانا احمد رضا خان صاحب سے کہیں کہ آپ اپنی رائے کو واپس لینے کا اظہار کیجئے اور اگر وہ جواب مدلل دیں، تو آپ سے عرض کریں، آپ مان لیں۔ اس پر بھی لوگوں نے مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کو نہ آنے دیا۔ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب نے فرمایا کہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ تکدر بڑھے گا۔ میں نے کہا کہ اس سے ضرور اس قدر فائدہ ہوگا کہ اگر وہ خواہ مخواہ آپ کے دلائل نہ مانیں گے، تو لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ برخلاف انصاف ہیں اور کم از کم فائدہ یہ ہوگا کہ ہم لوگ تو مسئلہ کی حقانیت سمجھ جائیں گے۔ مگر مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب نے کچھ توجہ نہ کی۔ اس مسئلہ کا ذکر ہی چھوڑ کر اور باتیں ہونے لگیں۔ اس کے بعد مولانا ((عبد المقتدر)) صاحب کئی روز یہاں تشریف رکھتے رہے۔ مگر تصفیہ پر آمادہ نہ ہوئے۔

یہاں سے تشریف لے جانے پر چند روز کے بعد ایک فتویٰ مولوی ابراہیم کی جانب سے شائع ہوا۔ جس کے مصدقین میں مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب بھی تھے۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ صاحبزادگانِ مارہرہ کے کہنے کے بموجب تحریر ہوا۔ اس فتوی میں بھی بالکل دلائل مضبوط نہ تھے۔ وہی تھے، جو وہابیانِ بریلی وغیرہ یا مخالفانِ رام پور وغیرہ نے لکھے تھے اور جن کا رد اہلِ تحقیق نے بہت واضح اور لائح کردیا تھا۔ مگر اس فتوی کا جواب نہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے لکھا اور نہ ہم لوگوں نے کچھ عرض کیا (۲) کہ ہم نے جو عرض کیا تھا، وہ کب مانا گیا۔ ہم نے فتوی تحریر کرنے کو کب کہا تھا اور فتوی بھی ایسا کہ جو ہمارے مدرسہ عالیہ کی شانِ علمی کی بالکل لائق نہیں ہے۔ اس خاموشی پر لحاظ نہ کر کے پھر دوسرا اشتہار صاحبانِ مدرسہ نے لکھا۔ تیسرا رد لکھوایا۔ مگر ہم لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوئی۔

مولوی احمد رضا خان صاحب کی طرف سے تیسرے رد کے بعد رد و جواب ہوا۔ جو مارہرہ میں حضرت بھائی صاحب قدس سرہ کے عرس ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوا۔ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عرس میں نہ تھے۔ ہم لوگوں نے اس سے کوئی حصہ نہیں لیا کہ دونوں صاحب جانیں اور سمجھیں۔ مولوی احمد رضا خان صاحب والے اس اشتہار کا جواب مولوی عبدالماجد صاحب نے عرس ہی میں قلمی عبدالواحد کے نام لکھا۔ جس کو غلام شبر صاحب فقیر کے پاس لائے۔ میں اسے دیکھا اور غلام شبر صاحب سے کہا کہ اس میں جواب تو کسی مسئلہ کا ہے نہیں۔ صرف مولوی احمد رضا خان صاحب کو سب و

(۲) صرف فقیر راقم نے ایک خط اس فتویٰ کے لکھنے والے مفتی صاحب کو لکھا تھا جس میں یہ امر ان کو دکھایا گیا تھا کہ ہم نے کس چیز کا اصرار کیا تھا اور اس کو آپ نے کس حد تک مانا ((یعنی ہم نے باہم تصفیہ کا کہا تھا لیکن آپ (علمائے بدایوں) اس پر آمادہ نہ ہوئے))، پھر خواہ مخواہ اس کی تحریر و اشاعت کا باعث ہمیں کیوں بتایا جاتا ہے۔ اس سے زائد اس فتویٰ کا رد و جواب کچھ نہیں لکھا تھا۔ (تاج العلما حضرت مولانا) محمد میاں (مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

شتم ہے۔ میری رائے میں تو اس کو اس قدر جلد اور بے سوچے شائع کرنا نہیں چاہیے، بلکہ بجائے اس کے یہ ہونا چاہیے کہ آپس میں جو ذاتی رنج ہو، وہ صاف کرلیا جائے اور مسئلہ کو بھی بلا نفسانیت یکے بعد دیگرے صاف کرلیں، تو بہت اچھا ہے۔ غلام شبر صاحب نے بھی میری اس رائے کی پسندیدگی ظاہر کی اور کہا کہ اچھا، ابھی شائع نہیں ہوگا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر شائع بھی ہو، تو اس میں یہ فقرہ نہ ہو کہ جس کا مفہوم اور محصل یہ ہے کہ صاحبزادوں میں سے جو اس مسئلہ میں اس پر ہیں کہ اذان مسجد سے باہر ہو، وہ فریب اور چکر میں ہیں۔ کیوں کہ جب یہ ہوگا، تو

ہمیں بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ ہم فریب اور چکر میں نہیں، بلکہ ہمیں تحقیقاتِ علمائے سلف اور محققینِ مذہب کے اتباع سے یہ مسئلہ اسی طرح حق معلوم ہوتا ہے۔

غلام شبر صاحب وعدۂ عدمِ اشاعت کر کے چلے گئے۔ مگر بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اشتہار قلمی لکھوا کر شائع کر دیا گیا اور ایک درگاہِ معلیٰ کے بڑے دروازہ خانقاہ پر چپکا دیا گیا۔ اس اشتہار کو جو دیکھا، تو معلوم ہوا کہ جو چوٹ اپنے مخدوم زادوں پر کی گئی تھی، وہ بدستور ہے۔ عبدالماجد صاحب تو نہیں ملے۔ کیوں کہ وہ موافق اپنے بزرگوں کے طریقہ کے صاحبانِ سرکارِ خورد سے مراسم بہت زیادہ رکھتے ہیں اور انہیں سے ان کو دلچسپی ہے۔ مگر جو صاحب ملے، ان سے کہا گیا کہ عبدالماجد صاحب نے بے کار ہم فقیروں کو بھی اپنے خلاف لکھنے پر مجبور کیا اور باوجود منع کرنے کے ہم پر چوٹ کی کہ جس سے عوام کی نظریں ہمارا فریب اور چکر میں پھنسا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

لہٰذا وہ دلائل کہ جن سے ہم اس مسئلہ کو حق جانتے ہیں، لکھ کر پیش کرنا پڑیں گے۔ یہ سبب محمد میاں سَلَّمَہُ اللّٰہ تعالیٰ کے رسالہ لکھنے کا ہوا اور ہنوز محمد میاں سَلَّمَہُ اللّٰہ تعالیٰ نے رسالہ مکمل نہیں لکھ لیا تھا کہ بدایوں اپنے خسر کے طلبیدہ گئے۔ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں بھی اس کا ذکر آیا۔ محمد میاں سَلَّمَہُ نے بمواجہ

مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب و مولوی عبدالقدیر صاحب و دیگر صاحبانِ مدرسہ کہا کہ آپ سب صاحب اس مسئلہ کو مجھے سمجھا دیں۔ جو حق ہوگا، وہ بلا نفسانیت مان لوں گا۔ مگر کسی صاحب نے کچھ مسکن جواب نہ دیا اور واقعی یہ ہے کہ یہ مسئلہ از روئے تحقیق بھی یہی ہے کہ اذان خارجِ مسجد ہو۔ اگر حضرت تاج الفحول قدس سرہ اس وقت پردہ فرمائے ہوئے ہماری ظاہری نظروں سے نہ ہوتے، تو اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی دلیلوں سے ثابت فرما دیتے کہ اذان مسجد کے باہر ہی چاہئے۔

محمد میاں سَلَّمہٗ نے بعد واپسی بدایوں رسالہ کی تکمیل کی اور طبع کرا کر مولانا ((عبد المقتدر)) صاحب کی خدمت میں جو اپنی تحقیقات تھی، بھیج دی۔ اس رسالہ کا نام ''مبحث الاذان'' ہے۔ اگر آپ کے پاس ہو، تو اس کو دیکھئے کہ اول سے آخر تک جناب مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کی کہیں خدانخواستہ توہین یا اہانت ہے۔ بلکہ مولانا ((عبد المقتدر)) صاحب سے رد میں خطاب بھی نہیں۔ عبدالواحد وغیرہ سے بکمالِ تہذیب انؒ کے استدلالات کے ضعف اور اپنے دلائل کی قوت بیان کی ہے۔ یہ رسالہ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کی خدمت میں چار ماہ قبل از وصال پہنچایا گیا تھا۔ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب نے اس کو دیکھا۔ مگر کسی طرح کا اپنا تکدر و ملال ہم پر ظاہر نہیں کیا۔ یہاں تک کہ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کا انتقال ہوا۔ جس کے بعد مولوی عبدالماجد نے چند اور صاحبوں کی کوششِ مجموعی کے ساتھ اس کا جواب تصنیف فرمایا۔ جو ایک ابھی کے طالبِ علم عبدالواحد کے نام سے چھپا اور اس میں کلمات خلاف تہذیب اور شان اپنے پیرزادوں کے تحریر فرمائے۔ ہمیں اس کا گلہ نہیں۔

ہاں! ان کا یہ رسالہ اگر ان کے والدِ ماجد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر ان کے جد الامجد اور حضرت مولانا مولوی عبدالحمید صاحب قدست اسرارھم دیکھتے اور حیاتِ ظاہری میں دنیا میں تشریف فرما ہوتے، تو عبدالماجد صاحب کو معلوم ہوتا کہ وہ

حضرات مدرسہ کے لڑکوں کے نام سے اپنے پیرزادوں کو ایسا سب وشتم کرنے سے راضی ہیں یا ناراض۔اوراب بھی جس کی چشمِ بینا ہے، وہ رضا مندی اور ناراضی ان حضرات کی معلوم کرسکتا ہے۔آپ ''مبحث الاذان'' اور اس کا یہ جواب ''مباحث الاذان'' دونوں دیکھئے اور اگر پاس نہ ہو،تو مجھ سے منگوا کر دیکھئے۔تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ محمد میاں سلم مَسَلَّمَہٗ نے صرف ایک فرعی مسئلہ میں دلائل اپنے مضبوط پا کر اس مسئلہ کو غیر مضبوط سمجھنے والوں اوراسے فریب و چکر میں پھنسا ہوا بنانے والوں کو نہایت تہذیب سے سمجھایا ہے''۔ (اہل سنت کی آواز، جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ)۔(یہ مکتوب حضرت تاج العلما مولانا اولادِ رسول محمد میاں مارہروی کی مرتبہ کتاب ''مفاوضات طیبہ'' (۱۳۵۴ھ) صفحہ:۱۹/ ۲۰/۲۱/۲۲ (عکسی مطبوعہ رضائے خواجہ، اجمیر شریف) میں بھی شائع ہوا تھا)۔حضرت بحرالعلوم اس خط سے معلوم ہونے والے نقاط ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''اس مفاوضہ عالیہ سے چند باتیں صاف ظاہر ہیں:

(۱) اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ۔اذانِ خطبہ بیرونِ مسجد کے خلاف بریلی، کان پور کے وہابیوں اور اہلِ رام پور کی تحریریں شائع ہو چکی تھیں۔اہلِ بدایوں اس قضیہ میں اس وقت شریک ہوئے، جب اس مسئلہ پر ان کی گفتگو ساداتِ مارہرہ سے ہوئی۔

(۲) اہلِ بدایوں نے صاحبِ سجادہ حضور شاہ جی میاں صاحب کی کوشش کے باوجود اعلیٰ حضرت سے اس مسئلہ پر بالمشافہ گفتگو سے انکار کیا۔(جو عرسِ نوری کے موقع سے مارہرہ آئے تھے) البتہ بدایوں واپس ہو کر اہلِ مارہرہ کے حوالہ سے ایک فتویٰ اذان اندرونِ مسجد کی حمایت میں جاری کیا۔

(۳) اولادِ رسول حضرت محمد میاں قادری علیہ رحمۃ الباری نے مفتی صاحب کو ایک خط کے ذریعہ سے اُسی وقت مطلع کر دیا تھا کہ فتویٰ کی تحریر واشاعت کا باعث ہمیں قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(۴) اس فتویٰ کا جواب مارہرہ شریف سے شائع ہوا، نہ بریلی سے۔ اس کے بعد اہلِ بدایوں نے دو مزید اشتہار اور رد شائع کیے۔ تب اہلِ بریلی کی طرف سے اس کا جواب شائع ہوا۔ (اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ بدایوں و بریلی میں جو معاہدہ ایک دوسرے کے رد نہ کرنے کا ہوا تھا، اس کو پہلے کس فریق نے توڑا)۔

(۵) حضراتِ ساداتِ مارہرہ کی رائے میں اس قضیہ میں حق اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کی طرف ہے"۔ (مقدمہ شائم العنبر)

مشائخ مارہرہ سے مسئلہ اذانِ ثانی میں علمائے اہلِ سنت، بریلی کی مزید تائید ملاحظہ کرنے کے لیے حضرت تاج العلما مولانا اولادِ رسول محمد میاں مارہروی کی مرتبہ کتاب "مفاوضات طیبہ" (۱۳۵۴ھ) (عکسی مطبوعہ رضائے خواجہ، اجمیر شریف) ملاحظہ کریں۔ (یہ کتاب انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے)

جب علمائے بدایوں سے مسئلہ اذانِ ثانی پر اختلاف ہوا تو علمائے دیوبند نے اپنی سابقہ رَوِش کے مطابق اس مسئلہ کی آڑ میں اپنا غبار نکالنے کی بے تمیز کوشش کی۔ ان کے اس مخالفانہ طرزِ عمل کے متعلق سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ اپنے خلیفہ مولانا عبدالسلام جبل پوری رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ کو فرماتے ہیں کہ (وہابیہ، دیابنہ):

"اس پیرایہ ((انداز)) میں اپنی مستمر ((جاری رہنے والی)) چہل سالہ سکوتوں ((چالیس سالہ خاموشیوں)) ہزیمتوں ((شکستوں)) کا عوض ((بدلہ)) لینا چاہتے ہیں حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل"

(مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مرتب مولانا پیر محمود احمد قادری صفحہ 34 مطبوعہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

برادرِ دینی و یقینی مفتیِ اعظم اُترکھنڈ، فاضلِ جلیل علامہ مولانا مفتی ذوالفقار خان نعیمی مدظلہ العالی اس مقدمۂ بدایوں کی روداد مرتب کرنا چاہتے ہیں، ریکارڈ ان کے پاس موجود ہے، دعا ہے کہ اللہ کریم ان کو توفیق دے کہ جلد اس کو منظرِ عام

پر لاسکیں۔

مسئلہ اذانِ ثانی پر اعلیٰ حضرت کا برحق مؤقف:

سیّدی اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"سُنن ابی داؤد شریف میں بسندِ حسن مروی ہے: حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحٰق عن الزهری عن السائب بن یزید رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال کان یؤذن بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔

(سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۱۵۵ باب وقت الجمعہ، مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور)

یعنی نفیلی نے بیان کیا کہ محمد بن سلمہ نے محمد بن اسحٰق سے انہوں نے زہری سے انہوں نے سائب بن یزید رضی اللّٰہ تعالٰی عنه سے روایت کیا کہ "رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم جب روزِ جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازے پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما کے زمانے میں"۔ اس حدیثِ جلیل نے واضح کر دیا کہ اس روبروئے امام پیشِ منبر کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ زمانہ رسالت وخلفائے راشدین سے کیا متوارث ہے۔ ہاں یہ کہیے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصلِ منبر کہنی شائع ہو رہی ہے مگر نصِ حدیث سے جُدا، تصریحاتِ فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں ایک یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں حالانکہ وہاں تو اُن تصریحاتِ ائمہ کے مقابل بین یدی وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں، پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے۔ الحمد للّٰہ! یہاں اس سنّتِ کریمہ کا احیا رب عزّوجلّ نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا،

میرے یہاں مؤذنوں کی مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی بحمداللہ تعالٰی منبر کے سامنے دروازۂ مسجد پر ہوتی ہے۔ جس طرح زمانۂ اقدس حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ہوا کرتی تھی ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم والحمدللہ رب العلمین (ترجمہ: یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور اللہ تعالٰی کے لئے سب تعریف ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے) بعض دیگر جن سے سائل نے دوسرا قول نقل کیا اگرچہ اتنا سمجھے کہ بین یدی سے داخلِ مسجد ہونا اصلاً مفہوم نہیں ہوتا مگر کتابوں پر نظر ہوتی تو خلافِ تصریحاتِ علمایہ ادعا نہ ہوتا کہ مسجد کے اندر مکروہ نہیں، ۱۳۰۲ ہجریہ میں فقیر بہ نیتِ خاک بوسی آستانہ علیہ حضرت سلطان الاولیا محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ بریلی سے شدالرحال (سفر کر کے) کر کے حاضر بارگاہِ غیاث پور شریف ہوا تھا۔ دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جانا ہوا، اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی۔ فقیر نے حسبِ عادت کہ جو امر خلافِ شرعِ مطہر پایا مسئلہ گزارش کر دیا اگرچہ اُن صاحب سے اصلاً تعارف نہ ہو۔ ان مؤذن صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، کہا، کہاں لکھا ہے؟ میں نے ''قاضی خان''، ''خلاصہ''، ''عالمگیری''، ''فتح القدیر'' کے نام لئے، کہا ہم اُن کی نہیں مانتے، فقیر سمجھا کہ حضرت طائفۂ غیر مقلدین سے ہیں، گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کسی کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا احکم الحاکمین جلّ جلالہٗ کا سچا حقیقی دربار تو ارفع واعلٰی ہے آپ انہی کچہریوں میں روز دیکھتے ہوں گے چپراسی، مدعی، مدعا علیہ، گواہوں کی حاضری، کچہری کے کمرے کے اندر کھڑا ہو کر

پکارتا ہے یا باہر؟ کہا باہر، کہا اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہرے گا یا نہیں؟ بولے اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب اُن کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا تسلیم کرلیا۔ ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست (ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہے) الحمدِ للہ حق واضح ہوگیا"۔

("اوفی اللمعة فی اذان یوم الجمعة" صفحہ ۷، ۸ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ۲۶۔ کامبکر اسٹریٹ، بمبئی۔ ایضاً فتاویٰ رضویہ جلد ۸ کتاب الصلاۃ مطبوعہ جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسئلہ اذانِ ثانی پر نہایت وقیع دلائل جمع کر کے اُمت کے سامنے پیش کیے۔ اور ایک سنت کو زندہ کرنے کے لئے آواز اُٹھائی اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اعلیٰ حضرت مجدّد ہیں اور مجدد کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی یہ بیان فرما دیا ہے:

ان اللّٰہ تعالیٰ یبعث لھذہ الامة علی راس کل مائة سنة من یجدد لھا دینھا۔ (ابوداؤد، کتاب الملاحم ۲/۲۳۳ المستدرک ۴/۵۲۲)

ترجمہ: "بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی پر ایسے شخص کو قائم کرے گا جو اس دین کو از سرِ نو نیا کردے گا۔"

مسئلہ اذانِ ثانی پر راقم کے پاس موجود کتب کی فہرست:

اعلیٰ حضرت اور دیگر علمائے اہلِ سنت و جماعت کی طرف سے مسئلہ اذانِ ثانی کے متعلق لکھی گئی اُن کتب کے نام ملاحظہ فرمائیں، جو راقم کے پاس موجود ہیں۔

1- "شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر"

مؤلف سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ مطبوعہ نوری کتب خانہ، دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور۔

2- ''أوفى اللمعة فِي أذانِ يَوْم الجُمُعَة''

مؤلف سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ۲۶ کامبیکرا
سٹریٹ، بمبئی۔

3- ''أذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ لِقِيَامِ سُنَّةِ نَبِي اللّٰهِ''

از افادات سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ، مرتب مولانا محبوب علی خان
لکھنوی مطبوعہ رضوی کتب خانہ، بازار صندل خان، بریلی شریف۔ ایضاً مطبوعہ دار
الرضا، لاہور۔

4- ''اَجلیٰ انوار الرضا''

مؤلف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع
اہل سنت و جماعت، بریلی بار اوّل۔ ایضاً مطبوعہ نوری کتب خانہ، بازار داتا دربار،
لاہور۔

5- ''سدُّ الفرار علی الصید الفرار''

مؤلف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع
اہل سنت و جماعت، بریلی بار اوّل ایضاً مطبوعہ دار العلوم رضائے خواجہ، اجمیر
شریف۔

6- ''سلامة اللّٰه لاهل السنة من سيل العناد و الفتنة''

مؤلف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع
اہل سنت، بریلی بار اوّل۔

7- ''مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ''

مؤلف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ اہل
سنت و جماعت، بریلی۔

8- ''وقاية اهل السنة عن مكر ديوبند و الفتنة''

مؤلف مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ

مطبع اہل سنت وجماعت، بریلی باراوّل۔

9- ''مقتل کذب وکید''

مؤلف مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ

مطبع اہل سنت وجماعت بریلی باراوّل۔

10- ''مقتل اکذب اجہل''

مؤلف مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ

مطبع اہل سنت وجماعت، بریلی۔

11- ''نفی العار من معائب المولوی عبد الغفار''

مؤلف مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ

مطبع اہل سنت وجماعت، بریلی باراوّل۔

12- ''النکۃ علیٰ مِرَاء کلکتہ''

مؤلف مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ

مطبع اہل سنت وجماعت، بریلی۔

13۔ ''التحقیق الحسان فی احکام الاذان'' بجواب'' تنشیط الاذان''

مؤلف مولانا عرفان علی قادری بیسلپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ حسنی پریس،

بریلی۔ باراوّل۔

14- ''اذانِ خطبہ کہاں ہو؟''

مؤلف حافظ عبد الحق خان رضوی مطبوعہ دائرۃ البرکات، کریم الدین پور، گھوسی، ضلع مئو۔

15- ''اَلْمَکَالِمَہ فی الاذانِ الثَّانِیْ یَوم الْجُمْعَہ''

از محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ انجمن اشاعت الحق

، بانڈ ہولی، شہر بنارس۔

16- ''مسئلہ اذانِ ثانی جمعہ پر ایک دلچسپ مکالمہ''

مابین صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی و مولانا معین الدین اجمیری

(ہفت روز دبدبۂ سکندری، رام پور ۴ دسمبر ۱۹۱۶ء نمبر ۶ جلد ۵۳ صفحہ ۳ تا ۶، مشمولہ کتاب ''تین تاریخی بحثیں مولف ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی مطبوعہ برکاتِ رضا فاؤنڈیشن، ممبئی)

17۔ ''مبحث الاذان''

مؤلف حضرت علامہ مولانا محمد میاں قادری برکاتی مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ (صفحات 32)

18۔ ''اذانِ جمعہ مسجد میں مکروہ ہے''

مؤلف مولانا فیض احمد اویسی بہاولپوری مطبوعہ قطب مدینہ پبلشرز، عطاری کتب خانہ، شہید مسجد، کھارادر، کراچی

19۔ ''اذانِ خطبہ کا مسنون مقام''

مؤلف مولانا شہادت حسین نوری مطبوعہ دار العلوم انوار المصطفیٰ، اسٹیشن روڈ شاہ آباد ضلع ہر دوئی، یوپی (صفحات ۱۷۵)۔ اگر اللہ کریم نے چاہا تو ان سب کتب کا مجموعہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا تا کہ یہ علمی مواد یکجا محفوظ ہو جائے۔

ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی کا فریب:

ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف اپنا غبار نکالتے ہوئے لکھا ہے:

''جمعہ کی اذانِ ثانی کو مسجد سے باہر کرنے کے لئے سب سے پہلے مولانا احمد رضا خان اُٹھے اور حضرت عثمان سے اختلاف کیا جو مسئلہ شیعہ کے سوا کسی کے ہاں اختلافی نہ تھا اسے اختلافی بنا دیا۔''

(مطالعہ بریلویت، جلد ۷، صفحہ ۴۷ دار المعارف، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور)

ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی کے فریب کا مدلل جواب:

☆ ڈاکٹر صاحب نے حسبِ عادت ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو شیعہ کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے۔ تا کہ آپ کو موردِ طعن بنایا جاسکے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب اپنے اس مذموم مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیوں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اذانِ ثانی کے جائز ہونے کا انکار نہیں کیا، بلکہ اذان دینے کی جگہ کے متعلق سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وسنتِ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت حق موقف بیان کیا ہے۔ (اس مسئلہ پر اعلیٰ حضرت کا مؤقف پہلے صفحات میں نقل کیا جاچکا ہے) جب کہ اس کے برعکس شیعہ تو اصلاً اس اذان کو جائز ہی نہیں مانتے بلکہ بدعتِ عثمانی کہتے ہیں۔ شیعہ کے مزعومہ "اعلم العُلماءِ والمجتهدين رئيس المِلّة وَالدِّين زعيم الحوزة العِلمِيّة آية اللہ العظمیٰ" سید علی حسینی سیستانی کے فتاویٰ پر مشتمل کتاب "توضیح المسائل" میں جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

"جمعہ کے دن کی دوسری اذان بدعت ہے"

(توضیح المسائل صفحہ 122 مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پوسٹ بکس نمبر 5425 کراچی، پاکستان)

☆ شیعہ کے علاوہ معترض ومعاند ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی کے ہم مسلک مولوی ابوبکر غازی پوری دیوبندی صاحب نے بھی اذانِ ثانی کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جمعہ کی اذانِ عثمانی کو شیعہ بدعت کہتے ہیں یا غیر مقلدین۔ ابوبکر غازی پوری دیوبندی کے مقالہ کے چار اقتباسات ذیل میں ملاحظہ کریں:

پہلا اقتباس:

"تمام محدثین وفقہا اور پوری ملتِ اسلامیہ اِس اذان کو مسنون مانتی ہیں اور

پورے عالمِ اسلام میں صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر آج تک اس اذان پر عمل ہو رہا ہے، اہلِ سنت کی تمام مساجد میں جمعہ کی دو اذان ہوتی ہے، البتہ امت کے اس اجماعی عمل کے خلاف شیعوں نے اس اذان پر بدعت ہونے کا حکم لگایا ہے اور انہیں کی اتباع وتقلید میں غیر مقلدین بھی اس اذان کو بدعت قرار دیتے ہیں اور نام رکھے ہوئے ہیں اہلِ حدیث اور سلفی۔''

(دوماہی مجلّہ ''زمزم'' غازی پور، انڈیا، جلد:۴ شمارہ:۳ صفحہ ۴۷)

دوسرا اقتباس:

''ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''منہاج السنہ'' جلد ثالث ص ۲۰۴ و ۲۰۵ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شیعہ رافضی کا یہ کہنا کہ جمعہ کی اذانِ عثمانی بدعت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ بدعت تھی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس بدعت کو ختم کیوں نہیں کر دیا۔ اگر یہ اذان بدعت تھی تو کسی صحابی نے اس پر انکار کیوں نہیں کیا؟ اگر شیعہ اور رافضی یہ کہتے ہیں کہ یہ اس لیے بدعت ہے کہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، حضرت عثمان نے اس کو بلا دلیلِ شرعی جاری کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان رافضیوں اور شیعوں کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان نے اس کو بلا دلیلِ شرعی جاری کیا؟ اگر تمہیں اس کی دلیلِ شرعی نہیں معلوم تو کیا ضروری ہے کہ حضرت عثمان کو بھی اس کی دلیلِ شرعی معلوم نہ ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: 'حضرت عثمان کا یہ وہ فعل تھا جس کو ساری امت نے بالاتفاق قبول کیا ہے چاروں مذاہب والوں کا اس پر عمل ہے جیسا کہ تمام امت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تراویح والے عمل کو ایک امام کے پیچھے باجماعت تراویح پڑھنا بالاتفاق قبول کر لیا ہے اور آج تک ساری امت اسی طرح تراویح پڑھتی ہے'، ابن تیمیہ مزید فرماتے

ہیں: و کلھم متفقون علٰی اتباع عمر و عثمان فیما سناہ یعنی ساری امت حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے مسنون و جاری کردہ عمل کو بالاتفاق قابلِ اتباع سمجھتی ہے۔ تعجب ہے کہ جماعتِ غیر مقلدین شیعوں کی اتباع و تقلید میں ایک ایسے عمل کو بدعت قرار دیتی ہے جس کو ساری امت نے سنت سمجھ کر قبول کیا ہے اور اس لیے اس کو سنت سمجھا ہے کہ خلفائے راشدین کا کوئی عمل بدعت نہیں ہوتا ہے بلکہ بحکم رسول اللہ وہ سنت ہی ہوتا ہے"۔ (دوماہی مجلّہ "زمزم" غازی پور، انڈیا صفحہ جلد: ۳ شمارہ: ۳ ص 48)

تیسرا اقتباس:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ اذان کو بدعتِ شرعی قرار دینا کسی اہلِ سنت والجماعت سے متصور نہیں ہوسکتا، یہ صرف شیعوں رافضیوں اور غالی اور متشدد قسم کے غیر مقلدین کا عقیدہ ہے۔ میں نے غالی و متشددین کی بات اس لیے کی ہے کہ سنجیدہ غیر مقلدین بھی اس اذانِ عثمانی کو بدعت نہیں قرار دیتے بلکہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔"

(دوماہی مجلّہ "زمزم" غازی پور، انڈیا جلد: ۳ شمارہ: ۳ صفحہ 49,50)

چوتھا اقتباس:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ اذان کو بدعت کہنا جیسا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں بڑی جرأت اور بڑی جسارت اور خلفائے راشدین کی شان میں نہایت گستاخی ہے۔"

(دوماہی مجلّہ "زمزم" غازی پور، انڈیا، جلد: ۳ شمارہ: ۳ صفحہ 53)

مولوی ابوبکر غازی پوری دیوبندی صاحب کے ان اقتباسات سے ثابت ہوا کہ شیعہ اور غیر مقلدین اذانِ ثانی کو جائز ہی نہیں مانتے۔ جب کہ اعلیٰ حضرت اس

کو جائز مانتے ہیں (اس مسئلہ پر اعلیٰ حضرت کا مؤقف آپ پہلے صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں)۔ ڈاکٹر صاحب نے حسب عادت جو الزام اعلیٰ حضرت پر لگایا بحمدہٖ تعالیٰ اس کی خوب تردید ہوگئی۔

مسئلہ اذانِ ثانی پر تعامل کے متعلق دیوبندی اعتراض کا جواب دیوبندی علماء سے:

رہا دیوبندیہ کا یہ اعتراض کہ اذانِ ثانی کے داخلِ مسجد ہونے پر تعامل، توارث رہا ہے۔ تو اس کا جواب پیش ہے۔ دیوبندیوں کے مزعومہ ''امام'' اور ''فقیہ النفس'' مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب نے جماعتِ ثانیہ کے متعلق اپنے رسالہ میں لکھا ہے:

''قرونِ ثلاثہ کے بعد کسی قرن میں بغیر کسی حجت شرعیہ قائم کئے کسی مصلحت کی وجہ سے کوئی بات پیدا ہوگئی اور اخلاف نے اسلاف کے اتباع کی وجہ سے اس پر عمل شروع کر دیا اور ہوتے ہوتے وہ مسلمات اور ضروریات کے درجے تک پہنچ گیا کہ چھوڑنا ضروریاتِ دین کو چھوڑنے کے برابر خیال کیا جانے لگا تو اس صورتِ عمل کو رواج کہتے ہیں یہ کوئی دلیل نہیں ہوئی اور ہرگز قابلِ التفات نہیں ہوتا اگرچہ علماء نے بھی بلاتردد اس پر عمل کیا ہو۔''

(القطوف الدانیہ مشمولہ تالیفات رشیدیہ، صفحہ ۴۷۷، ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی، لاہور)

اسی سلسلۂ گفتگو میں چند سطر بعد رشید گنگوہی صاحب نے مزید لکھا ہے:

''توارثِ اجماعی بھی اُس وقت معتبر ہوتا ہے جبکہ تعامل صحابہ اور قرونِ ثلثہ کے خلاف نہ ہو اور "مارآہ المسلمین" اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قولی، فعلی، تقریری اور صحابہ کرام و تابعین ابرار و مجتہدین عظام علیہم الرضوان سے اس میں کوئی تصریح نہ ہو اور اگر ہو تو پھر مسلمانوں کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کو اس میں دخل نہ ہوگا حتیٰ کہ مجتہدین کا اجتہاد بھی معتبر نہ ہوگا چنانچہ شارحِ منیہ نے کہا ہے کہ روایت کے خلاف

درایت لینا مناسب نہیں ہے۔"

(القطوف الدنیہ مشمولہ تالیفات رشیدیہ صفحہ ۴۷۷، ادارۂ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی، لاہور)

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی کے نام سے شائع کتاب "براہین قاطعہ" کے چار اقتباسات ملاحظہ کریں جن میں لکھا ہے:

"اگر کروڑ اہل علماء بھی فتویٰ دیویں بمقابلہ نص کے ہرگز قابل اعتبار کے نہیں اگر کچھ بھی علم وعقل ہو تو ظاہر ہے۔"

(براہین قاطعہ صفحہ 169 مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

"جو ایک دو عالم موافق نصوصِ شرعیہ کے فرمادے اور اس کی تمام دنیا مخالف ہو کر کوئی بات خلافِ نصوص اختیار کرے تو وہ ایک دو ہی عالم مظفر منصور اور عنداللہ مقبول ہوویں گے۔"

(براہین قاطعہ صفحہ 169 مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

"ارشادِ فخر عالم ہے کہ جو موافق کتاب وسنت کے کہے وہ طائفہ قلیلہ اگرچہ رجلِ واحد بھی ہو وہ علی الحق اور اس کی مخالف تمام دنیا بھی ہو تو مردود ہے۔"

(براہین قاطعہ صفحہ 169 مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

"طریقہ صحابہؓ کا حسب ارشاد ان احادیث کے میزان ہے جس کا طریقہ اور قول وضع صحابہؓ سے موافق ہے وہی حق ہے الحاصل مثل آفتاب نصف النہار کے واضح ہو گیا کہ اکثر المسلمین اور جماعت کثیرہ اور سوادِ اعظم اہل السنت والجماعت ہیں اور ان کا طریقہ موجب نجات اور سنت ہے اور اس کے ہی التزام کا حکم ہے پس جو اس کے موافق ہے اگرچہ ایک ہی عالم ہو وہ سوادِ اعظم اور حق ہے اور جو اس کے خلاف کہے اگرچہ تمام عالم ہو باطل ہے۔"

(براہین قاطعہ صفحہ 171,172 مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

مولوی حکیم اسحاق بلیاوی دیوبندی صاحب نے تعامل کے متعلق لکھا ہے:

"غیر مشروع امور عرف وعادت سے مشروع نہیں ہو جایا کرتے"

(قاطع الوریدمن المبتدع العنید ملقب بہ الابداع فی مسئلۃ خطبۃ الوداع صفحہ ۸۹ مطبوعہ بلالی سٹیم پریس ،ساڈھورہ)انہی دیوبندی مولوی صاحب نے اپنی کتاب کے آخری صفحہ پر مزید لکھا ہے:

''مسلمانوں میں جو چیز خلاف شرع رواج پا جاوے وہ رواج سے جائز نہیں ہو سکتی''

(قاطع الوریدمن المبتدع العنید ملقب بہ الابداع فی مسئلۃ خطبۃ الوداع مطبوعہ بلالی سٹیم پریس ،ساڈھورہ)

مولوی رشید احمد گنگوہی ،مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی اسحاق بلیاوی دیوبندی کے پیش کئے گئے ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر کسی مسنون فعل کے خلاف کوئی فعل رواج پا جائے حتیٰ کہ مجتہدین بھی اس کے حق میں فتویٰ دے دیں ،تب بھی اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔لہٰذا اذانِ ثانی کے متعلق تعامل والا شبہ ہرگز قابلِ مسموع نہیں۔کیونکہ مولوی عبدالشکور لکھنوی ،مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی اور دیگر دیوبندیوں کے پیش کیے گئے حوالہ جات سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے دور میں خارجِ مسجد ہوتی تھی۔ہشام بن عبدالملک نے اس کو داخلِ مسجد کیا۔تعامل کے متعلق مزید وضاحت سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمہ کی کتاب "شمائم العنبر" کے چوتھے شمامہ کا نفحہ ۹ تا ۱۴ ملاحظہ کریں۔

حضرت علامہ عبدالحیٔ لکھنوی سے اعلیٰ حضرت کی تائید:

حضرت علامہ عبدالحیٔ لکھنوی (جو کہ علمائے دیوبند کے ہاں بھی مستند تسلیم کیے جاتے ہیں) نے بھی مسئلہ اذانِ ثانی میں سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بلاشبہ ابوداؤد کی روایت سے یہ امر ثابت ہے کہ اذانِ ثانی خارجِ مسجد روبروئے خطیب ہوتی تھی فان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اذا جلس علی المنبریوم الجمعة علی باب المسجد۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتے تو آپ کے روبرو مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی۔"

(فتاویٰ عبدالحی، ج:۱،ص:۲۴۹، ناشرایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل پاکستان چوک، کراچی۔اردو ترجمہ: مفتی برکت اللہ لکھنوی)

مولانا عبدالحی لکھنوی کے اس اقتباس سے ثابت ہوا کہ دورِ رسالت میں جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد سے باہر ہوتی تھی۔

سرِ دست اس مضمون میں سیدی اعلیٰ حضرت کے بغیض علمائے دیوبند کے موقف کی تردیداور اعلیٰ حضرت کے مؤقف کی تائید دیوبندی اور غیر مقلد وہابی علما سے پیش کی جارہی ہے تاکہ اس مسئلہ میں بھی سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے موقف کی حقانیت ان کے مخالفین پر واضح ہو سکے کہ اگر چہ علمائے دیوبند نے اس مسئلہ میں سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اختلاف کیا لیکن پھر بھی بعض دیوبندی اکابر علما کو سیّدی اعلیٰ حضرت کے موقف کی صداقت کوتسلیم کرنے کے سوا چارہ نظر نہ آیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں جمعہ کی دوسری اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی: مولوی عبدالشکور لکھنوی دیوبندی

1- امام الدیابنہ مولوی عبدالشکور دیوبندی صاحب نے اپنی کتاب ''علم الفقہ'' میں جمعہ کی دوسری اذان کے متعلق حاشیہ میں لکھا ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ اذان بھی مسجد کے اندر نہ ہوتی تھی مگر عبدالملک نے اپنے زمانہ میں اس کو مسجد کے اندر داخل کرلیا۔''

(علم الفقہ ،صفحہ ۱۶۰، حصہ دوم، دارالاشاعت، اردو بازار کراچی)

ضروری نوٹ: نام کے متعلق یہاں مولوی عبدالشکور لکھنوی سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ صحیح نام ہشام بن عبدالملک ہے۔

اذانِ ثانی پر صحابہ کا اتفاق ہے: مولوی ادریس کاندھلوی دیوبندی

2۔ مولوی ادریس کاندھلوی دیوبندی صاحب نے اپنی کتاب میں اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

> ''تمام صحابہ کرام مہاجرین اور انصار نے حضرت عثمانؓ کے اس عمل کو مستحب اور مستحسن سمجھا اور حضرت علیؓ نے بھی اس کی موافقت فرمائی حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس اذانِ ثانی کو برقرار رکھا اور اسی پر تمام مذاہبِ اربعہ کا اتفاق ہے۔''

(خلافتِ راشدہ صفحہ 144 مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ، فیروز پور روڈ، لاہور)

مذکورہ بالا اقتباس میں مولوی ادریس کاندھلوی دیوبندی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی کے جائز ہونے پر تمام صحابہ اور مذاہبِ اربعہ کا اتفاق ہے۔ اور مولوی ادریس کاندھلوی دیوبندی کے اس اقتباس سے پہلے مولوی عبدالشکور لکھنوی دیوبندی کی کتاب ''علم الفقہ'' کا اقتباس نقل کیا ہے، جس میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ اذان مسجد میں نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا دونوں حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ اذانِ ثانی کے مسجد سے باہر ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا اتفاق ہے۔ اس لیے اگر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمعہ کی اذانِ ثانی کے مسجد سے باہر ہونے کا فتویٰ دیا ہے تو یہ بالکل برحق ہے اور اعلیٰ حضرت کے بُغض میں دیوبندی علما کا صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے اتفاقی عمل کی مخالفت کرنا سراسر غلط ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی: یالن حقانی دیوبندی

3۔ قاری طیب دیوبندی، سابق مہتمم دیوبند اور دیگر دیوبندی علما کی تائید کردہ کتاب

''شریعت یا جہالت'' میں مسئلہ اذانِ ثانی کے متعلق پالن حقانی دیوبندی صاحب نے لکھا ہے:

''ابن الحاج محمد مالکی نے اپنی کتاب ''مدخل'' میں لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان میں سنت طریقہ یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اذان دینے والا مینارہ پر ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں یہی طریقہ تھا۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک اذان اور زیادہ کردی گئی۔ جو زوراء پر ہوتی تھی (زوراء مدینہ منورہ کے بازار کو کہتے ہیں) اور وہ اذان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی وہ مینار پر ہی ہوتی رہی، (یعنی چھت پر) پھر جب ہشام بن عبدالملک والی ہوا (یعنی حاکم بن بیٹھا) تو اُس نے اِس اذان کو جس کی ابتدا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہوئی تھی مینارہ پر کردی۔ اور اُس وقت تک مؤذّن ایک ہی ہوتا تھا جو اذان زوال کے بعد دیتا تھا۔ پھر امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت۔ جو اذان مینارہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے شروع زمانہ میں ہوتی تھی اُس کو امام کے سامنے کردیا (حاشیہ شرح وقایہ عربی جلد اوّل ص ۲۴۵، باب الجمعہ) میرے عزیز دوست! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ہی اذان تھی جو مسجد کی چھت پر ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے تک یہی دستور رہا، اس کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی تو آپ نے ایک اذان زیادہ کردی اور وہ اذان مدینہ منورہ کے بازار میں ہوتی تھی۔ پھر ہشام بن عبدالملک جب تخت پر بیٹھا تو اس نے بازار والی اذان کو مینارہ پر کردیا، اور جو اذان مینارہ پر ہوتی تھی اس کو مسجد کے اندر منبر کے سامنے کردیا اور اس عمل کو سبھوں نے پسند کرلیا، کسی نے

اس کی مخالفت نہیں کی۔ تو اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جمعہ کی اذان جو منبر کے سامنے ہوتی ہے وہ بھی جائز ہے اور مسجد کے باہر دیں تو بھی جائز ہے"

(شریعت یا جہالت صفحہ 505، 506 مطبوعہ دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔ 1981ء)

علمائے دیوبند کی تائید کردہ کتاب "شریعت یا جہالت" سے ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی دور میں اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی۔ ہشام بن عبدالملک نے اذان کو داخلِ مسجد کیا۔ اب آپ ہی بتائیے اعلیٰ حضرت نے اگر یہ فرمایا ہے کہ "اذان مسجد سے باہر ہو" تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سنت کا احیا ہی کیا ہے اس میں کون سی غلط بات ہے؟۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق اعلیٰ حضرت کا مؤقف درست ہے: انور شاہ کشمیری دیوبندی

4۔ علمائے دیوبند کے مزعومہ "امام اعظم" مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب نے بھی مسئلہ اذانِ ثانی کے مسجد سے باہر ہونے کے سلسلہ میں سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مؤقف کو درست قرار دیا۔ مولوی احمد رضا بجنوری دیوبندی صاحب نے اپنے استاد مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب سے نقل کیا ہے کہ کشمیری صاحب نے کہا:

"تقریباً بیس اکیس سال پہلے احمد رضا خان نے اذانِ ثانی للجمعہ کے خارجِ مسجد ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور صرف یہی مسئلہ ہے کہ اس نے حق کہا ہے۔"

(انوار الباری، باب الاذان یوم الجمعہ، جلد ۷ صفحہ ۱۲۸، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان)

ابوداؤد کی حدیث سے اعلیٰ حضرت کا مؤقف ثابت ہے: مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی

5۔ اس کے بعد کشمیری صاحب نے مسئلہ اذانِ ثانی کے متعلق سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ

اللہ تعالی علیہ کے مؤقف کی تائید کرتے ہوئے مزید کہا:

''حضرت مولانا شیخ الہند سے میری اس مسئلہ میں گفتگو ہوئی اور میں نے ان سے بھی یہی بات کہی تھی...... کہ یہ بات اس نے حق کہی ہے کیونکہ ابوداؤد میں تصریح کی ہے کہ حضور اکرم . . . . . کے زمانہ میں اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی (اندر نہ ہوتی تھی) اور اندر ہونے کی اصل بنی امیہ سے ہے۔''

(انوار الباری باب الاذان یوم الجمعہ، جلد ۱۷، صفحہ ۱۲۸، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان)

اذانِ ثانی کے مسجد میں ہونے کے متعلق کسی کے پاس مذاہبِ اربعہ سے کوئی دلیل نہیں: انور شاہ کشمیری دیوبندی

6۔ اذانِ ثانی کے متعلق کشمیری دیوبندی صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''میں حیران رہا اور سمجھا کہ ((اذانِ ثانی کے داخل مسجد ہونے کے متعلق)) اور کسی کے پاس کچھ سامان تو تھا نہیں۔''

(انوار الباری، باب الاذان یوم الجمعہ، جلد ۱۷، صفحہ ۱۲۸ ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان)

7۔ اسی ''انوار الباری'' میں ایک اور مقام پر اسی طرح کی بات لکھی ہے جس میں انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب نے کہا:

''چاروں مذاہب میں اندر ہونے کا سامان نہیں۔''

(انوار الباری باب الاذان یوم الجمعہ، جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۸، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، بیرونِ بوہڑ گیٹ، ملتان)

جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد میں دینا بنی امیہ کا عمل ہے یہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے: انور شاہ کشمیری دیوبندی

8۔ اسی سلسلۂ گفتگو میں انور شاہ کشمیری صاحب نے اذان ثانی کے داخلِ مسجد ہونے کو روکنے کے لیے کہا ہے:

''بنی امیہ کے عمل کو گرنا چاہیے تھا مگر اب تک اسی پر عمل ہوتا آیا۔''

(انوار الباری باب الاذان یوم الجمعہ، جلد ۱۷، صفحہ ۱۲۹، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان)

مولوی عبدالشکور لکھنوی دیوبندی، مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی اور پالن حقانی دیوبندی کے پیش کیے گئے مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ جمعہ کی اذان ثانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنھم کے ادوار میں مسجد سے باہر دی جاتی تھی۔ لیکن ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی نے لکھ دیا ہے:

''جمعہ کی اذان منبر کے سامنے یہ اذان حضرت عثمان کے وقت سے مسجد میں ہورہی ہے''

(مطالعہ بریلویت، جلد ۷ صفحہ ۴۷، دار المعارف الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور)

ڈاکٹر صاحب کی اس بات کی تردید کے لیے ان کے اپنے دیوبندی علما کے پیش کیے گئے اقتباسات ہی کافی ہیں۔

9۔ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد سے باہر بھی جائز ہے: مفتی کفایت اللہ دیوبندی

پالن حقانی دیوبندی صاحب نے اذانِ ثانی کے متعلق دیوبندی فرقہ کے مزعومہ مفتی اعظم مولوی کفایت اللہ دہلوی صاحب کا مؤقف بھی نقل کیا ہے، ملاحظہ کریں:

''صدر مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی کا فتویٰ۔ سوال: خطبہ کی اذان کس جگہ ہونی چاہیے؟ جواب: خطیب کے سامنے ہونی چاہیے، منبر کے پاس ہو، یا ایک دو صفوں کے بعد یا ساری صفوں کے بعد، مسجد میں ہو یا باہر، ہر طرح جائز ہے۔ (تعلیم الاسلام حصہ چہارم ص ۴۸ جمعہ کی نماز کے بیان میں)''

(شریعت یا جہالت صفحہ 506 مطبوعہ دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔ 1981ء)

قارئین نے یہ اقتباس بھی ملاحظہ فرمایا جس میں دیوبندی مفتی نے لکھا ہے کہ اذان مسجد کے اندر بھی جائز ہے اور باہر بھی۔ حالانکہ ان کو لکھنا چاہیے تھا کہ مسجد کے باہر اذان دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنھم کی سنت سے ثابت ہے۔ اس لیے اذان مسجد کے باہر ہی دی جائے۔ لیکن مفتی صاحب نے ایسا نہیں

لکھا۔ حیرانگی ہے کہ یہی دیوبندی معمولات اہلِ سنت میلاد، فاتحہ، عُرس پر حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم کے افعال سے ثبوت طلب کرتے ہیں لیکن مسئلہ اذانِ ثانی پر ان کا معیار بدل جاتا ہے اور حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم کی سنت کی بجائے ہشام بن عبدالملک کی سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور سنتِ نبوی کا احیا کرنے والے والے عالمِ ربانی اعلیٰ حضرت پر تبرّا کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی صاحب نے سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللّٰہ علیہ کو موردِ طعن ٹھہراتے ہوئے لکھا ہے:

''جمعہ کی اذانِ ثانی کو مسجد سے باہر کرنے کے لئے سب سے پہلے مولانا احمد رضا خان اُٹھے۔''

(مطالعہ بریلویت، جلد ۷ صفحہ ۴۷، دار المعارف الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور)

ڈاکٹر صاحب! بتایئے، کیا دیوبندی مذہب میں سنتِ نبوی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا احیاء کرنا بھی قابلِ طعن سمجھا جاتا ہے؟

مسجد میں اذان کے قائلین سے زبردست مطالبہ:

☆ ، سیّدی اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''حاشیہ طحطاوی میں ہے: **یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم ،فان لم یکن ثمہ، مکان مرتفع للاذان یؤذن فی فناء المسجد کما فی الفتح۔**

یعنی ''مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں نظم سے منقول ہے تو اگر وہاں اذان کے لئے کوئی بلند مکان نہ بنا ہو تو مسجد کے آس پاس اُس کے متعلق زمین میں اذان دے جیسا کہ ''فتح القدیر'' میں ہے''۔ (حاشیۃ

الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الاذان، صفحہ ۲۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) یہ تمام ارشادات صاف صاف مطلق بلا قید ہیں جن میں جمعہ وغیرہا کسی کی تخصیص نہیں، مدعی تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلماتِ صریحہ معتمدہ میں اذانِ ثانی جمعہ کا استثناء دکھائے مگر ہرگز نہ دکھا سکے گا"۔

(اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ صفحہ ۴، ۵ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ۲۶۔ کامبیکر اسٹریٹ، بمبئی۔ ایضاً فتاویٰ رضویہ جلد ۸ کتاب الصلاۃ مطبوعہ جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)

سیّدی اعلیٰ حضرت کے اس زبردست مطالبہ کی روشنی میں اب ذیل میں وہ حوالہ جات پیش کیے جارہے ہیں جن میں دیوبندی علما نے مطلقاً تسلیم کیا ہے کہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے۔

اذان مسجد سے باہر دینا سنت ہے: پالن حقانی دیوبندی

10۔ قاری طیب دیوبندی سابق مہتمم دیوبند اور دیگر دیوبندی علماء کی تائید کردہ کتاب "شریعت یا جہالت" میں پالن حقانی دیوبندی صاحب نے لکھا ہے:

"سنت یہ ہے کہ اذان اونچی جگہ دے مسجد کے اندر نہیں بلکہ میذنا ((منارہ یا اذان دینے کی جگہ۔ میثم قادری)) پر یا مسجد سے باہر ہونی چاہیے۔" (عین الہدایہ جلد نمبر 1 ص 295 باب الاذان، اور عالمگیری جلد 1 ص 75 باب الاذان میں بھی ہے)۔"

(شریعت یا جہالت صفحہ 505 مطبوعہ دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔ 1981ء)

اس اقتباس میں "عین الہدایہ" اور "فتاویٰ عالمگیری" کے حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے۔

اذان کا مسجد سے باہر دینا اولیٰ ہے: مفتی شیخ فرید دیوبندی

11۔ علمائے دیوبند کے مزعومہ "محدثِ کبیر" اور "فقیہ العصر" مفتی شیخ فرید صاحب نے بھی اذان کے متعلق لکھا ہے:

''اذان کا مسجد سے باہر دینا اولیٰ ہے۔''

(فتاویٰ فریدیہ جلد دوم، صفحہ ۱۸۱ ناشر مہتمم دار العلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی)

اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے: مفتی عبدالحق دیوبندی

12۔ مفتی عبدالحق دیوبندی صاحب نے لکھا ہے:

''بہتر یہ ہے کہ اذان مسجد سے باہر اونچی جگہ پر دی جائے لان بلالا رضی الله عنہ کان یوذن علی بیت امرءة من بنی النجار و کان اطول بیت حول المسجد کما فی ابی داؤد ص۷۷ وفی الهندیہ ص۵۷ جلدا و ینبغی ان یوذن علی الماذنة او خارج المسجد و لا یوذن فی المسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان''

(فتاویٰ حقانیہ، جلد ۳ صفحہ ۱۹۳، ناشر جامعہ دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)

اذان مسجد سے باہر دینی مستحب ہے: مولوی تنویر احمد شریفی دیوبندی

13۔ مولوی تنویر احمد شریفی دیوبندی صاحب نے لکھا ہے:

''اذان مسجد کے باہر دینا مستحب ہے۔''

(انگوٹھے چومنے کا مسئلہ دیوبند کی عدالت میں صفحہ ۲۲ ناشر الامین مسلم آباد نیو ایم اے جناح روڈ کراچی)

مسجد میں اذان دینی مکروہِ تنزیہی ہے، دورِ رسالت میں مسجد سے باہر دی جاتی تھی: مولوی شکیل حقانی دیوبندی

14۔ مولوی شکیل احمد حقانی دیوبندی خلیفۂ مجاز مفتی فرید دیوبندی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اذانِ پنجگانہ خارج عن المسجد ((مسجد سے باہر)) ہوتی تھی''

(اذان کے احکام و مسائل صفحہ ۸۲ پبلشرز: نیو سہیل پرنٹنگ پریس، اسد مارکیٹ، نیواڈہ، مردان طبع ۲۰۰۴ء)

مولوی شکیل حقانی دیوبندی صاحب نے مزید لکھا ہے:

''مسجد میں اذان دینا خلافِ اولیٰ یعنی مکروہِ تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اذان میں رفع صوت (آواز بلند کرنا) اور صیاح (چیخنا) ہوتا ہے جو آدابِ مسجد کے خلاف ہے اور مسجد محل مناجاتِ الٰہی ہے اس لیے مسجد میں بلند آواز سے بولنا مناسب نہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنی مسجد کو اپنے بچوں، دیوانوں اور آوازوں کے اونچا کرنے سے بچاؤ''

(اذان کے احکام و مسائل صفحہ ۸۳ پبلشرز: نیو سہیل پرنٹنگ پریس، اسد مارکیٹ، نیو اڈہ، مردان، طبع ۲۰۰۴ء)

اذان مسجد سے باہر دینی چاہیے:

15۔ دیوبندیوں کی طرف سے شائع کردہ مُلّا علی قاری مکی ہَرَوِی کی کتاب ''الحزب الاعظم'' کے حاشیہ پر لکھا ہے:

''جو شخص اذان دینا چاہے اسے چاہیے کہ پاک صاف ہو کر کسی بلند مقام پر مسجد سے علیحدہ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو''

(الحزب الاعظم صفحہ 185 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی)

اذانِ ثانی کے خارج از مسجد ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تائید غیر مقلد وہابی علما سے:

16- غیر مقلد مولوی محمد جونا گڑھی صاحب نے لکھا ہے کہ اذانِ ثانی:

''بازار کی بلند جگہ کہلوائی جاتی تھی نہ کہ مسجد میں''

(فتاویٰ ستاریہ جلد سوم صفحہ ۸۵ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ا)

17۔ مولوی محمد جونا گڑھی کے موقف کے متعلق ''فتاویٰ ثنائیہ'' میں بھی لکھا ہے:

''مولانا محمد صاحب دہلوی مرحوم اخبارِ محمدی یکم جنوری ۱۹۳۹ء پر اس اذان کو

مسجد کے اندر کہلوانا بدعتِ سیئہ قرار دیتے ہیں۔''

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۳۶، ادارہ ترجمان السنہ، ایبک روڈ، لاہور)

18- غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولوی یونس دہلوی صاحب نے جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

''یہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے مسجد میں یہ اذان دینی بدعت ہے حضرت عثمان نے مسجد سے باہر زورا بازار میں دلوائی تھی۔''

(دستور المتقی فی احکام النبی صفحہ ۱۶۳، اسلامک پبلشنگ، الفضل مارکیٹ ۱۷، اُردو بازار، لاہور)

19- غیر مقلدین کے مشہور مولوی عبدالستار دہلوی صاحب نے جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں لکھا ہے:

''مسجد کے اندر خطیب کی آمد کے قبل اذان کہلوانا اذانِ عثمانی نہیں بلکہ اذان مروانی و بدعی ہے اگر مسئلہ ہذا کی مفصل و مدلل بحث دیکھنی منظور ہو تو دفتر صحیفۂ اہلحدیث سے رسالہ ''اقامة الحجة ان النداء الثالث یوم الجمعه فی المسجد'' منگوا کر ملاحظہ کریں۔''

(فتاویٰ ستاریہ جلد اصفحہ ۱۹۶، ۱۹۷ ناشر مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی نمبر ا)

20- مولوی عبدالستار دہلوی صاحب نے ایک اور فتویٰ میں لکھا ہے:

''خلفائے اربعہ کے بعد جب ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو مروانیوں نے جہاں دیگر سننِ نبویہ کو درہم برہم کیا وہاں اذانِ عثمانیہ کو بھی خلافِ طریقہ رسول وصحابہ کے مسجد میں جاری کر دیا (کذافی عون المعبود شرح ابو داؤد) پس جو لوگ آج جمعہ کے دن مسجد میں اذانِ عثمانیہ کہتے یا کہنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ اس میں سنتِ رسول و سنتِ صحابہ کے مخالف اور ہشام بن عبدالملک کے مقلد ہیں ''کائناً من کان'' صد افسوس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاءِ اربعہ کی سنت کو چھوڑ کر ہشام بن عبدالملک کی سنت کو ترجیح دیں

اور اہلحدیث کہلائیں" ایں خیال است و محال است و جنوں۔"

(فتاویٰ ستاریہ جلد اصفحہ ۱۲۱، ناشر مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

21- اسی "فتاویٰ ستاریہ" میں ایک اور مقام پر لکھا ہے:

"جب ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو مروانیوں نے جہاں دیگر سننِ نبویہ پر ہاتھ صاف کیا وہاں اذانِ ثانی کو بھی خلاف طریقہ نبوی وخلفاء اربعہ کے بعد، مسجد میں جاری کر دیا۔ (کذافی عون المعبود شرح ابی داؤد وفتح الباری شرح صحیح البخاری)"۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۸۳، مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

22- مولوی عبدالستار دہلوی صاحب نے اذان ثانی مسجد میں دینے کے قائل غیر مقلدین کا رد کرتے ہوئے مزید لکھا ہے:

"خلاصۃ المرام یہ کہ جو لوگ آج کل جمعہ کے دن مساجد میں اذانِ ثانی کہتے کہلواتے ہیں وہ اس میں سنت رسول و سنت صحابہ کے مخالف اور ہشام بن عبدالملک کے مقلد ہیں "کائناً من کان" تعجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے اربعہ کی سنت پر ہشام بن عبدالملک کے طریقہ کو ترجیح دیں اور پھر متبع رسول و متبع صحابہ کہلائیں" ایں خیال است و محال است و جنوں۔" (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۸۴، ۸۵ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

23- غیر مقلد مولوی ابومحمد عبیداللہ صاحب نے اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دوسری اذان خارج عن المسجد ثابت ہے۔" (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۸۵ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

24- غیر مقلد مولوی عبدالرشید صاحب نے لکھا ہے کہ یہ اذانِ ثانی

"مسجد کے باہر ہوا کرتی تھی وہ مکان بازار میں ہے۔"

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۸۵ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

25- غیر مقلد مولوی احمد اللہ صاحب نے اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

''دوسری اذان حضرت عثمان کے زمانہ میں باجازت امیر المومنین کہی گئی خارج میں مقام زوراء پر اگر اس طرح کہے جائز ہے اور اگر مسجد کے اندر کہی جائے تو یہ بدعت ہے۔''

(فتاوی ستاریہ جلد سوم صفحہ ۸۶، مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

مولوی احمد اللہ صاحب کے جواب کی تصدیق ۳ غیر مقلد علما نے کی ہے، تصدیقات ملاحظہ کریں۔

26- ''الجواب صحیح'' ابو عرفان محمد سلیمان عفی عنہ مرشد آبادی سند یافتہ مدرسہ دار الکتاب و السنہ۔

27- ''انا اقول بما قال به مولانا احمد الله'' محمد بن عبد الله الندوی مدرس دار الحدیث الرحمانیہ۔

28- ''مولانا احمد اللہ صاحب کا جواب مناسب ہے۔''

(عبد الغفور مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ)

(فتاوی ستاریہ جلد سوم صفحہ ۸۶ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

29- غیر مقلد وہابی مولوی ابو محمد عبد الجبار صاحب نے جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

''حضرت عثمان نے اس اذان کو مسجد کے باہر مقام زوراء پر دلوایا تھا اب جو لوگ اس اذان کو مسجدوں میں دلواتے ہیں یہ بدعت ہے کیونکہ مقام زوراء پر دلوایا تھا'' کما لا یخفی و اللہ اعلم و علمہ اتم ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلوی مدرس مدرسہ کھنڈیلہ حال وارد مدرسہ سلفیہ دربھنگہ صوبہ بہار''

30- غرباء اہل حدیث کے امام ابو محمد مولوی عبد الوہاب صاحب نے غیر مقلد مولوی عبد الجبار کے فتوی کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے

الجواب صحیح (حضرت الامام مولانا مولوی الحافظ الحاج ابو محمد

عبدالوہاب عفی عنہ)

(فتاویٰ ستاریہ جلد سوم صفحہ ۸۷ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

31- غیر مقلد مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے بھی اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

"حضرت عثمان نے جو اذان کہلائی تھی وہ مسجد میں نہ تھی خارجِ مسجد تھی۔"

(فتاویٰ ستاریہ جلد سوم صفحہ ۸۷ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

32- مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے اس جواب کی تصدیق کرتے ہوئے غیر مقلد مولوی ابوعمار صاحب نے لکھا ہے!:

"الجواب صحیح" ابوعمار عبدالقہار غفر لہٗ مدرس مدرسہ دارالسلام، کراچی۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد سوم صفحہ ۸۷ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

33- غیر مقلدین کے پندرہ روزہ "صحیفہ اہل حدیث، کراچی" میں "اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی" کے عنوان سے غیر مقلد مولوی عبدالوہاب صاحب کے محاسن بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولوی عبدالوہاب غیر مقلد نے کہا:

"خطبہ سے پہلے مسجد میں اذان کہنی بدعت ہے امام جب منبر پر بیٹھے تو اُس وقت صرف ایک اذان کہنی سنت ہے ہاں پہلی اذان کی ضرورت ہو تو مسجد سے باہر کہلانی چاہیے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللّٰہ عنہ کے زمانہ میں مسجد سے خارج بازار میں ہوتی تھی، اس مسئلہ پر بھی کچھ عرصہ تک ((مولوی عبدالوہاب غیر مقلد کی)) مخالفت کی گئی بالآخر اس کو بھی تسلیم کرلیا گیا"

(پندرہ روزہ صحیفہ اہلحدیث، کراچی صفحہ ۵، جلد ۶۰، شمارہ ۲۲، بابت ۱۳۹۵ھ ہجری نومبر ۱۹...ء)

قارئین کرام! علمائے دیوبند اور علمائے غیر مقلدین کے پیش کیے گئے حوالہ جات سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ جمعہ کی اذانِ ثانی کے خارج از مسجد ہونے کے متعلق سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کا مؤقف برحق ہے۔ علمائے دیوبند و غیر مقلدین کا طرزِ عمل دیکھیں کہ سنتِ نبوی و سنتِ خلفائے راشدین کو زندہ کرنے والے عالم ربانی کو

اس مبارک فعل کی وجہ سے طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔ حالانکہ خود دیابنہ و غیر مقلدین سنت نبوی و سنتِ خلفائے راشدین کے عامل ہونے کا دعوی کرتے ہیں لیکن مسئلہ اذانِ ثانی میں سنت سے ثابت شدہ فعل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ سنتِ نبوی کے مقابل ہشام بن عبدالملک کے طریقہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یاللعجب۔ مسئلہ اذانِ ثانی کی آڑ میں سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اپنا غبار نکالنے والے دیوبندی علما بالخصوص ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی صاحب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ جس مسئلہ میں سیّدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمہ کا مؤقف غلط ثابت کرنے کے لئے انہیں ''مطالعہ بریلویت'' جلد نمبر ۷ کے کئی صفحات کو سیاہ کرنا پڑا، وہی موقف اکابر دیوبند اوران کے ''ہم مخرج و ہم عقیدہ'' غیر مقلد بھائیوں سے ثابت ہو گیا اور یوں ''مطالعہ بریلویت'' جلد ۷ کے اس حصہ کا اجمالی رد بھی ہو گیا۔ الحمد للّٰہ۔ ڈاکٹر صاحب سے گزارش ہے کہ اگر آپ کو خدا اور سول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کی شرم نہیں تو اپنے اکابر کی ہی شرم کر لیں۔

کتاب "اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ لِقِیَامِ سُنَّۃِ نَبِیِّ اللّٰہِ" کس کی تالیف ہے؟:

یہ مجموعہ پریس میں جانے کے لیے بالکل تیار تھا کہ محترم ومکرم برادرِ دینی مجاہد اہلِ سُنّت محمد ابرار قادری حفظہ اللّٰہ تعالٰی نے راقم کو بتایا کہ کتاب "اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ لِقِیَامِ سُنَّۃِ نَبِیِّ اللّٰہِ" آج تک غلطی سے سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے نامِ نامی سے شائع ہوتی رہی ہے۔ جب کہ درحقیقت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا مفتی حامد رضا خان قادری برکاتی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی تصنیف ہے۔ محترم بھائی محمد ابرار قادری حفظہ اللّٰہ تعالٰی کے بیان کردہ دلائل میں اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ اور ان کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ اہم تحقیق ہمیں بیان فرمائی۔

ا۔ ہمارے موقف کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کا ایک مکتوب حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا مفتی حامد رضا خان قادری برکاتی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی کتاب "سلامۃ اللّٰہ لاھل السنۃ من سَیْل العناد و الْفِتْنَۃ" (۱۳۳۲ھ) میں شامل ہے۔ اس مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

"وَلَدِ اَعز مولوی حامد رضا خان سَلَّمَہ الرحمٰن نے جناب کے فتوائے اولیٰ پر چون "د" ایراد کیے ہیں کہ "اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ" میں طبع ہوئے"

(سلامۃ اللّٰہ لاھل السنۃ من سَیْل العناد و الْفِتْنَۃ صفحہ ۳۷ مطبوعہ مطبع اہل سنت وجماعت واقع بریلی)

سیدی اعلیٰ حضرت کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ "اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ" حضرت

حجۃ الاسلام کی تالیف ہے نہ کہ سیدی اعلیٰ حضرت کی۔

۲۔ ہمارے موقف کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ کتاب " اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ " کے پہلے حصہ میں دو مقامات پر سیدی اعلیٰ حضرت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ "حضور اعلیٰ حضرت مجددِ اعظم دین وملت"

"حضور پُر نور سیّدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجددِ اعظم دین وملت"

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت کی اپنی تالیف نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اعلیٰ حضرت کی اپنی کتاب ہوتی تو اس کے متن میں آپ کا نام اس طرح مذکور نہ ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میثم عباس قادِری رضوی

لاہور، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح قصیدہ بردہ شریف

حضرت علامہ الحاج المفتی

ازقلم فیض ملت محمد فیض احمد اویسی رضوی

مرتبہ

مولانا الحاج مفتی محمد فیاض احمد اویسی

کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور

0313-8222336, 0321-4716086

تعلیم اسلام

مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ

کتب خانہ امام احمد رضا

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا

علم التجوید

زینت القراء

قاری غلام رسول قدس سرہ العزیز

کتب خانہ امام احمد رضا

دربار مارکیٹ لاہور 0313-8222336 0321-4716086